تازہ خواہی داشتن گر داغ ہائے سینہ را
گاہے گاہے باز خواں قصۂ پارینہ را

تاریخِ چوہان گوجر

مولانا محمد موسیٰ شاکر
غفراللہ لہٗ
شیفلڈ یوکے

نام کتاب ــــــــــــــــــــــــ تاریخ چوہان گوجر

تالیف: ــــــــــــــــــــ مولانا محمد موسیٰ شاکر غفر اللہ لہٗ

بار ــــــــــــــــــــــــــــــــــــــ اوّل

صفحات ــــــــــــــــــــــــــــــــــ 267

قیمت: ....

تاریخ اشاعت ــــــــ بدھ، 5 فروری 2025ء مطابق 6, شعبان المعظم ۱۴۴۶ھ

ناشر ـــــ مکتبہ ابوموسیٰ الاشعریؓ، جامع مسجد و مدرسہ ابوموسیٰ الاشعریؓ تحصیل حسن ابدال ضلع اٹک

پاکستان میں ملنے کے پتے:

۱) مکتبہ ابوموسیٰ الاشعریؓ، جامع مسجد و مدرسہ ابوموسیٰ الاشعریؓ شاکر آباد کوٹ میرا تحصیل حسن ابدال ضلع اٹک

(۲) کتب خانہ رشیدیہ راجہ بازار راولپنڈی

(۳) مکتبہ رشیدیہ کمیٹی چوک راولپنڈی

(۴) اسلامی کتاب گھر خیابان سرسید راولپنڈی

انگلینڈ میں ملنے کے پتے:

1) Moulana M Musa Shakir 49, Glen Road Sheffield

S7 1RA Ph: 07794141715

2) M. Shabir Ahmad 66, Meadow St Rotherham S61 IEB

3) Junaid Banuri 35, Ironside Close sheffield s14 1FB

4) Anjum Farooq: 11, Bowshaw Ave Sheffield S8 8EY

5) Hammad Qazi 4, Gaunt Close Sheffield S14 1GD

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
اللہ
کے نام سے شروع سے کرتا ہوں
جو بڑا ہی مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے
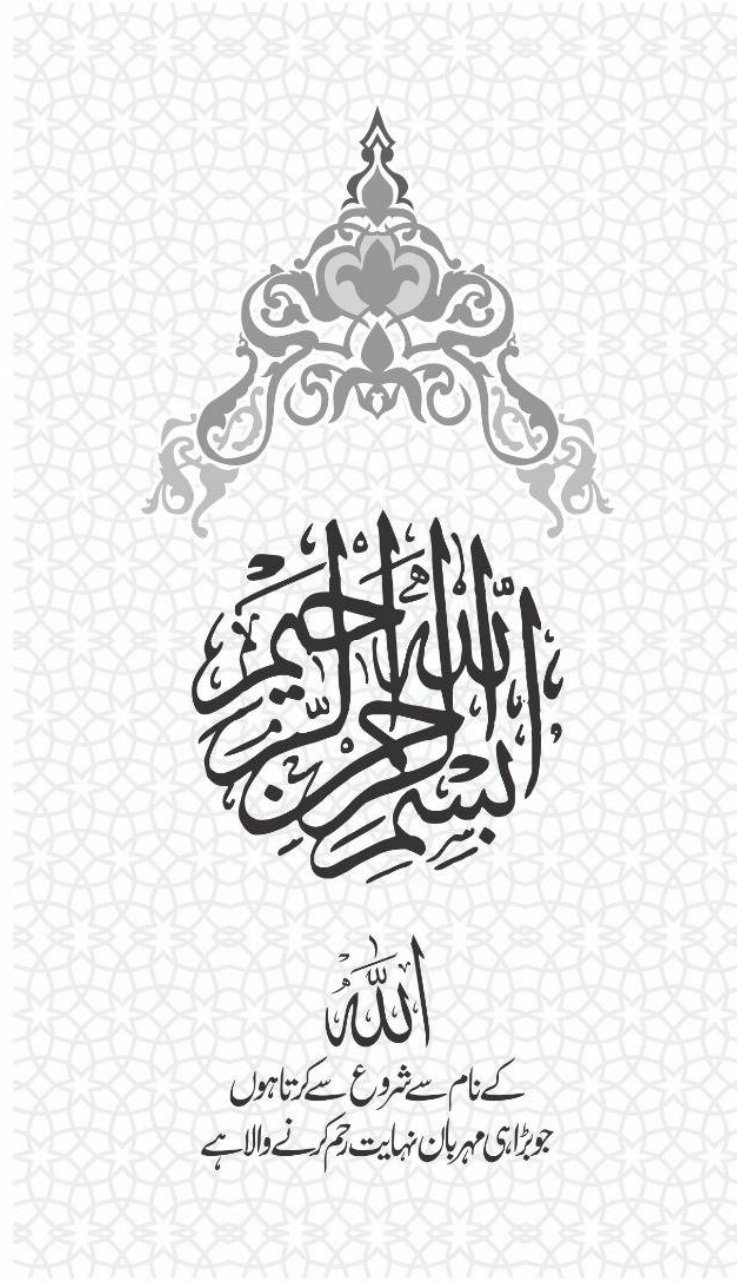
بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
انتساب
میں اپنی اس حقیر تالیف
کو اپنے والدین کے نام
معنون کرتا ھوں
محمد موسیٰ شاکر
غفراللہ له

فہرست مضامین

پیش لفظ

•◆•◆•◆•

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اِنَّ الْحَمْدَ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ، وَ نَعُوْذُ بِا للّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ أَنْفُسِنَا وَ مِنْ سَیِّئَاتِ أَعْمَا لِنَا، مَنْ یَّھْدِہٖ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ، وَ مَنْ یُّضْلِلْ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ، وَاَشْھَدُ اَنْ لَّا إِلٰہَ اِلاَّ اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ، وَاَشْھَدُ أَنَّ مُحَمَّداً عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ۔ اَمَّا بَعْدُ!

معیارِ شرافت

قارئین کرام:

کسی شخص کی شرافت ونجابت کا معیار اس کی مالداری، حکومت اور اعلیٰ نسب نہیں ہیں بلکہ اس کی کرامت اور شرافت کا معیار خود اس کے اعمال اور اخلاق حسنہ ہیں جن سے اس کی شناخت ہوتی ہے۔ ربّ العالمین نے بھی انسانوں میں سے کسی انسان کو اس کی مالداری اور نسب کی وجہ سے اعلیٰ اور شریف و نجیب قرار نہیں دیا جیسا کہ قرآن کریم میں اُس کا ارشاد گرامی ہے:

یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّ اُنْثٰى وَ جَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّ قَبَآىِٕلَ لِتَعَارَفُوْا ؕ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِیْمٌ خَبِیْرٌ (سورۃ الحجرات،۱۳)

اے لوگو! ہم نے تمہیں ایک ہی مرد اور عورت سے پیدا کیا ہے اور تمہارے خاندان اور قومیں (گوتیں اور قبیلے) جو بنائے ہیں تا کہ تمہیں آپس میں پہچان ہو، بے شک زیادہ عزت والا تم میں سے اللہ کے نزدیک وہ ہے جو تم میں سے زیادہ متقی و پرہیزگار ہے، بے شک اللہ سب کچھ جاننے والا خبردار ہے۔

الشرف بالعلم والادب، لا بالاصلِ والنسب

بزرگی علم اور ادب سے ہے نہ کہ اصل اور نسب سے۔

تو معلوم ہوا کہ اخلاقِ حسنہ اور علم و ادب اور تقویٰ و طہارت میں ترقی کرنے سے انسان خود بھی اور اس کا خاندان بھی معزز و مکرّم بنتا ہے، اعلیٰ نسب اور صاحب حکومت اور مال اور عہدے اور منصب سے شریف و معزز و مکرّم نہیں ہوسکتا، کیونکہ یہ عارضی چیزیں ہیں کبھی ایک کے پاس تو کبھی دوسرے کے پاس۔

لیکن چونکہ قومیں، خاندان، گوتیں، قبیلے تعارف کا ذریعہ ہیں، اور ہر انسان اپنی قوم میں رہ کر ہی شرافت و بزرگی حاصل کرسکتا ہے۔ جو شخص اپنی قوم سے علیحدہ ہوا وہ کہیں کا بھی نہیں رہتا۔ وہ اپنوں اور غیروں کی نظروں میں ذلیل وخوار نظر آتا ہے، اس لئے جو لوگ احساس کمتری کا شکار ہو کر گوجر قومیت اور لقب کو چھوڑ کر دوسری قومیتیں اور القاب حاصل کرتے ہیں وہ قابلِ رحم ہیں، وہ اپنی قوم کی تاریخ سے پوری طرح واقف نہیں ہیں۔ اس لئے ہر انسان کو چاہیئے کہ وہ اپنی قوم کی تاریخ سے پوری طرح واقفیت حاصل کرے تا کہ اُسے شرمندہ نہ ہونا پڑے۔

تاریخ کی اہمیّت

تاریخ ہم کو بزرگوں کے حالات سے واقف کرا کے دل و دماغ میں ایک با برکت جوش پیدا کر دیتی ہے۔ خالق کائنات نے بھی کتب سماویہ کے اندر تاریخی چاشنی رکھی ہے، جس کے مطالعے سے حوصلہ بلند ہوتا ہے، ہمّت اور دور اندیشی بڑھتی ہے، دانائی اور بصیرت ترقی کرتی ہے، صبر و استقلال کی صفت پیدا ہوتی ہے، اور دل و دماغ میں ہر وقت تازگی اور نشو ونمائی کی کیفیت موجود رہتی ہے۔ صحیح تواریخ میں عوام وخواص کے حالات، غریبوں کی جھونپڑیوں سے لے کر اونچے محلّات تک کی داستانیں، رہبروں کی نصیحتیں، جنگوں میں دلیری اور بہادری کے نقشے، اور تہذیب وتمدن کی روشنی ہوتی ہے، جن سے گھر بیٹھے ہم عبرت حاصل کر سکتے ہیں۔ اور دنیا کے سابقہ تجربات سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿أَفَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَيَنظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ ۚ كَانُوا أَكْثَرَ مِنْهُمْ وَأَشَدَّ قُوَّةً وَآثَارًا فِي الْأَرْضِ فَمَا أَغْنَىٰ عَنْهُم مَّا كَانُوا يَكْسِبُونَ﴾ (غافر: ۸۲)

کیا ان لوگوں نے زمین میں سیر نہیں کی تا کہ دیکھتے جو لوگ ان سے پہلے تھے ان کا انجام کیسا ہوا۔ (حالانکہ) وہ ان سے کہیں زیادہ طاقتور اور زمین میں نشانات (بنانے) کے اعتبار سے بہت بڑھ کر تھے۔ تو جو کچھ وہ

کرتے تھے وہ ان کے کچھ کام نہ آیا۔

اور ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ أَوَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَيَنظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ كَانُوا أَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً وَأَثَارُوا الْأَرْضَ وَعَمَرُوهَا أَكْثَرَ مِمَّا عَمَرُوهَا وَجَاءَتْهُمْ رُسُلُهُم بِالْبَيِّنَاتِ فَمَا كَانَ اللَّهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلَٰكِن كَانُوا أَنفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ ﴾ [۳۰-الروم:۹]

کیا اُن لوگوں نے ملک میں سیر نہیں کی؟ (سیر کرتے) تو دیکھ لیتے کہ جو لوگ اُن سے پہلے تھے ان کا انجام کیسے ہوا۔ وہ اُن سے زور وقوت میں کہیں زیادہ تھے اور اُنہوں نے زمین کو جوتا اور اس کو اس سے زیادہ آباد کیا تھا جو انہوں نے آباد کیا۔ اور اُن کے پاس اُن کے پیغمبر نشانیاں لے کر آتے رہے تو خدا ایسا نہ تھا کہ اُن پر ظلم کرتا۔ بلکہ وہی اپنے آپ پر ظلم کرتے تھے۔

اور ارشاد باری ہے:

﴿ أَفَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَتَكُونَ لَهُمْ قُلُوبٌ يَعْقِلُونَ بِهَا أَوْ آذَانٌ يَسْمَعُونَ بِهَا ۖ فَإِنَّهَا لَا تَعْمَى الْأَبْصَارُ وَلَٰكِن تَعْمَى الْقُلُوبُ الَّتِي فِي الصُّدُورِ ﴾ [الحج:]

کیا وہ لوگ زمین میں چلتے پھرتے نہیں تو ان کے ایسے دل ہوتے جن سے سمجھتے اور ایسے کان ہوتے جن سے سنتے، پس بیشک آنکھیں نہیں اندھی ہوتی ہیں بلکہ دل اندھے ہوجاتے ہیں جو سینوں میں پائے جاتے ہیں۔

ان تمام آیات سے معلوم ہوا کہ قومی تاریخ جاننے کی ضرورت ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے بہت سی قوموں کے حالات بیان فرما کر انسانوں کو دعوت فکر دی ہے، اور اسی لئے اکثر اہل علم نے گذشتہ حالات لکھ کر انسانوں کو ترقی اور تہذیب کے بام عروج پر پہنچایا ہے۔

جس قوم کو اپنے تاریخی حالات وواقعات کا پوری طرح علم ہوتا ہے، اس کے قومی امتیازات، اور خصوصیات بھی محفوظ اور قائم رہتے ہیں، اور قوم کے افراد کا کسی میدان میں دل نہیں ٹوٹنے دیتے۔ جو شخص اپنے باپ داد کے

حالات سے بے خبر ہو وہ موقعہ پا کر خیانت کر سکتا ہے، میدان جنگ سے بھاگ سکتا ہے۔لیکن جس کو اپنے اباؤ اجداد کی میدان جنگ میں شجاعت و بہادری کے بارے میں معلوم ہوگا، ان کی عزت وشہرت کے بارے میں معلوم ہوگا، ان کے تقویٰ وطہارت والی زندگی کے بارے میں معلوم ہوگا وہ کبھی راہ فرار اختیار نہیں کرے گا۔

شریف قوموں کو اپنے آباؤ اجداد کے کارہائے نمایاں یاد ہوتے ہیں، جن کی پیروی کو وہ اپنے شرافت قائم رکھنے کے لئے ضروری سمجھتے ہیں۔

تاریخ شاہان گوجر کے مصنّف ابوالبرکات رانا مولوی محمد عبدالمالک چوہانؒ اپنی تاریخ میں لکھتے ہیں کہ:

" نسب کا اتّحاد سلسلۂ تنظیم کو مستحکم کرتا ہے، سلسلۂ نسب کو محفوظ رکھنا، اور اس کو یاد کرنا انسان کی ضروریات زندگی میں سے ایک ضرورت ہے۔عرب کا بچّہ بچّہ نہ صرف اپنے نسب نامے یاد رکھتا تھا بلکہ دوسرے خاندانوں کے نسب نامے بھی سنا سکتا تھا۔فرماتے ہیں کہ جو قوم اپنی تاریخ سے واقف نہیں اس میں اور حیوانوں میں کچھ فرق نہیں۔ کوئی قوم اِس وقت دنیا میں ایسی نہیں جس کی تاریخ نہ ہو۔ ہر قوم کی ترقی کا اوّلین زینہ تاریخ ہے۔ جو قوم تاریخ سے بے بہرہ ہے وہ دولت واقبال سے بھی بے بہرہ ہے، اور اس کے برابر اور کوئی قوم غافل اور ناعاقبت اندیش نہیں ہو سکتی۔کس قدر جہالت اور احسان فراموشی ہے کہ جس خاندان سے کوئی قوم پیدا ہوئی ہو وہ اس کے نام ونشان سے بے خبر ہو۔ جہاں دوسری قوموں کے بچے دس بیس پشت تک اپنا نسب نامہ بتا سکتے ہیں، وہاں ہمارے بچوں کی زبان، دادا کا نام لیتے ہی بند ہو جاتی ہے۔ہم اگر اپنے باپ دادوں کے مزاروں پر دعائے مغفرت کے گلدستے چڑھانے اور عقیدت وارادت کی قندیلیں روشن کرنے سے محروم ہیں تو یہ ہماری بدقسمتی ہے۔مگر یہ بے نصیبی اُس بدقسمتی سے کمتر ہے جب ہم کو یہ بھی معلوم نہ ہو کہ ہم کس کی یادگار ہیں۔

ہم مذہبی احکام سے غافل، اپنے آباؤ اجداد کے کارناموں سے بے خبر ہیں۔ نہ دین کے رہے، نہ دنیا کے۔ جو قوم اپنی تاریخ سے واقف نہیں اس میں اور حیوانوں میں کچھ فرق نہیں۔اُس قوم کے افراد کی مثال بچھڑوں کی سی ہے کہ پیدا ہوئے، گائے کا دودھ پیا، بڑے ہوئے، بھوسہ کھا کر موٹے ہوئے، ہل میں جوتے گئے، اور دس سال کسان کے ڈنڈے کھا کر مر گئے۔قرآن شریف میں ایسی ہی قوم کی نسبت ارشاد باری ہے:

أُولَٰئِكَ كَالْأَنْعَامِ بَلْ هُمْ أَضَلُّ ۚ أُولَٰئِكَ هُمُ الْغَافِلُونَ ۔

یہ لوگ چوپاؤں جیسے ہیں، بلکہ یہ زیادہ بھٹکے ہوئے ہیں، یہی ہیں جو بالکل بے خبر ہیں۔

شجرۂ نسب کے سلسلہ میں میری جستجو

میرا تعلق چونکہ گُوجروں میں چوہان خاندان سے ہے اس لئے لڑکپن سے ہی مجھے اس بات سے دلچسپی تھی کہ خاندان کے بزرگوں کے بارے میں جانوں، یہ تقریباً 1983ء کی بات ہے کہ میرے دل میں خیال پیدا ہوا کہ اپنے شجرہ نسب کے بارے میں جانا جائے، چنانچہ جب سالانہ عید کی چھٹیوں پہ میں گاؤں گیا تو والد صاحب سے، الف دین چچا مرحوم، مولانا کے والد ماولی حاجی مرحوم سے اور دیگر بزرگوں کے پاس جا کر میں نے اپنے بزرگوں کے بارے میں تحقیقات کیں اور ان سے سوالات پوچھے، جس سے جو معلومات حاصل ہوتیں وہ میں لکھ لیا کرتا تھا۔اس وقت کسی کے پاس اتنی معلومات نہیں تھیں کافی عرصہ کی تحقیقات کے بعد پھر میں نے یہ شجرہ مرتب کیا۔

محمد علی بابا کی اولاد یعنی کالے چوہانوں کے علاوہ میں نے دیگر یعنی رتّے چوہانوں کے بارے میں بھی معلومات اکھٹی کیں اور انہیں بھی مرتب کر دیا۔ پھر حکیم ملّت مولانا عبد الحکیمؒ کے حوالے سے ان کے خاندان کے بزرگوں کے بارے میں بھی معلومات حاصل کیں، اور ان کا شجرہ بھی لکھ لیا۔اسی طرح بعض دیگر چوہان خاندان کے بڑوں کے بارے میں بھی معلومات جمع کیں اور لکھ لیں۔ جو انشاء اللہ اس کتاب کے آخر میں آپ پڑھیں گے۔

مجھے اب افسوس ہو رہا ہے کہ کیا ہی اچھا ہوتا اگر میں بلیھسر خاندان، اور بجران خاندان وغیرہ کے بارے میں بھی معلومات حاصل کر لیتا۔لیکن اس وقت چونکہ ترجیح اپنا خاندان تھا اس لئے ان کے بارے میں معلومات جمع کیں۔ ان معلومات کے حصول میں زیادہ حصّہ میرے والد گرامی حاجی حضرت میر چوہان (رب العالمین انہیں غریق رحمت فرمائے) کا ہے اس وقت خاندان میں بڑے وہ اور الف دین چچا تھے۔اس شجرہ کو مرتب کرنے کے بعد میں نے یہ پھر غلام رسول ماموں، قاری فقیر محمد صاحب مرحوم اور چند اور لوگوں کے ساتھ شیئر کیا، اور پھر ایک چاٹ مرتب کر کے اپنے پاس رکھ لیا، انگلینڈ آنے کے بعد جون 2006ء میں میں نے کمپیوٹر کے ذریعہ اس کو ایک صفحہ پر مرتب کیا، اور پھر فیس بک پر بھی اس کو شیئر کر دیا۔

اس دوران اس پر مختلف کمنٹس اور تبصرے بھی آتے رہے ہمارے ایک بھائی عبد الستار مرحوم نے خواہش ظاہر کی کہ اس کو کتابچہ کی شکل میں اگر مرتب کر دیا جائے تو کیا ہی اچھا ہو، بعض احباب نے خواہش ظاہر کی کہ اگر

چوہان خاندان کی تاریخ لکھ دی جائے تو کیا ہی اچھا ہو۔بعض نے اپنے نام نہ ہونے کا شکوہ کیا۔ چونکہ یہ تقریباً آج سے چالیس سال پہلے میں نے لکھا تھا،اس کے بعد ماشاء اللہ بہت سے بچے نئی نسل کے پیدا ہوکر جوان ہوئے اور پھر بچوں والے بن گئے ،تو میں نے ضرورت محسوس کی کہ اس کو از سر نو اپ ڈیٹ کر کے قوم کے سامنے پیش کر دیا جائے ، اور ساتھ ہی ساتھ چوہان خاندان کے بارے میں تاریخی معلومات بھی جمع کر کے نوجوانوں کے سامنے چوہانوں کی تاریخ پیش کر دی جائے۔

الحمدللہ میں نے اس پر کام شروع کیا اور آج میں یہ کتاب " تاریخ چوہان گُوجر" آپ کی خدمت میں پیش کرنے جا رہا ہوں۔اس کتاب میں ہمارے کالے چوہانوں میں سے محمد علی بابا کی نسل میں دسمبر 2024ء تک پیدا ہونے والے تمام بچوں کے نام آ گئے ہیں ،اگر کوئی رہ گیا ہو تو میں معذرت خواہ ہوں۔امید ہے کہ اب کسی کو نام نہ ہونے کی شکایت نہیں ہوگی۔ اور میرے اس کام کو قدر کی نگاہ سے دیکھ کر میرے حق میں ہر قاری چند دعائیہ کلمات میری بخشش کے لئے ضرور کہے گا۔

میری شروع سے کوشش رہی ہے کہ خاندان کے بچوں اور بھائیوں کے کام آ سکوں۔اس سلسلہ میں دوران تعلیم ہی میں نے کام شروع کر دیا تھا۔اور اس مقصد کے لئے میں نے چند ساتھیوں کے ساتھ مل کر مجلس رشیدیہ بنائی اور اس مجلس کے ذریعہ سے مختلف مدارس میں ہر ماہ تعلیمی اور تربیتی پروگرام کرتا رہا۔اسی مجلس رشیدیہ کے ذریعہ سیاسی پلیٹ فارم پر بھی کام ہوتا رہا علاقہ کے الیکشنوں میں نمائندگی ہوتی رہی ۔چونکہ یہ مجلس گوجر قوم کے تمام ہی گوتوں کی نمائندگی کر رہی تھی اس لئے جب اس کی شہرت زیادہ ہوگئی تو بڑوں نے انتخابات کے ذریعہ سے اس پر قبضہ کر لیا۔اور پھر یہ مجلس ہی معدوم ہوگئی۔

پھر میں نے صرف چوہانوں کے بچوں کی فلاح و بہبود اور ان کی تعلیمی و تربیتی منشور کو سامنے رکھتے ہوئے چوہان ایجوکیشن سوسائیٹی کے نام سے ایک تنظیم بنائی ، اور اپنی بساط کے مطابق برادری کے بیروز گاروں کو ماہانہ وظیفے دیئے ، اور مدارس میں پڑھنے والے بچوں کے لئے کام کیا۔تقریری نشستیں کروائیں،انہیں کتابیں ، کاپیاں،قلم مہیا کئے، امتحانات میں میں کامیاب ہونے والوں کو انعامات دیئے ، ان کی حوصلہ افزائی کی۔ نئے آنے والوں کو داخلے دلوائے ، اور اس سلسلہ میں مجھے اپنوں اور بیگانوں کی بہت سی مخالفتوں کا سامنا بھی کرنا پڑا۔ اللہ رب العزت

قبول فرمائے۔ شائد بعض احباب کو یاد ہو اور بعض بھول چکے ہوں کیونکہ مجموعی طور پر ہم ایسی باتوں کو زیادہ یاد رکھنے کے خوگر نہیں ہیں۔

آخر میں گزارش ہے کہ اس کتاب کے لکھنے کا ہرگز یہ مقصد نہیں ہے کہ ہم دوسری قوموں پر اظہار فخر کریں، جیسا کہ آج کل لوگوں کے مدّنظر رہتا ہے۔ اس قسم کا اظہار فخر شرعاً و اخلاقاً ناجائز ہے۔

پیارے پیغمبر ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: "اَنَا سَیِّدُ وُلْدِ آدَمَ وَلَا فَخْرٍ"۔

میں اولاد آدم کا سردار ہوں، لیکن میں اس پر فخر نہیں کرتا۔ کیونکہ فخر ذاتی اعمال و افعال پر ہونا چاہئے۔ اگر انسان میں ذاتی وصف نہ ہو تو خاندانی شرف کام نہیں آتا۔ قرآن کریم میں قوم و قبیلہ کے دونوں پہلو دکھا دیئے ہیں۔

وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا ۚ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقَاكُمْ ۚ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ ۔ (سورۃ الحجرات،۱۳)

اور تمہارے خاندان اور قومیں (گوتیں اور قبیلے) جو بنائے ہیں تاکہ تمہیں آپس میں پہچان ہو، بے شک زیادہ عزت والا تم میں سے اللہ کے نزدیک وہ ہے جو تم میں سے زیادہ متقی و پرہیزگار ہے، بے شک اللہ سب کچھ جاننے والا خبردار ہے۔

"لِتَعَارَفُوْا ۚ" میں اشارہ ہے کہ شعوب اور قبائل میں تقسیم صرف تعارف، پہچان، مؤدّت و محبت کے لئے ہے، کسی اور غرض کے لئے نہیں۔ کسی قوم کا باہمی تعارف اور ہمدردی اور پاکبازی اس کی ترقی کے اسباب اوّلین ہیں۔ جس قوم میں صلاحیت ہوگی وہی اللہ کے نزدیک مقرب ہوگی۔ جس کا نتیجہ اقبال مندی و سعادت مندی ہوگا۔ تو اوّلین منزل نیک کرداری، صلاحیت، اور تقویٰ ہے۔

محتاجِ دعاء

(مولانا) **محمد موسیٰ شاکر** غفر اللہ لہ ولوالدیہ

بدھ، 5، فروری 2025ء مطابق 6، شعبان المعظم ۱۴۴۶ھ

مؤلف کا سوانحی خاکہ اور خاندانی پس منظر

پیدائش

میرا نام محمد موسیٰ شاکرؔ، بن حاجی حضرت میر چوہان، بن نصیر الدین چوہان، بن محمد عبد اللہ، بن گل دین، بن لال دین، بن محمد علی چوہان ہے۔ ہمارے خاندان کے یہ بزرگ جن کا نام محمد علی چوہان تھا یہ پنجاب سے بٹگرام منتقل ہوئے تھے اُس وقت یہ علاقہ غیر تھا، اور انگریز اور پھر سکھ حکومتوں کی رسائی سے باہر تھا۔ ہمارے اس جد امجد کے پاس کہا جاتا ہے کہ بہت زیادہ مال مویشی تھے، اس لئے یہ اپنے مال مویشیوں کے ساتھ سرسبز اور کھلے علاقے کی طرف منتقل ہوئے جہاں ان کے لئے کوئی روک ٹوک نہ ہو، اور اس طرح یہ ننده یاڑ میں جا کر آباد ہو گئے۔ ان کا مزید تذکرہ آگے کتاب میں شجرۂ نسب کے بیان میں کیا جائے گا انشاء اللہ۔

میری پیدائش ضلع بٹگرام کے ایک گاؤں توت بانڈہ میں، حاجی حضرت میر چوہان کے ہاں اپریل 1963ء میں ہوئی۔ اُس زمانے میں لکھنے پڑھنے کا اتنا رواج نہیں تھا اس لئے تاریخ پیدائش وغیرہ نہیں لکھی جاتی تھی، لیکن ایوب خان کے عائلی قوانین کی وجہ سے نکاح فارم پُر کرنا ضروری تھا، اور اسی زمانہ میں میرے بھائی حاجی محمد قاسم صاحب کی شادی خانہ آبادی ہوئی تھی، جن کے نکاح فارم پُر کئے گئے تھے اور نکاح فارم میں ان کی شادی کی تاریخ درج تھی، جس سے میں نے اپنی تاریخ پیدائش کے سن کا اندازہ لگایا ہے، جو مجھے صحیح معلوم ہوتا ہے۔ اگر چہ تاریخ پیدائش کے بارے میں پھر بھی صحیح معلومات نہیں ہیں۔ پیدائش کے بعد دایہ نے سردار نام رکھا، اور بعد میں نانا مرحوم تاج باباؒ نے اسے تبدیل کر کے محمد موسیٰ نام رکھا۔

میرے والد گرامی مرحوم جناب حاجی حضرت میر چوہان ایک کاشت کار گھرانے سے تعلق رکھتے تھے، تاہم گھر کی فضا مذہب کے قریب اور دین دار تھی، میرے پر دادا عبد اللہ بابا ایک ولی اللہ تھے، صوم صلوٰۃ کے پابند اور تلاوت قرآن کے اتنے دلدادہ تھے کہ ہر وقت قرآن مجید اُن کے پاس رہتا تھا، اور دن کو مال مویشیوں کے ساتھ جب ہوتے تو چٹانوں پر بیٹھ کر قرآن کریم اپنے دستی بیگ سے نکال کر تلاوت شروع کر دیتے تھے۔

تلاوت قرآن سے فارغ ہوتے تو ذکر اللہ میں مشغول ہو جاتے۔اور اکثر اُن کی زبان پر ذکر اللہ کے جو الفاظ ہوتے تھے اُن میں سے ایک ذکر یہ تھا:

أَنْتَ الْهَادِيْ أَنْتَ الْحَقّ، لَيْسَ الْهَادِيْ إِلَّا هُوَ، لَآ إِلٰهَ إِلَّا هُوَ، لَآ إِلٰهَ إِلَّا هُوَ، اور لَآ إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ لَآ إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ۔

اور یہی ذکر پھر میرے والد ماجد کی زبان پر بھی ہر وقت جاری رہتا تھا۔

میرے والد گرامی اپنے بہن بھائیوں، اور چچازادوں میں سب سے بڑے تھے، جس کی وجہ سے وہ عام و خاص میں بڑے بھائی کے نام سے مشہور تھے، اور اسی نام سے انہیں مخاطب کیا جاتا تھا۔ان کے تین دیگر بھائی تھے۔میر سید، جمسید اور مولوی خانیز مان۔ان میں سے مولانا خان زمان صاحب مرحوم سب سے چھوٹے تھے اور وہ عالم دین تھے۔اور علاقہ ڈھن کی مسجد میں تاعمر امامت کرتے رہے۔جب کہ دیگر دونوں بھائی بھی ڈھن ہی کے علاقہ میں رہائیش پزیر تھے، اور خان آف ہل سے ان کا تعلق تھا۔اور آج ان کی اولادیں بھی وہیں رہائیش پزیر ہیں۔

میرے والد گرامی مؤرخہ 30، اکتوبر 1997ء مطابق ۲۹، جمادی الثانی ۱۴۱۸ھ کو انتقال فرما گئے، اور 31، اکتوبر بروز جمعہ ان کی نماز جنازہ ادا کی گئی۔رب العالمین انہیں غریق رحمت فرمائے۔آمین

میرے والد ماجد کے پھوپی زاد بھائی حکیم ملت حضرت مولانا عبد الحکیمؒ مدیر جامعہ فرقانیہ مدنیہ راولپنڈی بہت بڑے عالم دین تھے۔جو ایم، این، اے اور سینیٹر بھی رہے، اور ایک بڑا تعلیمی ادارہ جامعہ فرقانیہ مدنیہ کے نام سے قائم کیا، آج کل اس ادارے کے مہتمم اور جانشین اُن کے چھوٹے صاحبزادے حضرت مولانا عبد المجید ہزاروی صاحب ہیں۔

اسی طرح ننھیال کی طرف سے بھی میرے نانا تاج بابا مرحوم ایک بڑے ولی اللہ انسان تھے، میرے نانا مرحوم اور میرے والدین، پیر طریقت حضرت مولانا عبد الحیؒ صاحب آف گیروال مانسہرہ کے بڑے بھائی حضرت صاحبزادہ مولوی محمد حسین صاحبؒ سید پوری سے سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ میں بیعت تھے، جو حضرت خواجہ شمس الدینؒ کے بڑے صاحبزادے اور خلیفۂ مجاز تھے، نہایت خوش خلق اور سادگی پسند، شریعت مطہرہ (علی صاحبہا الصلوات

والسلام) کی پابندی کرنے والے، اور شب بیدار تھے۔آپ حق گو، ظالم کی سرکوبی کرنے والے اور مظلوم کا ساتھ دینے والے تھے۔ ہر کسی سے خندہ پیشانی سے پیش آنے والے نہائیت سادہ طبیعت کے مالک تھے۔

آپ کے والد گرامی حضرت خواجہ شمس الدین سید پوریؒ کا تعلق ازاد کشمیر ضلع مظفر آباد علاقہ کہوڑی کے مقام خاص سید پور سے تھا۔ اور سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ میں آپ حضرت خواجہ فقیر محمد ہشتنغریؒ سے بیعت ہوئے تھے۔آپ کے عقیدت مندوں اور مریدین کی ایک بہت بڑی تعداد علاقہ پکھلی ،ہندھاڑ ،الائی کے اندر موجود تھی۔

میری والدہ ماجدہ

میری والدہ ماجدہ بھی حضرت صاحبزادہ مولوی محمد حسین صاحبؒ سید پوریؒ سے سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ میں بیعت تھیں ،جب پیر صاحب اس علاقے کے دورے پر آئے ہوئے تھے تو میری والدہ نے میرے نانا سے کہا کہ میں بیعت ہونا چاہتی ہوں مجھے آپ پیر صاحب کے پاس لے کر جائیں۔ نانا مرحوم والدہ مرحومہ کو ساتھ لے کر گئے اس وقت وہ مندری کے مقام پر ٹھرے ہوئے تھے، وہاں جا کر والدہ ان سے بیعت ہوئیں۔

میری والدہ مرحومہ جب اپنے حضرت سے بیعت ہوئیں تو بیعت ہوتے ہی اللہ تعالیٰ نے ان کے لطائف کو جاری فرما دیا۔اور اکثر نماز تہجد سے فراغت کے بعد وہیں بیٹھے بیٹھے مراقبہ میں ڈوب جاتیں ،اور مراقبہ کی حالت ہی میں استغراق ہو جا تا تھا۔مکی کی فصل جو ہمارے علاقہ کی مین فصل ہے اس کے کاٹنے کے بعد اس کو چھیلا جاتا ہے مکی کا سٹہ نکالنے کے لئے ۔اکثر ایسا ہوتا کہ مکی چھیلتے چھیلتے والدہ مرحومہ حالت استغراق میں چلی جاتیں تھیں۔

میری والدہ صاحب کشف بزرگ تھیں ،صوم وصلوٰۃ کی پابند تھیں ،تہجد، اشراق، چاشت ، اوابین کا اہتمام کرتیں تھیں ۔اور جب میں چھٹیوں پہ گھر جاتا تو اکثر مجھے اذان دینے اور اس کے اجر وثواب کے بارے میں بیان فرمایا کرتی تھیں کہ بیٹا اذان دیا کرو اس میں بڑا اجر وثواب ہے، جب کوئی بندہ اذان دیتا ہے تو آسمان سے اُس پر رحمت کا پرنالہ برستا ہے اور اس کے سر پر اور دونوں شانوں پر گرتے ہوئے اس کے پورے بدن کو اپنے لپیٹ میں لے لیتا ہے۔

ایک دفعہ میں نے والدہ ماجدہ سے پوچھا کہ آپ جو بار بار مجھے اذان دینے کی ترغیب دیتی ہیں، اور اس کے اجر وثواب کے بارے میں بیان فرماتی ہیں، آپ کو کیسے معلوم کہ اس پر رحمت کا پرنالہ برستا ہے؟ تو اس میرے

استفسار پر انہوں نے اذان دینے والے پر جو اللہ کی رحمت برستی ہے اس کا کشفیہ واقعہ بیان فرمایا کہ جب کوئی بندہ اذان دیتا ہے اور میں اس کی طرف توجہ کرتی ہوں تو میں دیکھتی ہوں کہ آسمان کے دروازے کھل جاتے ہیں اور وہاں سے ایک سفید پرنالہ جاری ہوتا ہے جو آذان دینے والے کے سر اور شانوں پر گرتے ہوئے اس کے سارے بدن کو اپنی لپیٹ میں لے لیتا ہے۔ میں نے اس واقعہ کا ذکر اپنی دوسری کتاب السنّۃ کے اندر اذان کی بحث میں بھی کیا ہے۔

الحمدللہ میری والدہ انتہائی نیک و پارسا خاتون تھیں، ہر وقت تسبیح ان کے ہاتھ میں ہوتی تھی اور چلتے پھرتے مال مویشی کے ساتھ اللہ کی یاد اور ذکر میں مشغول رہتیں۔ ان کو بچپن میں قرآن کریم پڑھنے کا موقعہ نہیں ملا تھا، لیکن شادی کے بعد انہوں نے قرآن کریم کی تعلیم حاصل کی، اور پھر اپنے علاقے کے بچے اور بچیوں کو قرآن کریم کی تعلیم دیتی رہیں۔ فارغ اوقات میں قرآن کریم کی تلاوت کے اندر مصروف رہتیں، رات کو سونے سے قبل سب بچوں کو دعائیں، کلمے وغیرہ پڑھا کر سلاتیں، اور صبح اٹھنے کے بعد پہلا کام یہ ہوتا کہ سب بچوں کو قاعدہ اور قرآن کریم کی تعلیم دیتیں، اور پھر اس کے بعد ناشتہ وغیرہ تیار کیا جاتا۔

مؤرخہ دس,10 فروری 1994ء مطابق ۲۸، شعبان المعظم، بروز جمعرات کو والدہ ماجدہ کا انتقال ہوا، رب العالمین ان کی قبر پر کروڑوں رحمتیں نازل فرمائے، اور جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔ آمین

عرض کرنے کا مقصد یہ ہے کہ الحمد للہ میرا خاندانی پس منظر ددھیال اور ننھیال دونوں طرف سے دینی بنیادوں پر استوار تھا، اور دونوں خاندان اہل حق سے وابستہ تھے۔ والد صاحب مرحوم خود بھی جماعت کے ساتھ وقت لگایا کرتے تھے اسی جذبے کے تحت میرے والد مرحوم حاجی حضرت میرؒ نے اپنی اولاد کو دینی تعلیم دلوانے کا راستہ چنا۔ اور میرے بڑے بھائی جناب قاری محمد داؤد صاحب کو باضابطہ تعلیم کے لئے گھر سے نکال کر مدرسہ بھیجا، اور جب میں نے ہوش سنبھالا تو مجھے بھی بڑے بھائی کے ساتھ تعلیم کے لئے گھر سے نکال دیا۔

آغاز تعلیم

رسم بسم اللہ: تو والدہ مرحومہ نے گھر ہی میں کرادی تھی۔ بھائی قاری محمد داؤد صاحب اس وقت مانسہرہ کے ایک گاؤں ڈھانگری زیریں (جسے مقامی زبان میں "ترلی ڈھانگری" کہا جاتا تھا) میں قاری بدیع الزمان شاکر

صاحب کے پاس حفظ کر رہے تھے، مجھے بھی ساتھ لے جا کر وہیں داخل کرا دیا جہاں میں نے حضرت قاری صاحب سے نورانی قاعدہ اور پھر ناظرہ قرآن کریم شروع کیا۔

اس زمانہ میں با قاعدہ مدارس کا سلسلہ کم تھا، زیادہ تر مساجد میں تعلیم دی جاتی تھی، جہاں کوئی پڑھانے والا استاد موجود ہوتا طلباء پڑھنے کے لئے ان کے پاس پہنچ جاتے تھے۔ طلباء کی رہائیش مسجد میں ہوا کرتی تھی، اور طلباء کا گزر اوقات وظائف پر ہوتا تھا، چھوٹی عمر کے طلباء لوگوں کے گھروں میں جا کر وظیفے مانگتے تھے، اور لوگ حسب استطاعت جو کچھ گھر میں پکا ہوتا اس میں سے تھوڑا بہت دے دیتے تھے۔ اور اس طرح ایک ہی برتن میں مختلف قسم کے سالن جمع کر کے لاتے اور تمام طلباء کھانا کھاتے تھے۔ میں نے بھی ڈھانگری میں وظیفے مانگے ہیں۔

دینی تعلیم کے ساتھ ساتھ بھائی صاحب نے مجھے ڈھانگری بالا میں جو کچھ ہی فاصلے پر واقع ایک دوسرا گاؤں تھا (جسے اُتلی ڈھانگری کہا جاتا تھا) جس میں پرائمری سکول واقع تھا اس سکول میں بھی داخلہ دلوا دیا۔ جہاں کچھ ہی عرصہ میں میں نے کچی اور پھر پہلی جماعت کی کتابیں پڑھ لیں۔

پھر ہمارے استاد حضرت قاری بدیع الزمان شاکر صاحب کو مظفر آباد کشمیر میں جگہ ملی اور ہم طلباء ان کے ساتھ کشمیر چلے گئے، لیکن وہاں کے حالات خراب تھے شیخ عبد اللہ کے خلاف جلوس نکالے جا رہے تھے، اور ابھی پڑھائی کا سلسلہ با قاعدہ شروع نہیں ہوا تھا کہ ایک دن ہماری مسجد کے استنجا خانوں میں بم پکڑا گیا، جس کے بعد ہم استاد کی معیت میں واپس ڈھانگری آ گئے۔ کچھ عرصہ وہاں رہنے کے بعد ہمارے استاد کو ہری پور میں تدریس کے لئے جگہ مل گئی اور یوں اُن کے ساتھ ہی ہری پور مدرسہ دار العلوم معارف الاسلام کھلا بٹ ٹاؤن شپ میں ہم سب طلبہ منتقل ہو گئے، لیکن حضرت قاری صاحب اپنی کسی مجبوری کی بنا پر زیادہ دیر وہاں بھی نہ ٹھر سکے، اور واپس چلے گئے، جبکہ ہمارا قیام وہیں پر رہا۔

دارالعلوم معارف الاسلام میں حفظ کے ساتھ ساتھ سکول کی تعلیم بھی دی جاتی تھی، بلکہ یہ ایک قسم کا پرائیویٹ سکول تھا جہاں پرائمری تک تعلیم دی جاتی تھی۔ مجھے بھی دوسری کلاس میں داخلہ مل گیا۔

ماسٹر بوستان صاحب جو میرے سکول کے استاد تھے نہائیت ہی خوش خط، خوش نویس اور محنتی اور شفیق استاد تھے۔ اُن سے میں نے پہلے دوسری جماعت اور پھر تیسری جماعت کی کتابیں پڑھیں، الحمد للہ ذھین تھا اس لئے اُن

کی بھر پور شفقت حاصل تھی۔

املاء کا واقعہ

ایک واقعہ استاد ماسٹر بوستان صاحب کی شفقت کا ہمیشہ یاد رہتا ہے کہ جب انہوں نے پانچویں کلاس کے استاد ماسٹر تاج صاحب سے باتوں باتوں میں میری تعریف کرتے ہوئے کہا کہ تم اپنی کلاس کے کسی لائق لڑکے کا املاء میں میرے شاگرد کے ساتھ مقابلہ کرا کر دیکھو میں چیلنج کرتا ہوں کہ میرا شاگرد اُسے شکست دے دے گا۔

چنانچہ پانچویں کلاس کے استاد ماسٹر تاج صاحب نے مجھے پانچویں کلاس کے ایک لڑکے کے ساتھ بیٹھا کر خود املاء کروائی، اس زمانے میں تختی پر لکھا جاتا تھا، ماسٹر بوستان صاحب بھی اس عرصہ میں وہیں موجود رہے اور جب املاء کی غلطیاں چیک کی گئیں تو مجھے کامیابی ملی۔ ماسٹر صاحب نے خوشی سے مجھے اپنے کندھے پر بیٹھا کر پورے سکول کا چکر لگایا۔ اللہ ربّ العزت انہیں جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام نصیب فرمائے۔

اس دوران میں جب کہ میں اپنے بھائی صاحب کے ساتھ تعلیم حاصل کر رہا تھا میرے بڑے بھائی حاجی محمد قاسم مرحوم میرے خالہ زاد بھائی مولانا محمد ضیاء الحق مرحوم کو بھی لے آئے، جو فراغت کے بعد شاہ خالد کالونی چکلالہ میں امام رہے اور ماموں زاد بھائی مولانا عبد الوہاب بھی آ گئے، اور علاقے کے کچھ دیگر طلباء بھی ہماری وجہ سے وہیں ہمارے پاس آئے، اور تعلیم حاصل کرنے لگے۔

اس دوران مجھے اور چند دیگر طلباء کو ایک متعدی بیماری لاحق ہو گئی، جس کی وجہ سے ہمیں مدرسہ چھوڑنا پڑا۔ میرے دیگر ساتھی تو جلد صحتیاب ہو گئے مگر میری بیماری نے طوالت اختیار کر لی جس کی وجہ سے تقریباً ایک سال تک میں بستر علالت پر رہا، اور تعلیمی سلسلہ موقوف رہا۔

جب صحت کچھ بہتر ہوئی تو والد صاحب نے اپنے علاقہ کی ایک برگزیدہ ہستی نہائیت ہی مشفق اُستاد جناب قاری محمد طیب صاحبؒ جو مندرئی استاد کے نام سے مشہور تھے، اور نہائیت ہی نیک انسان تھے، ان کے پاس داخل کر دیا اور اُن سے میں نے ناظرہ قرآن کریم مکمل کیا۔

حفظ قرآن کریم

اس دوران میرے بڑے بھائی حفظ مکمّل کرنے کے بعد درجۂ تجوید میں جامعہ فرقانیہ مدنیہ راولپنڈی میں

داخلہ لے چکے تھے ۔جب وہ چھٹیوں پہ گھر گئے تو دوبارہ والد صاحب نے مجھے بھائی صاحب کے ساتھ حفظ قرآن کریم کے لئے راولپنڈی بھیج دیا، یہ 1977ء کا زمانہ تھا، جامعہ فرقانیہ میں داخلے بند ہو چکے تھے، اس لئے انہوں نے لال کواٹرا اسلام آباد کے ایک مدرسہ شاہ فیصل میں مجھے داخل کرا دیا، جہاں الحمدللہ قاری شمس الرحمٰن صاحب سے ایک ہی سال میں میں نے پندرہ سپارے حفظ کر لئے ، اور دوسرے سال راولپنڈی کی مشہور دینی درسگاہ جامعہ فرقانیہ مدنیہ میں داخلہ لے لیا اور اپنے خالہ زاد بھائی جناب حضرت مولانا قاری عبدالرحیم صاحب دامت برکاتہم العالیہ سے(15 مئی، 1979ء) کو حفظ قرآن کی تکمیل کی ۔ہم آٹھ ساتھیوں نے ایک ساتھ حفظ مکمل کیا تھا جن میں مولانا حبیب الرحمٰن صاحب گلستان کالونی والے اور مولانا فضل الرحیم، مولانا محمد سلیمان وغیرہ شامل تھے۔

حضرت قاری صاحب ماشاء اللہ بہت ہی اللہ والے انسان ہیں ، نہائیت ہی سادہ طبیعت، ملنسار، منجھے ہوئے استاد اپنے طلباء پر جان نچھاور کرنے والے ۔اللہ تعالیٰ نے ان سے اپنے دین کا بہت کام لیا۔ اچھے اچھے حفاظ تیار کئے اور پھر فوج میں بطور خطیب چلے گئے، اور اب فوج سے ریٹائیرمنٹ لے لی ہے اور بحمد للہ دین کے کاموں میں شب وروز مصروف ہیں ۔اللہ تعالیٰ ان کا سایہ تادیر قائم دائم رکھے۔آمین ۔

15 مئی، 1979ء، کوشعبۂ تحفیظ سے فراغت کے بعد اپنے بڑے بھائی جناب قاری عزیز الرحمٰن صاحب مدظلہ العالی اور قاری محمد داؤد صاحب کے حکم پر (1979ء) ہی میں ملک کی معروف دینی درس گاہ جامعہ عربیہ سراج العلوم جبوڑی پاکستان جانا ہوا ۔بھائی جان قاری عزیز الرحمٰن صاحب ایک طویل عرصہ تک اس درس گاہ میں قرآن کریم حفظ کراتے رہے اور الحمدللہ ان کے شاگردوں کی تعداد سینکڑوں میں نہیں بلکہ ہزاروں میں ہے ۔اس کے بعد وہ سعودی عرب کے شہر ریاض منتقل ہو گئے اور تا ہنوز اہل وعیال کے ہمراہ وہیں پر مقیم ہیں اور سب قرآن کریم کی تعلیم وتدریس ، میں مصروف ہیں ۔انتہائی مشفق ومہربان ، سادہ طبیعت کے مالک ، متقی و پرہیز گار انسان ہیں ، اللہ تعالیٰ اُن کا سایہ ہمارے سروں پر قائم رکھے۔آمین

تجوید اور درس نظامی کی ابتداء

تجوید وقرأت : بمقام جامعہ عربیہ سراج العلوم جبوڑی (۱۹۷۹ء،۸۰)

جامعہ عربیہ سراج العلوم جبوڑی ،قائم کردہ فخر السادات عالم باعمل جناب حضرت مولانا غلام نبی صاحبؒ

میں شعبہ تجوید کی جملہ کتب (جمال القرآن، فوائد مکیہ، تیسیر التجوید، اور الجزری وغیرہ)، استاد محترم جناب قاری محمد فاروق صاحبؒ سے ایک ہی سال میں پڑھیں۔

تجوید کا سالانہ امتحان حضرت مولانا قاری فضل ربی صاحبؒ ڈب مانسہرہ (والوں) نے لیا اور الحمد للہ اس امتحان میں بندہ نے اور مولانا عبدالباری نے برابر نمبر لے کر کلاس میں اوّل پوزیشن حاصل کی۔ اور مدرسہ کی طرف سے قرأت کی سند سے نوازا گیا۔

اساتذۂ اکرام درس نظامی

درجۂ اعدادیہ: بمقام جامعہ عربیہ سراج العلوم جبوڑی (۱۹۷۹ء، ۸۰)

تجوید و قرأۃ کے ساتھ ساتھ اسی سال درجہ اعدادیہ کے اسباق مندرجہ ذیل اساتذہ سے پڑھے۔

ترجمہ پارۂ عم: ولی کامل مہتمم مدرسہ حضرت مولانا سید غلام نبی شاہ صاحب دامت برکاتہم العالیہ۔

صرف میں: قانونچہ کھیوالی، کریما و پند نامہ اور مفید الطالبین:

حضرت مولانا عبدالعزیز صاحبؒ (کڑنگ والے استاد) سے۔

گلستان و بوستان: مولانا خورشید احمد صاحب سے۔

اور مالابدّ منہ فارسی: حضرت مولانا عبدالقیومؒ سے پڑھی۔

(جو خطیب صاحب کے نام سے مشہور تھے، اور جن کے بارے میں مشہور تھا کہ وہ اپنی مسجد میں رات کے وقت جنات کو پڑھاتے ہیں۔ ہمیں اس بارے میں اس طرح معلوم ہوا کہ ایک دن دوران اسباق استاد گرامی حضرت مولانا عبدالعزیز صاحبؒ مجھ سے پوچھنے لگے تم جن تو نہیں ہو؟ اسباق یاد ہونے اور ذہین ہونے کی وجہ سے شائد انہوں نے پوچھا۔

پھر ایک دو دن کے بعد دوران اسباق فرمانے لگے کہ میں نے تم سے اس لئے پوچھا تھا کہ خطیب صاحب نے فرمایا تھا کہ میرا ایک شاگرد آپ کی کلاس میں آیا ہے۔ میں نے تحقیق کی تو معلوم ہوا کوئی نیا طالب علم ہماری کلاس میں نہیں آیا، تو میں نے خطیب صاحب سے دوبارہ پوچھا کہ آپ نے تو فرمایا تھا کہ میرا ایک شاگرد آپ کی کلاس میں آیا ہے، وہاں تو کوئی نہیں آیا، تو خطیب صاحب نے بتایا کہ اس کا تعلق جنات سے ہے انسانوں سے نہیں۔)

تجوید اور یہ کتب ایک ہی سال میں پڑھیں۔
اگلے ہی سال والد صاحب کی اجازت سے مزید تعلیم کے حصول کے لئے دوبارہ راولپنڈی اور اسلام آباد کی طرف رجوع کیا اور درجہ اولیٰ وثانیہ بمقام مدرسہ عربیہ اسلامیہ ایف، سکس، فور اسلام آباد (81-1982) میں پڑھا جس کی تفصیل کچھ یوں ہے:

درجہ اولیٰ بمقام مدرسہ عربیہ اسلامیہ ایف، سکس، فور اسلام آباد (1981،82ء)

نام کتب	اساتذہ کرام:
نور الایضاح، نفحۃ العرب، روضۃ الادب	حضرت مولانا حبیب الرحمٰنؒ فاضل دیوبند (المعروف صدر صاحب)
علم النحو، نحو میر وشرح مائۃ عامل، سیرت	حضرت مولانا سعید احمد صاحب
صغریٰ کبریٰ، تیسیر المنطق، ایساغوجی، مرقاۃ	حضرت مولانا عبدالباقی صاحب فاضل دیوبند
میزان الصرف، ومنشعب، پنج گنج	حضرت مولانا عزیز گل صاحب
لغۃ العربیہ	(شیخ المصطفیٰ مصری)

درجہ ثانیہ بمقام مدرسہ عربیہ اسلامیہ ایف، سکس، فور اسلام آباد (۱۹۸۳ء)

ترجمہ، ومفید الطالبین،	حضرت مولانا عبدالرشید لاوی صاحب
زاد الطالبین، مراح الارواح:	حضرت مولانا عبدالرشید لاوی صاحب
مختصر القدوری کامل	حضرت مولانا طاؤس خان صاحب فاضل دیوبند
ہدایۃ النحو،	حضرت مولانا محمد طاہر صاحب مری والے
علم الصیغہ، فصول اکبری،	حضرت مولانا عبدالوہاب صاحب
قرأۃ الراشدہ، معلم الانشاء	حضرت مولانا عزیز گل صاحب

درجہ ثالثہ: بمقام جامعہ حقانیہ اسلام آباد (1984)

ترجمہ وتفسیر از سورۂ عنکبوت تا پارہ عم،	حضرت مولانا عبدالغفور صاحبؒ خطیب نیول کالونی اسلام آباد

ریاض الصالحین، کنز الدقائق،	حضرت مولانا عبدالغفور صاحبؒ خطیب نیول کالونی اسلام آباد
اصول الشاشی، کافیہ، شرح تہذیب،	حضرت مولانا عبدالغفور صاحبؒ خطیب نیول کالونی اسلام آباد

درجہ رابعہ: بمقام دارالعلوم اسلام آباد (1985)

ترجمہ وتفسیر از سورۂ یونس تا سورۂ عنکبوت،	شیخ المعقول والمنقول حضرت مولانا عبدالرشید لاوی صاحب
شرح وقایہ، نورالانوار،	شیخ المعقول والمنقول حضرت مولانا عبدالرشید لاوی صاحب
شرح جامی، قطبی،	شیخ المعقول والمنقول حضرت مولانا عبدالرشید لاوی صاحب
مقامات حریری۔	حضرت مولانا ضیاء اللہ خان دیوبندی صاحب

درجہ خامسہ بمقام جامعہ فریدیہ اسلامیہ اسلام آباد (اکتوبر 1986) صفر ہجری 1407

ترجمہ وتفسیر سورۂ فاتحہ تا سورۂ یونس: و ہدایہ اوّل:	حضرت مولانا عبدالوہاب صاحب۔
نورالانوار ومختصر المعانی: حسّامی	حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب فاضل دارالعلوم دیوبند،
دیوان متنبی، وسبعہ معلقات	حضرت مولانا محب اللہ حقانی صاحب،
سلم العلوم:	حضرت مولانا حافظ عبدالباسط صاحب،
لغۃ العربیہ:	شیخ محمد ابراہیم صاحب مصری

درجہ سادسہ بمقام جامعہ فریدیہ اسلامیہ اسلام آباد (3: اکتوبر 1987) 9 صفر ہجری 1408

جلالین جلد اوّل:	حضرت مولانا محمد شریف صاحب (جیسول بٹگرام والے)
کتاب الآثار والکافی: الفوز الکبیر	حضرت مولانا عبدالوہاب صاحب
میبذی وشرح عقائد:	حضرت مولانا سلطان شمشیر صاحب
جلالین جلد ثانی: دیوان حماسہ	حضرت مولانا محب اللہ حقانی صاحب
توضیح وتلویح:	حضرت مولانا حافظ عبدالباسط صاحب
ہدایہ جلد ثانی:	حضرت مولانا عبدالباسط صاحب

سے پڑھیں اُس وقت تک جامعہ فریدیہ ای، سیون اسلام آباد میں درجہ سادسہ تک ہی کتب پڑھائی جاتیں

تھیں اور درجہ سابعہ شروع کرنے پر غور ہورہا تھا۔

اپنے چچا محترم حضرت مولانا عبد الحکیمؒ مہتمم جامعہ فرقانیہ سے ناچیز نے مشورہ مانگا کہ درجہ سابعہ کہاں پڑھوں؟ تو انہوں نے فرمایا کہ ہمارے یہاں بھی اس سے قبل درجہ سادسہ تک ہی پڑھائی ہورہی ہے، لیکن آئندہ سال ہمارا پروگرام ہے کہ درجہ سابعہ موقوف علیہ کا اہتمام کیا جائے، اور پھر اصرار کے ساتھ بار بار فرمایا کہ اگر تم نے کچھ بننا ہے تو اگلے سال یہاں پر آؤ۔ اس طرح موقوف علیہ کے لئے چچا محترم کے حکم پر جامعہ فرقانیہ مدنیہ میں اپنے چند رفقاء کے ساتھ داخلہ لیا اور اس طرح جامعہ فرقانیہ میں درجہ سابعہ کے ہم پہلے طالب علم بنے۔

(نوٹ): میرے اساتذۂ اکرام میں حکیم ملت حضرت مولانا عبد الحکیم صاحبؒ (جن سے قرآن کریم کے کچھ حصہ کا ترجمہ پڑھا) اور حضرت مولانا قاری محمد یوسف صاحبؒ بھی جن سے عربی لغت کی چند کتابیں پڑھیں اور مولانا محبوب الرحمٰن صاحب مانسہرہ والے بھی شامل ہیں۔

درجہ سابعہ بمقام جامعہ فرقانیہ مدنیہ راولپنڈی (9، ستمبر 1988) یکم صفر ہجری 1409

مشکوٰۃ المصابیح جلد اوّل:	حضرت مولانا عبد الباقی صاحب فاضل دارالعلوم دیوبند
ہدایہ جلد ثالث، وہدایہ جلد رابع:	حضرت مولانا عبد الباقی صاحب فاضل دارالعلوم دیوبند
بیضاوی شریف	حضرت مولانا عبد الباقی صاحب فاضل دارالعلوم دیوبند
نخبۃ الفکر: الفوز الکبیر	حضرت مولانا محمد طاہر صاحب
مشکوٰۃ المصابیح جلد ثانی:	حضرت مولانا مفتی محمد اقبال صاحب

ناروے کا سفر

درجہ سابعہ کا امتحان دینے کے بعد بندۂ ناچیز کی رمضان المبارک میں قرآن مجید سنانے کے لئے تین مہینے کے وزٹ ویزہ پر یکم اپریل ۱۹۸۹ء کو اسلام آباد ائیر پورٹ سے کراچی اور پھر اگلے روز صبح کے ساڑھے چھ بجے کراچی سے ناروے اوسلو کے لئے روانگی ہوئی۔ تین دن تک اوسلو مرکز میں اپنے بڑے بھائی جان قاری محمد داؤد صاحب کے پاس قیام رہا، اور چوتھے روز 6 اپریل ۱۹۸۹ء بمطابق یکم رمضان المبارک کو اوسلو سے بذریعہ جہاز (SK,1331) ستاوانگر کے لئے روانگی ہوئی۔

اور ناروے کے شہر ستاوانگر کی مسجد میں تراویح کے اندر قرآن کریم سنانا شروع کیا۔ 8 اپریل کو شدید بخار کی وجہ سے تین دن تک ستاوانگر ہسپتال میں داخل رہا، اور پھر ہسپتال سے فارغ ہونے کے بعد بفضل خدا قرآن کی تکمیل کی۔ اور اس دوران امامت اور خطابت کے فرائض بھی سرانجام دیئے۔ تکمیل قرآن کے بعد دوبارہ اوسلو بذریعہ ہوائی جہاز جانا ہوا، اور عید الفطر کی نماز ناروے کے دار الخلافہ اوسلو میں کھلے میدان کے اندر پڑھائی۔

جہاں برادر کبیر قاری محمد داؤد صاحب امامت کے فرائض سرانجام دے رہے تھے۔ حضرت قاری صاحب 12 جون، 1988ء کو بطور امام اوسلو ناروے تشریف لے گئے تھے، اور تا ہنوز آپ کا قیام ناروے ہی میں ہے، ان کا تفصیلی تذکرہ انشاء اللہ شجرۂ نسب کے بیان میں ہوگا۔

تین مہینے تک وہاں قیام رہا، اس دوران بھائی جان پاکستان تشریف لے آئے، اور میں امامت اور خطابت کے فرائض سرانجام دیتا رہا۔ تین مہینے تک اوسلو مرکز میں قیام کرنے کے بعد تعلیم کی تکمیل کے لئے دوبارہ پاکستان کا رُخ کیا، اور دورہ حدیث کے لئے شیخ القرآن حضرت مولانا غلام اللہ خانؒ کی قائم کردہ مشہور دینی درس گاہ دارالعلوم تعلیم القرآن راجہ بازار راولپنڈی میں داخلہ حاصل کر کے دورہ حدیث شریف کے اسباق مندرجہ ذیل عظیم اساتذۂ کرام سے مکمل کئے:

درجہ ثامنہ دورۂ حدیث بمقام دارالعلوم تعلیم القرآن راولپنڈی (نومبر 1989) ربیع الثانی (1410 ہجری)

صحیح بخاری شریف: کی تکمیل:

شیخ الحدیث حضرت اقدس حضرت مولانا عبد القدیر صاحبؒ فاضل دارالعلوم دیوبند، جو کہ خاتم المحدثین حضرت اقدس حضرت علامہ سید مولانا محمد انور شاہ صاحب کاشمیریؒ کے شاگرد رشید تھے سے کی۔

اور باقی کتب میں سے:

جامع الترمذی، وشمائل ترمذی:	حضرت مولانا عبد الہادی صاحبؒ
سنن ابو داؤد:	حضرت مولانا عبد الہادی صاحبؒ
صحیح مسلم شریف: وسنن ابن ماجہ	حضرت مولانا مفتی حبیب الرحمٰن صاحبؒ

طحاوی شریف: وسنن نسائی　　　　حضرت مولانا فیروز صاحب (کوہستانی استاد)

سے پڑھیں۔اور یوں اللہ ربّ العزت کے بے پایاں انعامات اور احسانات سے نومبر، ۱۹۸۹ء بمطابق ہجری ۱۴۱۰ھ میں سندِ فراغت وتکمیل دارالعلوم تعلیم القرآن راولپنڈی سے حاصل کر لی۔فللّٰہ الحمد والشکر۔

رفقائے ہم سبق

درس نظامی کی تعلیم کے دوران مختلف درجات میں جو میرے ہم سبق رفقاء رہے اُن میں سے چند کے اسمائے گرامی یہ ہیں: مولانا محمد عظیم، مولوی افتخار عباسی ،مولانا محمد ضیاء الحق ،مولانا عبدالوہاب ، قاری مسعود الرحمٰن، محمد رفیق، احمد الرحمٰن ، مولانا فضل الرحیم ،قاری عبد الرؤف ،مولانا ظہور الٰہی چکوالی، مولانا حسن ملک، مولانا طاہر محمود عباسی، مولانا عبدالصبور عابد،مولانا عزیر رحیم اللہ،مولانا عطاءالرحمٰن کشمیری ،مولانا عبد الخالق ندیم ،مولانا عبد الصبور ثاقب، مولانا محمد ادریس حسرت ، مولانا محمد سلیمان،مولانا عبد الستار چکوالی ، مولانا سیف الرحمٰن۔مولانا محمد ایوب ، غیاث الدین ، ابو القاسم ،مولانا راشد اقبال،مولانا محمد عثمان ،مولانا صالح ،مولانا محمد صابر،مولانا عبد الجبار، مولانا ولی الرحمٰن ،مولانا عبدالخالق ،مولانا عبد اللطیف ،مولانا سعید الرحمٰن مولانا زاہد اللہ،مولانا حبیب الرحمٰن ،مولانا عبد الرحمٰن ۔

میٹرک اور ایف اے کا امتحان

دینی تعلیم کے ساتھ ساتھ میں نے پرائیویٹ طور پر تیاری کر کے راولپنڈی بورڈ سے میٹرک کا امتحان پاس کیا، اور فیڈرل بورڈ اسلام آباد سے ایف، اے کا امتحان پاس کیا۔

درس وتدریس، امامت وخطابت

جامع مسجد الفرقان ای سیون اسلام آباد میں مؤذّنی

زمانۂ مؤذّنی کی تصویر

جب 1980ء میں تجوید وقرأت سے فراغت کے بعد رمضان المبارک کی چھٹیوں پر میں گھر گیا تو ہمارے ایک خالو جان مرحوم تھے جو ہمارے گھر تشریف لائے ہوئے تھے انہوں نے کھانا کھاتے ہوئے میرے بھائی جان کے بارے میں کام کی نسبت سے کوئی
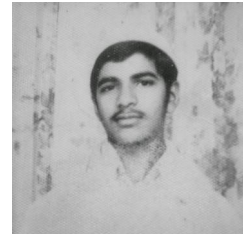
ایسی بات کہی جو مجھے بہت بری لگی، اور میں نے دل میں ارادہ کرلیا کہ اب میں حصول تعلیم کے ساتھ ساتھ کام بھی کروں گا۔

دوسری طرف والدہ مرحومہ کی اذان کے بارے میں ترغیب بھی تھی اس لئے جب میں گاؤں سے واپس آیا تو درجہ اولیٰ ہی میں تعلیم کے ساتھ ساتھ اسلام آباد کے سیکٹر ای سیون جامع مسجد الفرقان جو اس وقت بالکل تعمیر کے ابتدائی مراحل میں تھی اور ٹین کی جستی چادریں ڈال کر ایک چھپر سا بنایا ہوا تھا وہاں پر مولانا محمد اسحاق صاحب کے ساتھ مؤذنی بھی اختیار کرلی۔ صبح کے وقت وہاں سے پیدل کئی میل کا فاصلہ طے کرکے اسلام آباد کے سیکٹر ایف، سکس فور، میں واقع مدرسہ عربیہ تعلیم حاصل کرنے چلا جاتا اور دوپہر کو جب اسباق ختم ہوتے تو بعض اوقات بس کے ذریعہ اور بعض اوقات واپس پیدل پھر مسجد پہنچ جاتا۔ مسجد میں اذان واقامت کے ساتھ محلّہ کے بچوں کو قرآن کریم کی تعلیم کی ذمّہ داری بھی میرے سپرد تھی، یوں یہ سلسلہ چلتا رہا۔ لیکن کچھ مہربانوں کے نہ چاہنے اور کچھ بیماری کی وجہ سے مجبوراً مجھے مؤذنی چھوڑنی پڑی۔

پھر قیام مدرسہ کے دوران جامع مسجد الہدیٰ چوہڑ چوک میں جمعہ کی امامت مل گئی، اور اسلام آباد سے آکر جمعہ پڑھا کر واپس چلا جاتا۔ بعد میں انہیں مستقل امام وخطیب مل گیا تو میں نے وہ مسجد چھوڑ دی۔ جب درجہ خامسہ میں دارالعلوم تعلیم القرآن راجہ بازار راولپنڈی میں میں نے داخلہ لیا تو مدرسہ والوں نے غیر امدادی داخلہ دیا کہ رہائش اور کھانے پینے کا بندوبست ہم نہیں کرسکتے، صرف تم یہاں پڑھ سکتے ہو، تو میں نے رہائش جامعہ فرقانیہ مدنیہ میں رکھی ہوئی تھی، صبح آکر تعلیم القرآن میں اسباق پڑھ لیتا، اور پھر واپس جامعہ فرقانیہ چلا جاتا، اور وہیں پرائیویٹ طور پر ایک کالج میں داخلہ لے لیا تھا، شام کے وقت وہاں جاکر تعلیم حاصل کرتا تھا۔

ایک مرتبہ میں اپنے کمرے میں بیٹھا پڑھ رہا تھا، کہ اچانک استاد محترم حضرت مولانا قاری محمد یوسف صاحبؒ جو انتہائی مشفق اور مخلص انسان تھے، طرابلس یونیورسٹی لیبیا سے ڈگری ہولڈر تھے، جامعہ فرقانیہ کے نائب مہتمم اور اسلام آباد ایچ نائین ڈگری کالج میں پروفیسر تھے، انہوں نے مجھے اپنے کمرہ میں بلایا۔ اور بغیر کچھ کہے کنگھی اور قینچی منگوائی، تولیہ لپیٹا، اور میری داڑھی مونچھ خود اپنے دست مبارک سے ٹھیک کی۔ اور اپنے ساتھ موٹر سائیکل پر بیٹھا کر اسلام آباد کے سیکٹر ایچ، نائین میں واقع ڈگری کالج لے گئے، جہاں وہ پروفیسر بھی تھے اور کالج کی

مسجد میں جمعہ کا خطبہ بھی دیا کرتے تھے، اور مجھ سے فرمانے لگے کہ آج سے تمہاری ڈیوٹی یہاں ہے یہاں امامت بھی کرو اور تدریس بھی۔

فیڈرل گورنمنٹ ڈگری کالج ایچ، نائن، اسلام آباد کی مسجد میں امامت و خطابت
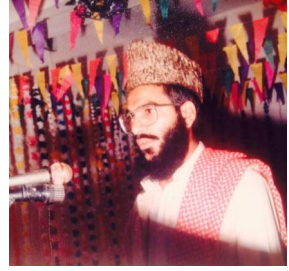
یوں اللہ تعالیٰ نے میرے رہنے سہنے کا بندوبست کر دیا۔اور میں نے 20، جولائی 1986ء کو فیڈرل گورنمنٹ ڈگری کالج ایچ، نائن، اسلام آباد کی مسجد میں با قاعدہ امامت اور تدریس شروع کی ،اور اس کے ساتھ ساتھ جامعہ فریدیہ اسلام آباد میں درجۂ خامسہ میں داخلہ لے لیا اور روزانہ وہاں جا کر تعلیم حاصل کرتا رہا اور اسباق سے فراغت کے بعد واپس کام پر آجاتا۔

ابتدا میں حضرت قاری صاحب جمعہ کو خطبہ دینے کے لئے تشریف لاتے رہتے تھے۔ایک دفعہ جمعہ کے دن اُن کے تشریف لانے میں تاخیر ہوئی تو میں نے بیان وتقریر کے بعد خطبہ دیا اور نماز پڑھائی تو دیکھا کہ حضرت قاری صاحب بھی موجود ہیں ۔فرمانے لگے میں تھوڑی تاخیر سے آ گیا تھا، اچھا ہوا تم نے بیان شروع کر دیا میں نے ہاسٹل میں بیٹھ کر تمہارا بیان سنا ہے آج سے جمعہ بھی تم پڑھاؤ، پھر جمعہ کا خطبہ بھی میرے ذمہ لگا کر چلے گئے اور پھر کبھی جمعہ کے لئے تشریف نہیں لائے۔

والد صاحب کی طرف سے با قاعدہ اجازت

یہاں میں ایک اہم بات بھی آپ کے ساتھ شیئر کرنا چاہتا ہوں کہ جب میں نے قرآن مجید حفظ کر لیا، اور تجوید سے فارغ ہوا تو اس کے بعد جب بھی چھٹیوں پر میرا گاؤں اپنے گھر جانا ہوتا تو میرے والد گرامی مجھ سے فرماتے کہ بیٹا اب بس کرو، واپس گھر آجاؤ زیادہ پڑھنے کی ضرورت نہیں۔قرآن پڑھ لیا ہے یہ کافی ہے، اب اس پر عمل کرو۔اور یہاں اپنا کام کاج کرو۔میں ہمیشہ ان سے درخواست کرتا کہ ابو! آپ مجھے ایک سال کی اجازت دے دیں، وہ مجھے دے دیتے، دوسرے سال پھر ایک سال کی اجازت مانگ لیتا، اور یوں کرتے کرتے درجہ خامسہ

تک پہنچ گیا۔ جب میں ڈگری کالج میں امام تھا تو میرے والد ماجد میرے پاس تشریف لائے ہوئے تھے۔ چند دن میرے پاس ٹھرے رہے تو میں نے ان سے عرض کیا کہ ابو! اب میں آپ کو صحیح بتاتا ہوں میری فراغت میں تین سال باقی رہ چکے ہیں۔ مجھے تین سال کی مزید اجازت دے دیں، تو فرمانے لگے کہ بیٹا، اب میں تمہیں نہیں روکتا، اب پڑھتے رہو، میں نے تمہارا کام دیکھ لیا ہے۔

اس لئے میں بچوں سے کہتا رہتا ہوں کہ ہم نے تو اس طرح والد صاحب سے اجازت مانگ مانگ کر تعلیم حاصل کی ہے، جب کہ ہم نے تمہیں تعلیم کی کھلی اجازت دے رکھی ہے، پھر بھی اگر تم تعلیم حاصل نہ کرو تو اس سے بڑی بدقسمتی کیا ہوسکتی ہے۔

غرضیکہ بقیہ تعلیم پھر میں نے وہیں سے پوری کی اور خامسہ سے دورہ حدیث تک کے تمام اسباق اسی طرح پورے کئے کہ صبح کو مدرسہ چلا جاتا اور اسباق کی تکمیل کے بعد واپس آ کر اسی کالج کی مسجد میں امامت، خطابت اور تدریس کے فرائض بھی سرانجام دیتا رہا۔ یہاں تک کہ درس نظامی کے اسباق مکمل کر لئے۔

جامع مسجد شہداء سیکٹر آئی، ٹین، ٹو اسلام آباد میں امامت وخطابت

حضرت مولانا عبدالرزاق صاحب مدظلہُ العالی جو ہمارے خاندان کے ایک جید عالم دین ہیں، جنہیں چچا مرحوم حضرت مولانا عبدالحکیمؒ نے اسلام آباد کے سیکٹر آئی، ٹین، ٹو میں واقع مسجد کے ایک پلاٹ پر جو تعمیر کے ابتدائی مراحل میں تھا اور عارضی مسجد بنائی گئی تھی، ان کا وہاں پر بطور امام وخطیب تقرر فرمایا تھا۔

گاؤں میں ایک عزیز کے جنازے میں اُن سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے فرمایا کہ مجھے گورنمنٹ کے سکول میں سرکاری ملازمت ٹیچنگ کے لئے مل گئی ہے اس لئے میرے لئے اب اس مسجد کی امامت وخطابت کے فرائض سرانجام دینا ممکن نہیں رہا، آپ اس جگہ کو سنبھالیں۔

میں نے گاؤں سے واپسی پر مسجد انتظامیہ سے ملاقات کی، اور بطور امام وخطیب میرا تقرر وہاں ہوگیا، اور یوں ۱۹۸۹ء سے جامع مسجد شہداء آئی، ٹین، ٹو کی امامت وخطابت کے فرائض میرے سپرد ہوگئے۔ میں نے ڈگری کالج مسجد کی خطابت اپنے ماموں زاد بھائی جناب مولانا شیخ محمد ہارون صاحب کے سپرد کی اور خود آئی، ٹن، ٹو، شفٹ

ہو گیا۔ جہاں درس و تدریس کے ساتھ امامت و خطابت کا فریضہ سرانجام دیتا رہا۔

جب میں وہاں شفٹ ہوا تو اس وقت تھوڑی سی جگہ پر جستی چادروں سے عارضی مسجد بنائی گئی تھی۔ایک دن سی، ڈی، اے انتظامیہ اپنے عملہ کے ساتھ اچانک اس کو گرانے کے لئے آپہنچے، اور کہنے لگے یہ غیر قانونی ہے ہم اس جگہ پلے گراؤنڈ بنائیں گے۔ میں نے اس وقت ان سے کچھ دنوں کی مہلت مانگی کہ مجھے کچھ وقت دیں تا کہ ہم انتظامیہ سے بات کرسکیں کہ یہ جگہ پلے گراؤنڈ کی نہیں بلکہ باقاعدہ مسجد کا پلاٹ ہے۔

ان سے مہلت حاصل کرنے کے بعد مسجد انتظامیہ اور اہل محلہ سے مل کر لال مسجد کے خطیب حضرت مولانا محمد عبد اللہ صاحب شہیدؒ کی وساطت سے سی، ڈی، اے، کے چیئرمین جناب شفیع سہوانی صاحب سے ملاقات کی، انہیں صورت حال سے آگاہ کیا اور کئی مہینوں کی محنت کے بعد الحمد للہ باقاعدہ اس پلاٹ کا مسجد کے نام کا نوٹیفیکیشن جاری کروایا۔ اس میں نمایاں کردار ہمارے بھائی جناب شجاعت علی صدیقی صاحب کا رہا کہ ان کے بہنوئی سی، ڈی، اے کے پلاننگ ڈیپارٹمنٹ میں اہم عہدے پر فائز تھے۔

دس سال کے عرصہ میں الحمد للہ تین منزلہ خوبصورت مسجد کی تعمیر بھی اللہ نے کروائی، اور اسی مسجد میں مدرسہ سراج العلوم کی بنیاد بھی رکھی جس میں تھوڑے ہی عرصہ کے اندر درجہ ناظرہ، و حفظ کے ساتھ ساتھ درس نظامی میں درجہ ثالثہ تک تعلیمی سلسلہ پہنچ گیا، اور تا ہنوز الحمد للہ قرآنی تعلیم کا یہ سلسلہ جاری ہے۔

برطانیہ کا سفر

اپریل، 1989ء میں میرا تین ماہ کے لئے ناروے جانا ہوا تھا، اس لئے ناروے آنے جانے والے حضرات میں سے جن سے خاص تعلق تھا وہ پاکستان آتے جاتے میرے پاس اسلام آباد بھی آتے رہتے تھے۔ ان ہی میں سے ایک مشفق و مہربان دوست جناب حاجی عدالت خان صاحب جو یہاں برطانیہ کے شہر پرسٹن میں مقیم ہیں، اکثر جب اسلام آباد تشریف لاتے تو میرے پاس قیام فرمایا کرتے تھے۔ اور مسجد میں میری سرگرمیوں سے واقف تھے۔

انہیں اپنی لوکل مسجد پرسٹن میں امام کی ضرورت تھی، انہوں نے میرے لئے ورک ویزہ کے کاغذات بھیج

دیئے ۔میرے لئے فیصلہ کرنا مشکل تھا کہ اس سارے بنے بنائے نظام کو چھوڑ کر انگلینڈ جاؤں ،لیکن ان کے اصرار پر 21، جون 2001ء کو میں یہاں برطانیہ آ گیا۔ جناب حاجی بوستان صاحب مرحوم اور جناب حاجی محبت علی صاحب کے اصرار پر حاجی عدالت خان صاحب نے میرا تقرر شفیلڈ میں کر دیا، اور یہ حضرات مجھے مانچسٹر ائیر پورٹ سے شفیلڈ لے آئے۔ اور اُس وقت سے تا وقت تحریر برطانیہ کے مشہور صنعتی شہر شفیلڈ میں ہی قیام ہے۔

مکّی جامع مسجد شفیلڈ میں امامت وخطابت

شفیلڈ میں آنے کے ساتھ ہی میں نے اس شہر کے ایک معروف دینی ادارہ مکی جامع مسجد شفیلڈ میں امامت و خطابت کا آغاز کیا۔ ابتداء میں مسجد کے حالات خراب تھے ،گروپ بندی تھی مگر پھر رفتہ رفتہ اللہ نے حالات بہتر کر دئے۔ ابتداً میرا قیام بھی مسجد ہی کے اندر تھا، اور تقریباً دو سال کے عرصہ میں میری فیملی نے بھی میرے ساتھ جوائن کر لیا۔

اس مسجد میں امامت، خطابت ، درس و تدریس کی ساری ہی ذمّہ داریاں میرے سپرد رہیں۔ جناب الحاج محمد بوستان صاحب مرحوم جو تبلیغی جماعت یورپ کے شوریٰ کے ممبر تھے، اور جناب حاجی محبت علی صاحب جو ایک بڑے بزنس مین ہونے کے ساتھ ساتھ مسجد کمیٹی کے سیکرٹری اور چیئرمین رہے ان کا ساتھ رہا۔ الحمد اللہ حتی المقدور امامت وخطابت اور درس وتدریس کا ٹوٹا پھوٹا سلسلہ تقریباً بیس سال تک جاری رہا، اور اب بھی مکتب کی صورت میں الحمد للہ یہ سلسلہ جاری ہے۔

مسجد و مدرسہ ابو موسیٰ الاشعریؓ کا قیام

اس دوران رب العالمین کی توفیق سے پاکستان میں براہمہ واہ کینٹ کے علاقہ میں مسجد و مدرسہ کے لئے ذاتی خرچ سے زمین خرید کر تقریباً دس کنال کے رقبہ پر اللہ نے مسجد و مدرسہ کی بنیاد بھی رکھوا دی ہے۔ مسجد میں پانچ وقتہ نمازوں کے ساتھ ساتھ جمعہ وعیدین ، اور درجۂ ناظرہ قرآن کریم اور درجۂ حفظ کا سلسلہ جاری ہے ۔ الحمد للہ مسجد کی ایک منزل مکمل ہو چکی ہے ،دوسری منزل کے لئے کالم کھڑے کر دیئے گئے ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ مدرسہ کی بلڈنگ کا تعمیری کام بھی حسب توفیق جاری ہے۔ (فللّٰہ الحمد علی ذالك)

شادی خانہ آبادی

اکتوبر 1985ء میں میری پہلی شادی میرے والدین کی خواہش پر گاؤں میں میرے ماموں کی بیٹی سے سرانجام پائی۔ جبکہ دوسری شادی میں نے ، 13، اپریل 1994ء بروز اتوار کوشنکیاری ضلع مانسہرہ سے اپنے ایک دوسرے ماموں مولانا عبداللہ جان مرحوم کی بیٹی سے کی۔

میری دونوں اہلیہ سے الحمدللہ میرے چار بیٹے، اور آٹھ بیٹیاں ہیں، جبکہ ایک بیٹے کا بچپن ہی میں انتقال ہو گیا تھا۔ یہ میری خوش قسمتی ہے کہ میرے چاروں بیٹے الحمدللہ حافظ قرآن ہیں، بیٹیوں میں سے دو بیٹیاں حافظ قرآن ہیں، آٹھ بیٹیوں میں سے سات عالمہ ہیں، اور آٹھویں عالمہ بن رہی ہے۔ بیٹیوں میں سے پانچ بیٹیوں نے عالمہ کورس کے ساتھ ساتھ مختلف مضامین میں اے لیول بھی کیا ہے۔ اور ایک بیٹا ابھی درس نظامی کا کورس کر رہا ہے۔ جبکہ ایک اے لیول میں ہے۔ بڑا بیٹا محمد اویس شاکر مسجد و مدرسہ کا نظام سنبھالے ہوئے ہے۔

سفرِ حجاز مقدس برائے حج و عمرہ

ہر مسلمان کی طرح میری بھی یہ خواہش تھی کہ رب العالمین حج و عمرہ اور حرمین کی زیارت نصیب فرمادے، الحمدللہ! انگلینڈ آنے کے بعد ربّ العالمین نے یہ خواہش بھی پوری فرمادی اور 2002ء میں پہلی مرتبہ عمرے پہ جانا نصیب ہوا، اُس کے بعد اللہ تعالیٰ نے دو حج اور کئی عمرے نصیب فرمائے ہیں۔ ربّ العالمین قبول فرمائے، اور تا زندگی یہ سعادت بار بار نصیب فرمائے۔ آمین

اندرون و بیرون ملک اسفار

اندرون ملک میں تبلیغی جماعت کے ساتھ تو الحمدللہ کئی شہروں کا سفر کیا ہے اور اس کے ساتھ چاروں صوبوں اور آزاد کشمیر سمیت کئی علاقوں میں جانا ہوا۔ اس کے ساتھ ساتھ کئی بیرونی ممالک کا سفر بھی اللہ نے نصیب فرمایا ہے انگلینڈ کی تو میرے پاس نیشنلیٹی ہے، جبکہ اس کے علاوہ ناروے، ڈنمارک، سعودی عرب، دبئی، استنبول، قطر سمیت کئی ممالک کا سفر بھی کیا ہے۔

تصنیف و تألیف
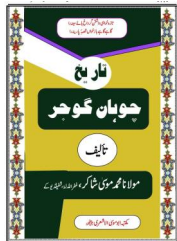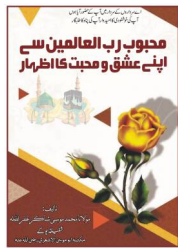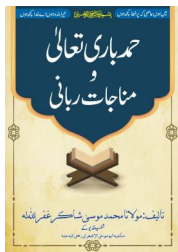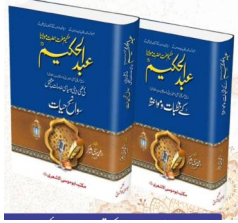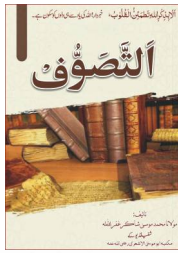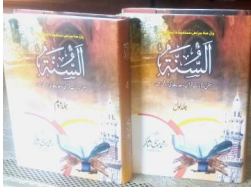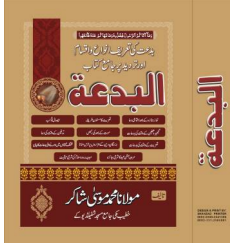
☆ البدعۃ : بدعت کے موضوع پر

☆ السنۃ: سنت کے موضوع پر 2 جلدوں پر مشتمل

☆ التصوّف: تصوّف کے موضوع پر

☆ سوانح حیات: حکیم ملّت حضرت مولانا عبدالحکیمؒ

☆ خطبات: حکیم ملّت حضرت مولانا عبدالحکیمؒ

☆ تاریخ چوہان گوجر

☆ حمد باری تعالیٰ ومناجات ربّانی

☆ محبوب رب العالمین سے اپنے عشق ومحبت کا اظہار عربی (نعتیہ کتاب)

☆ محبوب رب العالمین سے اپنے عشق ومحبت کا اظہار (فارسی)

☆ محبوب رب العالمین سے اپنے عشق ومحبت کا اظہار (اردو و پنجابی)

☆ الموت: (زیر طبع)

یہ سب حضرات اساتذۂ کرام اور والدین کی دعاؤں کا نتیجہ ہے۔ ربّ العالمین شرف قبولیت سے سرفراز فرمائے۔ اصل چیز نام نہیں بلکہ کام اور اس کی عنداللہ مقبولیت ہے، اللہ ربّ العزت اس کاوش کو شرف قبولیت عطا فرمائے اور اسے ہم سب کے لئے نجاتِ اخروی کا ذریعہ بنائے۔ آمین ثم آمین۔

(مولانا) محمد موسیٰ شاکر غفر اللہ لہٗ

شفیلڈ یوکے

قوم گُوجر

شروعات

قارئین کرام!

میرا اس کتاب کے لکھنے کا مقصد پوری گُوجر قوم کی تاریخ لکھنا نہیں ہے، بلکہ گُوجر قوم کی ایک گوت چوہان گُوجروں کی تاریخ پر ایک نظر ڈالنا ہے، اس لئے ابتدائے کتاب میں مختصراً گوجر قوم کے تعارف کے بعد چوہان گُوجروں کے بارے میں ذرا تفصیل سے لکھوں گا۔

چوہان گوجروں کا تعلق دراصل گُوجروں کی ایک شاخ کوشاں گوجروں سے ہے جن کو چوہان کے لقب سے ملقب کیا گیا۔ اس سے پہلے کہ ہم چوہان گُوجروں کا ذکر کریں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ پہلے لفظ گوجر کی وجہ تسمیہ جان لی جائے۔

لفظِ گُوجر کی وجہ تسمیہ

لفظ گوجر کی وجہ تسمیہ کے متعلق مؤرّخین و محققین نے تقریباً سات وجوہات بیان کی ہیں لیکن میں ان وجوہات کی تفصیل میں جائے بغیر گوجر مؤرّخین کے نزدیک جو وجوہات صحیح اور نہایت ہی معتبر و مستند مانی گئی ہیں اُنہی پر ہی اکتفا کروں گا۔

1) قوم گوجر کے مورّخ حضرت شیخ جمال گوجر اپنی کتاب مرقع گوجراں میں بیان کرتے ہیں کہ لفظ گُرجی اور لفظ گوجر یہ دونوں الفاظ قوم گوجر کے جدّ امجد شہزادہ اسکندروس گُرجی کے صحیح خطاب گرز گا وَسر سے مشتق ہیں۔

اور اس کی تفصیل یہ ہے کہ مختلف ممالک کے لوگوں نے بوجہ تلفظ زبان اور سہولت کے لئے اس طویل خطاب کو مخفّف اور اس کے حروف کو متبدّل و متغیر کر کے لفظ گُرز میں "ز" کو قریب المخرج ہونے کی وجہ سے "ج" سے بدل دیا اور گُرجی بولنا شروع کر دیا۔ اور لفظِ گا وَسر میں عوام جہلا نے حرف سین کو حرف جیم سے بدل کر گا وَجر بنا لیا۔ بعد میں انہوں نے اس لفظ کو اور بگاڑ کر گُوجر بنا لیا۔ اور اس طرح اس خطاب کے صحیح لفظوں اور حرفوں کی صورت بگڑ کر "گُرز گا وَسر" کے بجائے گرجی اور گوجر بن گئی۔

2) گوجر قوم کے دوسرے مؤرّخ چودھری فیض محمد صاحب اپنی کتاب مرآتِ گُوجراں میں لفظ گُوجر کی وجہ تسمیہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ: لفظِ گُوجر، یا لفظ گُرجر اور لفظِ گُرجی یہ تینوں الفاظ فارسی کے لفظِ گُرز سے مشتق ہیں، اور اس کی تفصیل یہ بیان کرتے ہیں کہ اس جنگ جُو قوم کا ہر فرد اپنے پاس ایک گرز رکھا کرتا تھا جو گائے کے سر کے مشابہ ہوتا تھا، جسے وہ میدان جنگ میں استعمال کیا کرتے تھے۔

اور اس کی وجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ جب شہزادہ اسکندروس گُرجی نے ملکِ قفقاز کو فتح کیا تو اس کے باپ سکندرِ اعظم کو اس فتح سے بڑی خوشی حاصل ہوئی۔

فتح کا جشن منایا گیا، رعایا میں تحائف تقسیم کئے گئے، اور ملک ایران کی رعایا نے شہزادہ اسکندروس کے لئے ایک سنہری گُرز جس کا سر گائے کے سر کے مشابہ تھا سکندر اعظم کی خدمت میں پیش کیا۔ سکندرِ اعظم نے شہزادے کو اس موقع پر ایران کا سب سے بڑا سرکاری خطاب "گُرزِ گاؤسر" دیا، اور عوام کی طرف سے دیا گیا یہ گرز بھی پیش کیا گیا، اس گرز اور خطاب کو بعد میں شہزادہ نے بطور ورثہ اپنی اولاد یعنی گوجر قوم کے لئے چھوڑا۔

پھر جب یہ لفظ "گُرزِ گاؤسر" ایران سے نکل کر ہندوستان اور دیگر مما لک میں پہنچا تو اس کا تلفظ گُرجی اور گُوجر میں مبدّل ہو گیا۔ جس کی اصل وجہ یہ تھی لوگ علم الکلام سے واقف نہیں تھے، اور علم الکلام مسلمانوں کی ایجاد ہے جب کہ گوجر قوم مسلمانوں سے آٹھ سو سال پیشتر ہندوستان میں آ کر آباد ہو چکی تھی۔

(تاریخ گوجراں ،ص47، مصنف حافظ عبد الحق سیالکوٹی)

3) شاہانِ گوجراں کے مصنف علامہ نواب عبد المالک اکھوڑوی اس بات کو تسلیم نہیں کرتے کہ گُوجر سکندر کی اولاد ہیں، کیونکہ گُوجر تو سکندر سے پہلے کی ایک مشہور قوم ہے، اور اس کا قدیم ہونا اس وجۂ تسمیہ کو باطل کرتا ہے۔ اس لئے کہ سکندر کے وقت یہ قوم موجود تھی جس کا ذکر سکندر نامہ میں کیا گیا ہے۔ جو سکندر کے دربار میں حاضر ہوئی اور عرض کیا کہ جنگلی وحشی ہم کو تکلیف دیتے ہیں، پہاڑوں کے درّوں سے نکل کر اُن کے کھیتوں کو تباہ کر دیتے ہیں، ان درّوں کو بند کر دیں تا کہ ہم آزاد زندگی بسر کر سکیں۔

دریں پاس گاہ رخنہائے کہ ہست

عمارت کند تا شود سنگ بست

اس محفوظ مقام میں جو درّے ہیں، ان کو بادشاہ عمارت کر کے بند کردے تاکہ یہ مقام مضبوط ہو جائے۔

مگر ز آفتِ آں بیا با نیاں　　　　براحت رسد کار خرزانیاں

ممکن ہے کہ ان وحشی جنگلیوں کی تکلیف سے خرزانی لوگ آرام پائیں۔

بفرمود شاہ تا گزر،ھا ھے کوہ　　　　بہ بندد خرزانیاں ہم گروہ

بادشاہ نے حکم دیا کہ پہاڑ کے درّے، خرزانے لوگ اور بادشاہ کا لشکر مل کر بند کردیں۔

اس سے ثابت ہوا کہ خزر (گوجر) سکندر کے وقت موجود تھے جن کو اُس وقت خزر کہا جاتا تھا، تو پھر کس طرح اُن کو سکندر کی اولاد کہہ سکتے ہیں۔

(شاہان گوجر،ص٦٦)

4) تاریخ گرجر کے مؤلف رانا علی حسن چوہان کے مطابق یہ لفظ سنسکرت کا ہے جس کا معنیٰ ہے دشمنوں کو ختم کرنے والا، بعد میں یہی لفظ گُرجُر ہوا، اور پھر گجّر اور گوجر ہوا۔ وہ لکھتے ہیں کہ گوجر اصلاً آریہ کھشتری ہیں جن کی مادری زبان سنسکرت تھی، پھر یہی زبان گجراتی ہوئی اور باہر جانے کے بعد گوجری ہوئی۔ ان کا ابتدائی مذہب دیدک تھا، ان کی کتاب گیتا اور ملک گجرات کہلاتا تھا۔

(تاریخ گرجر ص۴۰،حصہ اوّل)

شاہانِ گوجراں کے مصنف علامہ نواب عبد المالک اکھوڑوی لکھتے ہیں کہ ہر ایک اسم کے معنیٰ کی تلاش کرنا ضروری نہیں۔ ہمارے لئے اسی قدر کہنا کافی ہے کہ گوجر گُرجستان سے آئے اور گوجر کہلائے۔ گُرجستان کی کئی ہزار سال کی تاریخ موجود ہے، اور گُرجستان بہت قدیمی ملک ہے۔

(شاہان گوجر،ص68)

گوجروں کا آبائی مذہب

گوجروں کے آبائی مذہب کے متعلق ان کی پرانی تاریخوں سے اس بات کا پورا ثبوت ملتا ہے کہ زمانہ قدیم میں گوجروں کے آباؤ اجداد مذہب حنیف یعنی اسلام کے پیرو تھے، اور ایک خدائے وحدہٗ لاشریک کی عبادت کرتے تھے۔ اور ان کی مذہبی کتاب صحائفہ ابراہیم علیہ السلام تھے کہ جن کے احکام کے مطابق وہ عمل درآمد کرتے تھے۔

لیکن جب انہوں نے دیگر ممالک کو فتح کر کے ان میں مستقل سکونت اختیار کی تو اس کے کئی سو سال بعد ان کی اولادوں نے اپنے آبائی مذہب دین حنیف کو ترک کے وہاں کے اصل باشندوں کے تمدن وتہذیب اور مذاہب اختیار کر لئے۔ بعض جگہ زرتشت، شامانی، اور بعض جگہ ہندو، بدھ مذہب، یہودیت اور عیسائیت وغیرہ کے پیرو بن گئے۔

مختصر یہ کہ اکثر محققین ومؤرخین کی یہی رائے اور تحقیق ہے کہ زمانہ قدیم میں ہندوؤں اور خصوصاً گوجروں کے آباؤ اجداد مذہب حنیف کے پیرو تھے، اور ایک خدائے وحدہ لاشریک کی پرستش کیا کرتے تھے۔

چنانچہ کرنل جیمس ٹاڈ بھی گوجروں کے چند خاندانوں کے آبائی مذہب کے متعلق ہروڈوٹس نامی ایک یونانی مؤرخ کی روایت کے مطابق لکھتا ہے کہ گوجروں کے ساکا اور تکشک یعنی تاس اور چیچی خاندانوں کا مذہب خدا پرستی تھا۔ اور یہ بدھ مذہب کی طرح عقیدہ رکھتے تھے کہ روح جاودانی ہے فانی نہیں۔

پھر اسی کے آگے صفحہ ۱۲۷ پر لکھتا ہے کہ یہ لوگ مخلوق عالم میں سب سے زیادہ تیز رو جانور کو خالق کے نام پر قربان کر کے ثواب حاصل کیا کرتے تھے۔ (اس سے مراد قربانی ہے)

پھر اسی جلد اوّل کے صفحہ ۱۵۶ پر ہروڈوٹس کا ایک اور مقولہ نقل کرتا ہے کہ شاکا اور کوشاں گوجر حق پرست تھے۔

(بحوالہ ٹاڈ رجستان جلد اوّل مترجم منشی دوارکا بر شاد)

اسی طرح ایک اور انگریز مؤرّخ پروفیسر آرنلڈ لکھتے ہیں کہ ترکوں، گوجروں کا آبائی مذہب شامانی تھا، اور یہ ایک خدا کو مانتے تھے، اور اسی ایک کی پرستش کرتے تھے۔

(بحوالہ دی بریجنگ آف اسلام مولفہ مسٹر ٹی ڈبلیو آرنلڈ مترجم رحیم بیگ)

اسی طرح مرزا رحیم بیگ اپنی کتاب تاریخ چین میں لکھتا ہے کہ ترکوں، گوجروں نے ممالک ہند اور چین میں جا کر بت پرستی اختیار کر لی، ورنہ ان ممالک میں سکونت اختیار کرنے سے پیشتر یہ سب لوگ مؤحد اور خدا پرست تھے، اور میدان میں جمع ہو کر ایک ہی قادر مطلق اور حاضر وناظر خدا کی پرستش کرتے تھے۔

(بحوالہ تاریخ جین، ص۴۴۶، جلد سوم، باب جہارم، مؤلفہ مرزا رحیم بیگ)

اسی طرح حضرت شیخ جمال گوجر اپنی تصنیف مرقع گوجراں میں لکھتے ہیں کہ زمانۂ قدیم میں میری قوم گوجر کے تمام لوگ مذہب حنیف کے پیرو تھے، اور شریعت ابراہیمی پر ان کا عمل درآمد تھا۔ لیکن بعد میں آ کر گوجروں کے بعض خاندانوں نے برہمنوں کی ترغیب وتبلیغ سے "کوہ آبو" پر جا کر برہمنی مذہب اختیار کر لیا۔

(بحوالۂ مرقع گوجراں بزبان فارسی غیر مطبوعہ، مولفہ شیخ جمال گوجر)

ایک دوسرا گوجر مؤرخ چوہدری فیض محمد لکھتا ہے کہ زمانۂ قدیم کے تمام گوجر مذہب حنیف کے پیرو تھے۔ وہ اپنے جد امجد حضرت ابراہیمؑ کے صحائف پر عملدرآمد کیا کرتے تھے، لیکن بعد کے زمانے میں جب ان کی اولادوں نے وسط ایشیاء اور گُرجستان سے آ کر ہندوستان میں مستقل سکونت اختیار کر لی تو ان میں سے بعض خانوادوں کے سرکردہ راہنماؤں اور سرداروں نے "کوہ آبو" پر جا کر ہندو مذہب وتہذیب اختیار کر کے بت پرستی شروع کر دی۔ ورنہ ملک ہند میں آنے سے پیشتر تمام گوجر توحیدِ محضہ کے قائل، اور پختہ مؤحد تھے۔

آخر ہندوستان میں جب مسلمان آئے تو انہوں نے گوجروں کو پھر ان کے آبائی مذہب میں آنے کی دعوت دی جن کی تبلیغ سے گوجروں کا کثیر گروہ مذہب اسلام میں داخل ہو کر پھر اپنے آبائی مذہب حنیف کی طرف لوٹ آیا۔

(بحوالہ مرآت گوجراں بزبان فارسی غیر مطبوعہ)

مختصر یہ کہ گوجر قوم زمانۂ قدیم میں مذہب حنیف یعنی اسلام کے پیرو تھے، مگر ان کے پیشتر آباؤ اجداد کی ملک کنعان سے نقل مکانی اور پھر ان کی اس ملک سے دوری اور بت پرست اور دیگر اقوام سے میل وملاپ کی وجہ سے ان میں بھی مشرکانہ رسومات وبدعات رائج ہو گئیں، اور انہوں نے دوسرے مذاہب اختیار کر لئے۔

جیسے اولاد اسماعیل علیہ السلام میں اہل عرب بت پرستی میں مبتلا ہو گئے، موسیٰ علیہ السلام کے کوہ طور پر جانے کے بعد قوم موسیٰ علیہ السلام نے گوسالہ پرستی شروع کر دی، اور حضرت عیسیٰ مسیح علیہ السلام کے بعد ان کی قوم توحید چھوڑ کر تثلیث کی قائل ہو گئی، اور سیدہ مریم اور حضرت مسیح کے بتوں کی پرستش کرنے لگے۔

ایسے ہی گوجر قوم کے لوگ بھی جس قوم میں جا کر سکونت پذیر ہوئے وہ اسی ملک اور اسی قوم کا مذہب و تہذیب اور رسم و رواج اختیار کر کے اس مذہب میں جذب ہو گئے۔

کسی جگہ انہوں نے سورج کی پرستش شروع کردی، اور اس میں اس قدر دیوانگی دیکھائی کہ بات بات پر سورج کو مہاراج کہہ کر یاد کیا کرتے تھے۔ مثلاً میں جب گھر سے نکلا تو سورج مہاراج میرے سر پر سایہ فگن تھا، یعنی دوپہر کا وقت تھا، اور جب واپس آیا تو سورج مہاراج مغربی پہاڑ پر جلوہ افروز تھے، یعنی شام کا وقت تھا وغیرہ وغیرہ۔ اسی طرح ہر گھر میں سورج کی پرستش کے لئے ایک جگہ مختص ہوتی تھی، جہاں صبح و شام گھر کے چھوٹے بڑے جا کر سورج کی عبادت کیا کرتے تھے۔ اسی طرح شادی، موت و ولادت کے موقع پر سورج کی پوجا کی جاتی تھی۔ اور اس کی پوجا پاٹ کے پھر مختلف طریقے بھی رائج تھے۔

اسی طرح بعض گوجر سفید مینڈھے کی پوجا کیا کرتے تھے کہ یہ ماتا دیوی کو پسند ہے۔

بعض ہندو گوجر گھوڑے کی پوجا کیا کرتے تھے کہ یہ جنگ کی فتح و نصرت کا ذریعہ ہے۔

بعض ہندو گوجر سانپ کی پوجا کیا کرتے تھے کہ یہ دیوتا ہے جو غم و تکلیف کو رفع کرتا ہے۔ اور جو اس کی پوجا کرتا ہے یہ اس کو نہیں ڈستا۔

اسی طرح کچھ حضرت مسیح علیہ السلام کے پیرو تھے۔

کچھ آتش پرست تھے، جو مختلف انداز میں آگ کی پوجا کیا کرتے تھے۔

جب ہندوستان آئے تو اکثر گوجروں نے بدھ مذہب اور جین مت اختیار کر لیا تھا۔ اور پھر بدھ مذہب کی تبلیغ کے لئے کروڑوں روپیہ صرف کیا۔

ہندو چوہان گوجر گوگا دیوتا کی پرستش کرتے ہیں، اور مالیدہ تیار کر کے اس کا ثواب اس کی روح کو پہنچاتے ہیں۔ گوگا چوہان کا نام اب تک مشہور ہے کہ وہ سانپ کی پرستش کیا کرتا تھا۔ چوہانوں میں روایت ہے کہ گوگا ایک سال کا بچہ تھا جب وہ اپنے گہوارے میں سو رہا تھا تو ایک سانپ آیا، اس نے اس سانپ کا سر پکڑ لیا، اور دیر تک اسے پکڑے رکھا، جب اس کی ماں نے دیکھا تو ڈر گئی، گھر کے لوگ اسے مارنے کے لئے آگے بڑھے تو گوگا نے اشارے سے روک دیا، اور سانپ کو چھوڑ دیا تو سانپ چلا گیا۔

اسی طرح ہزاروں سکھ گوجر بابا گرونانک کے سیوک ہیں ۔ تاریخ شاہان گوجر کے مصنف ایک جگہ لکھتے ہیں کہ ایک سکھ بھائی چوہان گوجر جو بہت بڑا معزز اور سردار تھا اُس نے جب میرے نام کے ساتھ چوہان لکھا ہوا دیکھا تو بڑا تعجب کیا کہ کیا چوہان مسلمان بھی ہیں؟ وہ اب تک یہی سمجھتا تھا کہ کہ تمام چوہان سکھ ہیں ۔تو میں نے جواب میں ان کو لکھا کہ کیا چوہان سکھ بھی ہیں؟

اسی طرح گو جروں کی چھتیس دیویاں ہیں جن کی پرستش مختلف قبائل کرتے ہیں۔گوجروں کی مذہبی تاریخ پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ گوجروں نے جس مذہب کو اختیار کیا پروانہ وار اس پر قربان ہو گئے ۔

اب الحمدللہ ! فاران کی چوٹیوں سے طلوع ہونے والے آفتاب نبوت کی نورانی شعاعوں نے گوجر قوم کے تاریک سینوں کو پھر سے روشن کر دیا ہے، اور آج سے کئی سو سال پہلے مبلّغین اسلام کی سعی وتبلیغ سے مشرف با اسلام ہو کر اسلام کی تمام برکات و فیوضات سے اس کی اکثریت مستفیض ہوئی تو ان کو قرآن شریف کے حفظ کا اتنا شوق تھا کہ ہزاروں بچے آٹھ نو سال کی عمر میں حافظ قرآن ہو جاتے تھے، اور آج بھی الحمد للہ ہزاروں کی تعداد میں ہو رہے ہیں ۔

ضلع گجرات میں علم وعرفان کے وارث زیادہ تر گوجر ہی تھے، ان میں بڑے بڑے عالم فاضل گزرے ہیں، سینکڑوں خانقاہیں مختلف جگہوں میں موجود ومشہور ہیں ۔ جو اپنے اپنے وقت میں ولی اللہ تھے ۔آج بھی ہمارے علاقہ بٹگرام میں گوجروں کے ہاں الحمد للہ شائد ہی کوئی گھر ایسا ہو جس میں حافظ قرآن، قاری یا عالم موجود نہ ہو۔

آج الحمد للہ اس قوم کے لوگ ہر ایک فرقہ سنّی ، شیعہ، اہل حدیث، ہر جماعت میں شامل ہیں ۔ لاکھوں کی تعداد میں حفّاظِ قرآن کریم ، علماء اور فضلاء ، شیوخ دوسری قوموں کے مقابلے میں بڑھ چڑھ کر کام کر رہے ہیں ، اورزندگی کے دیگر شعبوں میں بھی قوم گوجر کے افراد اپنے اپنے دائرے میں رہ کر خدمت اسلام اور خدمت وطن بجا لا رہے ہیں ۔

(تاریخ گوجراں ،ص471)

گوجروں کا نسب

قوم گُوجر کے مؤرّخ حضرت شیخ جمال گوجر اور چوہدری فیض محمد صاحب اپنی اپنی تاریخ کی کتابوں مرقع گُوجراں اور مرات گُوجراں میں قوم گوجر کو سکندر اعظم شاہ مقدونیہ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں سے حضرت عیص بن اسحاق علیہ السلام کی اولاد سے ہونا ثابت کرتے ہیں۔

چنانچہ وہ اپنی تاریخوں میں گُوجروں کی بڑی بڑی گوتوں اور شاخوں کے نسب ناموں کو تحریر کر کے ہر ایک گوت کے نسب نامہ کو شہزادہ اسکندروس بن سکندر اعظم تک پہنچا کر پھر اس کے آگے حضرت ابراہیم علیہ السلام تک نام بنام پہنچاتے ہیں، اور ان نسب ناموں کو صحیح اور درست منوانے کے لئے بڑے بڑے دلائل وثبوت پیش کرتے ہیں جن کو صحیح تسلیم کرنے کے سوا چارہ نہیں رہتا، اور یہ ماننا پڑتا ہے کہ واقعی گوجر قوم سکندر اعظم کی اولاد ہے۔

مرات گُوجراں میں چوہدری فیض محمد صاحب لکھتے ہیں کہ یہ حقیقت تمام نئ و پرانی تاریخوں سے تحقیق و ثابت ہو چکی ہے کہ اگرچہ جدہا جد، اقوام گُوجراں کی با القاب گوت علٰیحدہ ہیں مگر تمام اجداد کی بنیاد اس ایک جد شہزادہ اسکندروس بن سکندر اعظم سے ہے، اور وہی سب گُوجروں کا جدّ امجد اور مورث اعلیٰ ہے۔

اگرچہ ان کی گوتیں اور ذاتیں مابعد کے مورثوں کے نام یا اور کسی وجہ سے موسوم ہو چکی ہیں مگر یہ سب کی سب ایک ہی درخت کی ٹہنیاں اور شاخیں ہیں۔ ان سب چھوٹی چھوٹی نالیوں اور نہروں کا ایک ہی منبع ہے جس سے یہ سب گوتیں مختلف لقبوں اور ناموں سے نامزد ہوئیں، اور آج بھی اس منبع سے ان نہروں کا تعلق نہیں ٹوٹا۔

چنانچہ آج بھی گُوجر لوگ باوجود اپنی ایک علٰیحدہ گوت و ذات کے رکھتے ہوئے مجموعی حیثیت میں یہ سب اپنے پرانے جدّی لقب گُوجر کو ہی مشتہر کرتے ہیں۔

(تاریخ گوجراں، ص 49)

اسی طرح پنجابی بھاٹ اور میراثی بھی گوجروں کی شادی بیاہ کے موقع پر گوجروں کی تمام گوتوں اور ذاتوں کو یوں مخاطب کرتے ہیں:

گوجر نسل سکندری، ایک دوجے تھیں جان　　گجرات ورثہ گُوجراں، رب رکھے امن وامان

اسی طرح تاریخ گوجراں کے مؤلف لکھتے ہیں کہ:

ہم نے عربی اور عجمی مؤرخوں کی ایرانی تاریخوں مثلاً انساب الترک، و ابوالفدا، تاریخ عجم، زینت التاریخ اور ابوالفارض وغیرہ کو پڑھا، ان میں شاہان ایران و یونان اور شاہان ترکستان خصوصاً اشکانی بادشاہوں اور ان کی قوم کے حالات و انساب بنظرِ عمیق و گہری تحقیق پڑھے جس سے یہی معلوم ہوا کہ اشکانی قوم اور گُوجر قوم یہ دونوں سکندر اعظم کی نسل و اولاد ہیں۔

جب کہ یورپین مؤرّخوں نے قوم گُوجر کے انساب کے متعلق اپنی تاریخوں میں کچھ نہیں لکھا سوائے اس کے کہ گُوجر قوم چوتھی یا پانچویں صدی کے درمیان وسط ایشاء یا گُرجستان واقع کوہ قاف سے آ کر ہندوستان پر حملہ آور ہوئی اور یہیں سکونت اختیار کر کے آباد ہو گئی۔

(تاریخ گوجراں ۔ص 50)

گُوجر قوم کا تین طبقوں میں تقسیم ہو کر اصل نسب میں اختلاف کرنا

ابتداء زمانہ حکومت گُوجراں میں یہ قومی آئین و دستور چلا آتا تھا کہ گوجر کا لقب صرف اُس شخص کو دیا جاتا تھا جس میں ان دو صفات میں سے کوئی ایک صفت پائی جائے۔

ایک یہ کہ وہ اگر خاص گوجر النسل عورت کے بطن سے پیدا ہوتا تھا تو اس کو گُوجر کے لقب سے ملقب کیا کرتے تھے۔ اور دوسری یہ کہ وہ اپنے موروثی فن گُرز اندازی میں ماہر ہوتا تو وہ گُوجر لقب کے لقب سے ملقب ہوتا تھا۔ جس شخص میں ان دوصفتوں میں سے کوئی صفت موجود نہ ہوتی تھی اس کو خالص اور بہادر گُوجر اپنے جدّی لقب گُوجر سے جو پرانے بہادر گُوجروں میں بڑا معزز و اعلیٰ خطاب تصوّر کیا جاتا تھا ملقب نہیں کرتے تھے، خواہ وہ قوم گُوجر میں سے کسی راجہ یا رئیس کا بیٹا ہی کیوں نہ ہوتا۔ اور ایسے افراد کی خود اپنی قوم میں کوئی عزت و وقعت نہیں ہوتی تھی۔

جب قوم گُوجر کی حکومت کو زوال آیا تو یہ قوم تین طبقوں میں تقسیم ہو گئی، جس کی وجہ سے اس قوم کے نسب ناموں میں غلط فہمیاں پیدا ہو گئیں۔ اس تقسیم کی ابتداء اس طرح ہوئی کہ زمانہ زوال حکومت گُوجراں میں اس طبقہ کے لوگوں نے پھر اپنی قوم سے اس لقب کو حاصل کرنے کا مطالبہ کیا مگر قوم گُوجر کے بڑوں نے اس وقت بھی انہیں

یہ خطاب دینے سے انکار کر دیا۔

جس کے بعد اس طبقے کے لوگ مایوس ہو کر اپنی برادری سے علیحدہ ہو گئے، اور جن گوجروں کی ماں گوجر نسل سے نہیں تھی وہ اپنے ننہال میں شامل ہو گئے۔ جن میں اکثریت برہمنوں کی تھی، اور برہمن کے مذہبی راہنماؤں کو ایسے بہادر چھتریوں کی ضرورت تھی جن کے ذریعے وہ اپنے برہمنی مذہب کو دوبارہ زندہ کر کے اپنی چھینی ہوئی عظمت کو بحال کر سکیں۔ اس لئے برہمنوں نے اس طبقے کے لوگوں کو اپنے مذہب میں داخل کیا۔ اور ان کے نسب ناموں کو سری رام چندر، اور کرشن جی مہاراج کے نسب سے ملا کر ان کو عزت دی۔ اور ان کی تالیف قلوب کے لئے بہادر گوجر بھائیوں کے بالمقابل ان کو راجپوت کے لقب سے ملقب کر کے ان کی عزت کو بڑھانا شروع کیا۔ اور اس طرح اس طبقے کے لوگ ہمیشہ کے لئے اپنے گوجر بھائیوں سے جدا ہو کر اپنے آپ کو سری رام چندر جی، اور کرشن جی مہاراج کی اولاد ظاہر کر کے راجپوت کہلانے لگے۔

(2) دوسرے طبقے کے لوگ جو ماں اور باپ دونوں کی طرف سے خالص گوجر تھے، مگر موروثی فن گرز اندازی کی تعلیم سے محروم تھے جس کا حاصل کرنا ہر گوجر النسل شخص کے لئے ضروری تھا۔ انہیں بھی جب قوم کے بڑوں کی طرف سے گوجر کے لقب سے ملقب کرنے سے انکار کر دیا گیا اور انہیں مجازی اور خطابی گوجر کہہ کر پکارتے تھے، جس سے ان کے رعب اور وقار پر اور عزت و شان میں فرق آتا تھا۔ اس لئے یہ طبقہ بھی بہادر گوجروں سے علیحدہ ہو کر برہمنوں میں شامل ہو گیا، اور انہوں نے انہیں مذہب میں داخل کر کے ان کے نسب نامہ کو رام چندر جی کے نسب نامہ کے ساتھ ملا کر انہیں "بڑ گوجر" کا خطاب دیا۔ جس کے بعد یہ لوگ بڑ گوجر کہلانے لگے۔

(3) تیسرے طبقے کے لوگ وہ تھے جو خالص گوجر کہلاتے تھے اور جو دونوں صفات سے متصف تھے۔ یعنی ماں باپ کی طرف سے بھی خالص گوجر تھے، اور موروثی فن گرز اندازی کے کرتب سیکھ کر اور جوانمردای دکھا کر اپنی قوم کے لقب گوجر کو حاصل کرتے تھے۔

(تاریخ گوجراں، ص54)

تو معلوم ہوا کہ راجپوت، اور بڑ گوجر بھی اصل میں گوجر ہی ہیں۔ اور یہ سری رام چندر، اور کرشن جی کی اولاد نہیں ہیں، بلکہ یہ سکندر اعظم اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں جس طرح کہ باقی گوجر قوم ہے۔ اور

اسی لئے بعض مؤرخین نے انہیں گوجر ہی لکھا ہے۔اور جدید تحقیق سے بھی ثابت ہو چکا ہے کہ پرانے زمانے کے گوجر موجودہ زمانہ کے گوجروں اور پر ہار راجپوتوں کے بزرگ تھے، اور یہ دونوں ایک ہی ہیں ۔

علی حسن چوہان کی تاریخ گرجر میں سورج بنسی، چندر بنسی، چوہان، چالوکیہ، پڑھیار، پنوار اور راٹھوروں کو بھی گوجر کہا گیا ہے۔مشہور تاریخ دان وی اے سمتھ اپنی کتاب میں لکھتے ہیں چوہان، سولنکی، پڑھیار، پنوار، چندیل اور تنوار اصل میں گجروں کے ہی قبائل ہیں جو بعد میں دوسری قوموں میں بھی شامل ہوئے۔

چوہان گوجر اور چوہان راجپوت

حقیقت یہ ہے کہ: جاٹ ،گوجر ، راجپوت، اور چوہانوں میں کوئی قومی امتیاز نہیں ہے ۔ یہ ایک ہی قوم کے افراد ہیں ۔ البتہ دنیاوی اقتدار کی وجہ سے کسی کو درجہ میں کم کر دیا گیا اور کسی کو زیادہ ۔ جو گھرانے خوش قسمتی سے ملکی اقتدار سے مقتدر ہو گئے وہ راجپوت کہلانے لگے، اور دوسرے اُن سے درجہ میں کم ہو گئے ۔ جو لوگ اقتدار میں آئے تو انہوں نے اپنے اصول بنا لئے ۔

اوّل: یہ کہ اپنے خاندان سے باہر دوسرے بھائیوں سے شادی نہ کی جائے ۔

دوم: اپنے خاندان کی بیوہ گان کی شادی نہ کی جائے ۔

سوم: خدمت گاری پیشوں سے اجتناب کیا جائے ۔

جن خاندانوں نے ان اصولوں کو توڑا وہ اپنی حیثیت سے گر گئے ۔جس گوجر نے کسی اور قوم کی لڑکی سے شادی کر لی وہ راجپوت کہلایا، یا اس کے برعکس جس راجپوت نے عام گوجر اور جاٹ قوم کی لڑکی سے شادی کر لی، اس کی اولاد گوجر اور جاٹ سمجھی گئی ۔اسی طرح جس گوجر اور جاٹ نے راجپوت لڑکی سے شادی کر لی، اس کی اولاد اس راجپوت کے خاندان کی شاخ میں داخل اور اپنے خاندان سے الگ ہوگئی۔

اسی طرح جس نے بیوہ گان کی شادی کر دی وہ نچلے خاندان میں چلا گیا۔

چوہان اور راجپوتوں کا امتیاز بھی ایسی ہی مثالوں پر مبنی ہے ۔جو چوہان بیوہ کی شادی کرتے ہیں وہ ادنیٰ ہو گئے ، اور جو شادی نہیں کرتے وہ معزز ہو گئے ۔اسی طرح جو ہل چلانے لگے وہ کمتر اور جو ہل نہیں چلاتے وہ مقتدر، جس سے لوگوں نے قدیم ذات کو بدل کر نیا نام اختیار کیا۔ یہ سب جاہلانہ خیالات ہیں۔ جب گوجر، جاٹ راجپوت،

چوہان، ایک ہی نسل کی شاخیں ہیں تو پھر ایک اصطلاحی امر سے ان کا خاندان الگ کیسے سمجھا جا سکتا ہے؟۔

مورّخین ہند و یورپ ان ہی روایات کو سامنے رکھ کر کے مختلف طور پر اپنی اپنی رائے پیش کرتے ہیں۔ کوئی مورّخ چوہان راجپوت اور چوہان گوجر میں یہ فرق بیان کرتا ہے کہ چوہان راجپوت بیوہ کی شادی نہیں کرتے، اور چوہان گوجر بیوہ کی شادی کرتے ہیں۔

کسی نے کہا کہ چوہان گوجروں کا مورث اعلیٰ چوہان راجپوت تھا، جس نے ایک گوجر عورت کے ساتھ شادی کی تھی، اور اس کی اولاد نے گوجر نام اختیار کر لیا۔ اور ذات کی رسم و عادت بدلنے کی وجہ سے راجپوتوں سے نیچے درجہ میں چلے گئے۔ یہ کیسی نامعقول بات ہے کہ بیوہ کی شادی کرنے، اور زمین میں ہل چلانے کی وجہ سے کوئی قوم اپنی قومیت سے گر جاتی ہے۔ اب تو راجپوت بھی بیوہ کی شادی کرتے ہیں، اور ہل چلاتے ہیں، تو اب یہ فرق کیوں؟ اس روایت کو کہاں تک معقول کہا جا سکتا ہے۔

ہمارے خیال میں عارضی امور کسی خاندان کو نہ پست کرتے ہیں اور نہ بلند۔ اس قسم کے امتیازی قصے محض فضول ہیں۔ قومیت کسی وصف یا کسی عارضی حیثیت سے تبدیل نہیں ہوسکتی، یہ کس طرح ہوسکتا ہے کہ آدھا تیتر ہو اور آدھا بٹیر؟ یعنی ایک ہی قوم دو حصوں میں تقسیم ہو جائے۔ جو قومیں اصطلاحی اختلاف میں پڑ کر اپنی اصل بھول جاتی ہیں، اور اپنی اجتماعیت کو پارہ پارہ کر دیتی ہیں، وہ غلامی کی زنجیروں میں جکڑی جاتی ہیں، اور ان کے سر سے حکومت کا تاج چھین لیا جاتا ہے۔

یہ حقیقت بالکل عیاں ہے کہ گُوجر مستقل ایک قوم ہے، اور عارضی حشمت و شوکت، قومیت اور ذات کو تبدیل نہیں کر سکتی۔ ایک خاندان کا راجہ ہو یا کاشتکار ذات اور قومیت میں دونوں برابر ہیں، اس لئے یہ نظریہ بالکل غلط ہے کہ دنیاوی اقتدار یا اصطلاحی اختلاف سے ذات میں فرق آجاتا ہے۔ عروج و زوال سے ذات تبدیل نہیں ہوتی، نہ کسی قوم کی کثرت کی وجہ سے ذات بدل سکتی ہے۔

ہاں اس میں شک نہیں کہ جب سے گوجر معتوب ٹھرائے گئے، اور لوگوں کو ان کے معتوب ہونے کی وجہ سے گُوجروں کی عظمت معلوم نہیں تھی، اور راجپوت کا لفظ ایجاد ہوا اس کی طرف لوگ دوڑنے لگے، اور ہر ایک یہ چاہتا تھا کہ وہ راجپوت کہلائے۔ کیونکہ اس لفظ میں لوگ اپنی عظمت کا اظہار سمجھتے تھے۔ اسی طرح جن لوگوں نے

دوسرے پیشے مثلاً، بڑھئی، جولاہا، یا دوکانداری کو چھوڑ کر سپاہ گری شروع کر دی تو وہ بھی راجپوت ہو گئے۔

مورّخ کے لئے یہ ایک سوال ہے کہ وہ لوگوں کی ذاتوں کو ان کے مدارج دنیوی پر مبنی کرے یا نسب پر؟ چوہان چوہان ہے۔ خواہ وہ بیوہ کی شادی کرے، یا ہل چلائے، یا مزدوری کرے۔ ہر ایک دانشمند کا فرض ہے کہ ایسی روایات کو رد کرے۔

شاہان گوجر کے مؤلف لکھتے ہیں کہ اب تو واضح طور پر یہ ثابت ہو چکا ہے کہ راجپوت گوجر وغیرہ بیرونی طاقتور قوموں کی یادگار ہیں۔ بلکہ وہ تو ان کو قوم ماننے کے لئے ہی تیار نہیں ہیں۔

وہ لکھتے ہیں کہ ہم نے ایک سے زیادہ مرتبہ اس کو بیان کیا ہے کہ راجپوت کوئی قوم نہیں ہے، بلکہ یہ ایک وصفی نام ہے۔ جو افراد کسی راجہ کی اولاد ہوئے وہ راجپوت کہلائے۔ اور یہ اصطلاح ہندوستان تک محدود نہیں ہے بلکہ دوسرے ملکوں میں بھی اس اصطلاح کا رواج ہے۔ جیسے ملک زادہ، شہزادہ، ابن الملوک، نواب زادہ، عام طور پر بولا جاتا ہے۔ اور پھر راجپوت کا لفظ ایسا وسیع ہے کہ گوجر جاٹ، اہیر وغیرہ جن کے بزرگ خوش قسمتی سے راجہ ہو گئے، وہ راجپوت کہلائے۔ یہ ایسا بدیہی مسئلہ ہے کہ اس کا انکار نہیں کیا جا سکتا۔ یہ عجیب منطق ہے کہ اور قوموں کے راجاؤں کی اولاد راجپوت کہلائے، اور گوجر، جاٹ راجاؤں کی اولاد راجپوت نہ ہو۔

(شاہان گوجر، ص ۶۶۳)

اب قوم گوجر کا ابتدائی اور صحیح نسب نامہ آپ کی خدمت میں پیش کرنے جا رہا ہوں جسے تاریخ گوجراں کے مؤلف نے اپنی تاریخ کے اندر لکھا ہے۔ تاکہ قوم گوجر کے نسب نامہ سے متعلق تمام غلط فہمیاں دور ہو سکیں۔

نسب نامہ قوم گُوجر

(1) حضرت آدمؑ　(2) حضرت شیثؑ　(3) انوش　(4) قینان
(5) مہلا بل　(6) یرو　(7) اخنوغ　(8) متوشلخ
(9) لمک　(10) حضرت نوحؑ　(11) سام　(12) ارفخشذ
(13) شالخ　(14) عابر　(15) فالغ　(16) ارعو
(17) ساروع　(18) ناحور　(19) تارخ　(20) حضرت ابراہیم خلیل اللہؑ
(21) حضرت اسحاقؑ　(22) عیص　(23) رعوائیل　(24) ضارہ
(25) حضرت ایوبؑ　(26) حومل　(27) بشر عرف ذوالکفلؑ　(28) عبدان
(29) ارغولس　(30) الکیئس　(31) پرسئیس　(32) امفی تریون
(33) ہرقلیس　(34) ہائی لیئس　(35) زوتھنئیس　(36) آئی نیکس
(37) آیونیئس　(38) پروکاس اوّل　(39) کلائیفس　(40) انیطس
(41) امن تاس اوّل　(42) سکندر اوّل　(43) طرطیوس　(44) پروکاس ثانی
(45) شاہ ارکیلوس　(46) امن تاس ثانی　(47) فیلقوس　(48) سکندر اعظم
(49) شہزادہ اسکندرروس

❁❁❁❁❁

گوجر قوم کا جدّ امجد اور مورث اعلیٰ شہزادہ اسکندرروس گُرجی

اس شجرۂ نسب سے معلوم ہوا کہ سکندر اعظم کا بیٹا شہزادہ اسکندرروس عُرف شہزادہ گُرجی قوم گُوجر کا مورث اعلیٰ اور جدّ امجد ہے۔ اس شہزادے کا اصل نام اسکندرلس تھا جو خود سکندرِ اعظم نے رکھا تھا، جس کو مشرقی مؤرّخ اسکندرروس کے نام نامی سے نامزد کرتے ہیں۔ شہزادہ گُرجی اس کا اعزازی وصفاتی لقب ہے، جس کا ذکر میں پہلے لفظِ گُوجر کی وجہ تسمیہ کے اندر بیان کر چکا ہوں۔

شہزادہ کی پہلی شادی

شہزادہ اسکندروس کی پہلی شادی سکندر اعظم نے اپنے سیاسی اور دوستانہ تعلقات کو مضبوط کرنے کے لئے تاتار کے ایک بادشاہ ٹاکسلس کی بیٹی زوغہ خانم نامی شہزادی سے کروائی تھی جو کہ نہایت ہی حسینہ و جمیلہ تھی۔

شہزادہ کی دوسری شادی

جب کہ شہزادہ اسکندروس کی دوسری شادی جنگ قفقاز میں فتح حاصل کرنے کے بعد شاہ قنطال کی ایک نہایت حسینہ وجمیلہ بیٹی کذبان نامی سے ہوئی ۔ یہ شہزادی میدان جنگ کی شہسوار بہادر اور شجاع تھی ،اور جنگوں میں اپنے باپ کے ہمراہ اپنے ملک اور قوم کی خاطر دشمنوں سے لڑا کرتی تھی ۔

جب یہ شہزادی جنگ قفقاز کے بعد قید ہو کر سکندر اعظم کے حضور پہنچی تو سکندر نے اپنی فوج کے ایک افسر کے ساتھ اس کی شادی کرانا چاہی جسے اُس نے یہ کہتے ہوئے رد کر دیا کہ اے بادشاہ ! جس افسر سے آپ میری شادی کرا رہے ہیں وہ میرے رُتبہ اور مرتبہ کا نہیں ہے ۔اگر آپ اپنی فوج میں سے کسی کے ساتھ میری شادی کرانا چاہتے ہیں تو پھر اپنے بیٹے شہزادہ اسکندروس کے ساتھ کرائیں جو رُتبہ اور مرتبہ میں میرے برابر ہے ،کیونکہ بادشاہوں کی بیٹیاں ہمیشہ بادشاہوں کے بیٹوں کے ساتھ بیاہی جاتی ہیں ۔اگر آپ یہ نہیں کر سکتے تو پھر مجھے آزاد کر کے میرے باپ کے پاس بھیج دیں۔سکندر اعظم نے اُس کی اِس بات کو قبول کرتے ہوئے اُس کی شادی اپنے شہزادے اسکندروس کے ساتھ بڑے تزک و احتشام کے ساتھ کرادی ۔اس طرح شہزادہ اسکندروس کی دو بیویاں ہو گئیں۔

لقب گُرزِ گاؤ سر سے شہزادے کو ملقب کیا جانا

سکندر اعظم قفقاز سے مظفر و منصور ہو کر جب واپس ایران آیا تو اُس نے قفقاز کی ریاست شہزادہ اسکندروس کو اس کی خدمات کے صلّہ میں بطور جاگیر عطا کی ۔

(قفقاز ، یورپ اور ایشیا کی سرحد پر جغرافیائی و سیاسی بنیاد پر مبنی ایک خطہ ہے، جو بحیرہ اسود اور بحیرہ قزوین کے درمیان واقع ہے۔کوہ قاف پہاڑی سلسلہ ایشیا اور یورپ کو جدا کرتا ہے ۔ سیاسی اعتبار سے قفقاز کو شمالی اور جنوبی

حصوں کے درمیان تقسیم کیا جاتا ہے۔شاکرؔ)

قفقاز کی فتح کی خوشی میں اپنے رؤسا، امرا اور اعیان دولت کے ساتھ جشن فتح منایا، رعایا اور فوج میں تحائف تقسیم کئے گئے ، اور ملک ایران کی رعایا نے (جو شہزادہ اسکندروس کے ساتھ اس کے بہادرانہ جنگی کارناموں کی وجہ سے خاص عقیدت و محبت رکھتے تھے) اظہارِ عقیدت کے لئے ایک سنہری گُرز جس کا سر گائے کے سر کے مشابہ تھا سکندر اعظم کی خدمت میں پیش کیا۔

سکندرِ اعظم نے شہزادے کو اس موقع پر وہ طلائی گُرز اور ایران کا سب سے بڑا سرکاری خطاب "گُرزِ گاؤسر" دیا ،جو ایرانی بہادروں میں سب سے اعلیٰ و معزز خطاب تصور کیا جاتا تھا۔اُس دن سے پھر اس کا عام لقب شہزادہ گُرزِ گاؤسر، یا شہزادہ گُرزی ہو گیا۔بعد میں یہ صحیح لفظ غلط العام ہو کر گُرزِ گاؤسر سے گُرجی گاؤجر بن گیا،اور جس کی مبدّل صورتیں اِس وقت لفظ گُوجر، گُرجی اور گاجار موجود ہیں۔

(تاریخ گوجراں ,ص ۱۳۳)

323ءقبل از مسیح سکندر اعظم کی وفات کے بعد اُس کی وسیع سلطنت میں ہر جگہ فساد بر پا ہو گئے ،اور اس کے غدّار جرنیلوں نے اُس کے بیٹے اور خاندان کے ساتھ سخت بیوفائی اور غداری کر کے اس کی سلطنت کے مفتوحہ علاقوں پر قبضہ جمانا شروع کیا۔شہزادہ اسکندروس گُرجی اپنی دادی کے کہنے پر کچھ عرصہ کے لئے تختِ یونان پر بیٹھا لیکن ملک میں بر پا طائف الملوکی سے متنفر ہو کر اُس نے تاج سر سے اتار کر تختِ حکومت سے دست برداری کا اعلان کر دیا اور تمام سیاسی معاملات سے کنارہ کشی اختیار کرتے ہوئے گوشہ نشینی اختیار کر لی۔

شہزادہ اسکندروس کے دس بیٹے

اُس کی دونوں بیویوں کے بطن سے اس کے دس بیٹے تھے۔چار بیٹے اُس کی قفقازی بیوی کذبان نامی کے بطن سے اور چھ بیٹے تاتاری بیوی زوغہ خانم کے بطن سے۔اور انہی دس شہزادگانِ گُرجی کی پشتوں سے قوم گُوجر عالم وجود میں آئی تھی ،جن کے نام یہ ہیں:

(۱) اشکانیئس (۲) جارجیئس (۳) سکائی نیئس (۴) ایگو ویئس (۵) کوشانیئس

(۶) کداریئس (۷) تومانیئس (۸) کارلیگس (۹) تاکتیس (۱۰) تردیئس

شہزادگانِ گُرجی کا یونان سے وسطِ ایشیاء آنا

جب ان شاہزادگانِ گُرجی نے اپنے باپ سے فن گرز اندازی میں تعلیم حاصل کر لی تو اپنی موروثی سلطنت کو غاصبوں سے واپس لینے کے لئے اپنے باپ کو ترغیب دی تو شہزادہ اسکندروس گُرجی نے اس کی طرف توجہ نہ دی اور اپنے بیٹوں کو مشورہ دیا کہ تم سب بھائی بمعہ اپنی دونوں ماؤں کے یونان کو چھوڑ کر وسطِ ایشیاء میں چلے جاؤ، اور اپنے ننھیال میں رہ کر اپنے اصل مطلوب کے لئے کوشش کرو۔

شہزادگانِ گُرجی نے اپنے باپ کی وصیت کے مطابق فوراً سامان سفر تیار کیا اور اپنی دونوں ماؤں کے ہمراہ وسط ایشیاء چلے گئے۔ وسط ایشاء میں کچھ عرصہ انہیں بلخ کے پہاڑی علاقوں میں اپنی معاش اور سرمایہ کے حصول کے لئے پیشہ گلہ بانی اور چرواہی اختیار کرنا پڑا۔

پھر یہاں سے شہزادگانِ گرجی، پارنی قوم کے ساتھ مل کر خراسان پہنچ گئے۔

(ایران کا ایک اہم اور قدیم صوبہ ہے دراصل یہ خورآسان یعنی مشرق ہے۔قدیم خراسان میں شمال مغربی افغانستان کا علاقہ شامل تھا۔خراسان مشرق میں بدخشاں تک پھیلا ہوا تھا اور اس کی شمالی سرحد دریائے جیحوں اور خوارزم تھے۔مختلف ادوار میں نیشاپور، مرو، ہرات اور بلخ اس کے دارالحکومت رہے۔آج کل اس کا صدر مقام مشہد ہے۔ جبکہ مشرقی خراسان مع ہرات شہر افغانستان کی حددو میں شامل ہے۔ اس کے مشرق میں افغانستان شمال میں روس جنوب میں کرمان اور سیستان اور مغرب میں اصفہان اور جرجان واقع ہیں۔شاکرؔ)

اور وہاں کے سبزہ زار مرغزاروں میں ڈیرے لگا کر اپنے مویشیوں کو چرانے لگے۔ادھر اہل خراسان کی انقلاب پسند جماعت کے بعض آدمیوں کو جب معلوم ہوا کہ سکندر اعظم کے پوتے چرواہوں کے لباس میں خراسان میں آئے ہوئے ہیں تو انہیں بڑی خوشی حاصل ہوئی۔اس لئے کہ وہ مدّت سے کسی ایسے لیڈر و رہنما کی تلاش میں تھے جو ان کو ظالم اور سفاک فیری کلس کے پنجہ استبداد سے نجات دلا کر ان کے لئے امن اور آزادی حاصل کرے۔

اس لئے اہل خراسان کی انقلاب پسند جماعت میں سے چند اکابران قوم رات کو خفیہ طور پر شہزادگان گُرجی کے ڈیرے پر پہنچے اور ان سے داد رسی کی درخواست کی کہ ہم لوگ مدّت سے ایرانیوں اور یونانیوں کے مظالم برداشت کر کے ان کی غلامی میں زندگی بسر کر رہے ہیں، ہمیں اس غلامی سے نجات دلائی جائے۔ہم تمام اہل

خراسان کی طرف سے آپ کو اپنا بادشاہ تسلیم کرتے ہیں۔

مختصر یہ کہ اہل خراسان کی اس درخواست کو قبول کر کے شہزادگان گُرجی نے اہل خراسان اور پارتی قوم کے ساتھ مل کر طویل جدو جہد کے بعد خراسان سے یونانی حکومت کا خاتمہ کیا، اور اہل خراسان کی درخواست پر شہزادگان گُرجی نے اپنے بڑے بھائی اشکائیس گرجی کو متفقہ طور پر بادشاہ منتخب کر کے تخت حکومت پر متمکن کیا اور سب بھائی مل کر ملک خراسان پر حکومت کرنے لگے۔ اس کے بعد فتوحات کا سلسلہ بڑھاتے ہوئے صوبہ ہیرا کافی، صوبہ آری (ہرات) دشت کامانی، اور آذر بائیجان کو اپنے قلمرو میں شامل کیا۔ اور پھر اپنے دادا کے باقی ماندہ کھوئے ہوئے ملکوں کو واپس لینے کے لئے مہم جوئی شروع کی اور گُرجستان، اور ترکستان کو بھی فتح کر لیا۔

(گُرجستان، یا" جارجیا "یوریشیا کے قفقاز کے علاقے میں ایک ملک ہے۔ جارجیا مغربی ایشیا اور مشرقی یورپ کے سنگم پر واقع ہے، یہ مغرب میں بحیرہ اسود سے، شمال میں روس سے، جنوب میں ترکی اور آرمینیا سے اور جنوب مشرقی آذربائیجان کی طرف سے ملا ہوا ہے۔ تبلیسی سب سے بڑا شہر اور دار الحکومت ہے۔ جارجیا کا رقبہ 700.69 مربع کلومیٹر (26،911 مربع میل) ہے اور اس کی 2016 کی آبادی 72.3 ملین افراد پر مشتمل ہے۔ جس میں نمائندہ جمہوریت کے ذریعے حکومت منتخب کی جاتی ہے۔ کلاسیکی دور میں، بہت سی آزاد مملکتیں بھی جارجیا میں قائم ہوئیں۔

چوتھی صدی کے آغاز میں کولچز اور عائی بریا کی سلطنتوں نے مسیحیت کو اپنایا۔ گیارھویں اور بارھویں صدی میں کنگ ڈیوڈ چہارم اور ملکہ تمر کی متحدہ بادشاہت قائم ہوئی جن کے دور حکومت میں جارجیا اپنے سیاسی اور اقتصادی طاقت کے عروج پر پہنچ گیا لیکن اس کے بعد علاقے میں صدیوں تک مختلف بڑی سلطنتوں کا غلبہ رہا جن میں منگول، سلطنت عثمانیہ اور ایران کی مختلف خاندانی حکومتیں شامل ہیں۔ شاکرؔ)

آمدم برسر مطلب:

میں نے شروع میں عرض کیا تھا کہ چوہان دراصل کوشان گوجر ہیں جو شہزادہ اسکندروس کے دس بیٹوں میں سے شہزادہ کوشانیس گُرجی کی اولاد میں سے ہیں۔ اس لئے چوہان گُوجروں کے ذکر سے قبل میں پہلے مختصراً کوشان گُوجروں کا ذکر کروں گا۔

کوشان گوجر

گوجروں کے کوشان خاندان کا مورث اعلیٰ کوشانئیس گرجی تھا جو کہ شہزادہ اسکندروس گرجی کا پانچواں بیٹا تھا۔کوشانئیس گرجی کی اولاد کا امتیازی خطاب اسی کے نام کی طرف منسوب ہوکر کوشان گوجر موسوم ہوا تھا۔اور اس کی اولاد اس کے سسرال یعنی اپنے ننہال کی ریاست کی وارث بنی تھی۔جس کی تفصیل یہ ہے کہ تاتار کا ایک قبیلہ یوچی نام کا تھا جس کی ریاست شمال مغربی چین کے صوبہ کنسو میں واقع تھی، اور یہ ریاست دریائے ینکسی کیانگ جسے نیلا دریا کہتے ہیں اس کے کنارے شہر سوچو تک پھیلی ہوئی تھی۔

شہزادہ کوشانئیس گرجی کی شادی

جب کوشانئیس گرجی نے اس ریاست کو فتح کیا تو اس ریاست کے سردار برتاچن کو اپنا ہمدرد اور مددگار بنائے رکھنے کے لئے اُس کی اکلوتی بیٹی پاتو خانم سے شادی کر لی۔سردار برتاچن کی چونکہ کوئی اور اولاد نہیں تھی اس لئے اس نے اپنی ریاست کا وارث اپنی اس بیٹی کو بنا لیا،اور ایک وصیت نامہ لکھ دیا کہ میرے بعد میری ریاست کی وارث میری یہ بیٹی اور اس کی اولاد ہوگی۔

اس وصیت نامہ کو اس کی قوم نے بھی تسلیم کیا اور شہزادہ کوشانئیس گرجی کے بھائی شاہ اشکانئیس گرجی نے بھی جس کی زیر سیادت یہ ریاست آ چکی تھی۔اور اس وصیت نامہ پر مہر تصدیق ثبت کر دی۔

مختصر یہ ہے کہ یوچی سردار برتاچن کی وفات کے بعد اس کی بیٹی پاتو خانم مسند نشین ہوکر حکومت کرنے لگی۔اس کے بطن سے شہزادہ کوشانئیس گرجی کے اٹھارہ بیٹے پیدا ہوئے تھے سب کے سب لائق فائق تھے جو اپنی ماں کے بعد اس کے تاج وتخت اور ریاست کے وارث و مالک ہوئے۔

کڈفائیس اوّل

کوشان گوجروں کی اس ریاست پر نشیب وفراز آتے رہے۔اس عرصہ میں کئی بادشاہ یکے بعد دیگرے سریر آرائے تخت ہوکر حکومت کرتے رہے۔ان میں سب سے بڑا بہادر اور نامور بادشاہ کڈفائیس اوّل تھا جو 40ء میں تخت نشین ہوا۔جس نے مسیح سے پچاس سال بعد تمام گوجر خاندانوں پر غلبہ حاصل کر کے ایک متحدہ گوجر سلطنت

کی بنیاد رکھی۔

اس بادشاہ نے قریباً چالیس سال تک حکومت کی اور اس عرصہ میں اس نے نہ صرف باختر (یعنی بلخ) کے علاقہ میں مضبوطی سے قدم جمائے رکھے بلکہ اشکانی گوجروں کو خراسان میں اور ساکا گوجروں کو قندہار اور ٹیکسلا میں شکستِ فاش دے کر ان علاقوں کو اپنی سلطنت میں شامل کیا۔

کڈ فائیس اوّل نے اپنی چنیدہ فوج کے ساتھ ہندوکش کی مشکل گزار منازل عبور کر کے کشمیر، کافرستان اور کابل کو زیرنگین کیا۔

(پاکستان کے ضلع چترال کی تین وادیوں، بریر، رومبور اور بمبوریت کو قدیم زمانے میں کافرستان کہا جاتا تھا۔ اب ان وادیوں کو کالاش کہا جاتا ہے۔شاکرؔ)

کابل کے ہرمیاس حکمران کا کڈ فائیس اوّل کی شمشیر سے مغلوب ہونا تاریخوں سے ثابت ہے اسی طرح باختر پر بھی اس کا پرچم اقبال لہرایا۔

(باختر (انگریزی: Bactria) ایک قدیم ایشیائی سلطنت جو موجودہ افغانستان، ترکمانستان اور ازبکستان کے علاقوں پر مشتمل تھی۔ یہ علاقہ سکندر اعظم کے فتح کرنے کے بعد کئی نسلوں تک یونانیوں کے زیر اثر رہا۔ 256 ق م میں یہاں ایک آزاد یونانی سلطنت قائم ہوئی۔ 125 ق م میں ایک خانہ بدوش قبیلے یوہ چیھ نے (جو غالباً ایرانی تھا) اس کو روند ڈالا۔ اس کے بعد وہ ملی جلی پارتھیا اور یونانی تہذیب، جس نے یہاں فروغ پایا تھا، ختم ہوگئی۔ باختر کا دار السلطنت شہر بکترا (بلخ) تھا جو اب افغانستان میں واقع ہے۔شاکرؔ)

اس طرح اس کے دائرۂ حکومت میں ایران سے لے کر جہلم تک اور سغدانیہ کا علاقہ بھی شامل تھا۔ پہاڑی جنگ جو، سیزہ کار باشندوں کی تسخیر اور اس قدر وسیع سلطنت کا نظم ونسق کڈ فائیس اوّل کی شجاعت شاہانہ کا قطعی ثبوت ہے۔ کڈ فائیس اوّل 80 برس کی عمر میں 78ء میں راہی ملک بقا ہوا۔

گنگ نئیس گُرجی

78ء میں اس کے انتقال کے بعد اس کا بیٹا گنگ نئیس گُرجی تخت نشین ہوا۔

کڈ فائیس ثانی

اور اس کے انتقال کے بعد اس کا بیٹا کڈ فائیس ثانی سریر آرائے تخت ہو کر حکومت کرنے لگا اور اپنی سلطنت کو وسعت دی ۔ یہ بھی شجاعت ، بہادری ، اولوالعزمی اور ہمت و بلند حوصلگی کا مظہر تھا۔تخت نشین ہوتے ہی قبضۂ شمشیر پر ہاتھ رکھا اور کشور کشائی و جہان گیری کے لئے اُٹھ کھڑا ہوا۔

اس نے پنجاب اور دریائے گنگا کی وادی سے گزر کر بنارس تک تمام ملک کو زیرنگین کیا۔اور اس حصّہ پر اپنا ایک نائب مقرر کیا۔

(بنارس ، بھارت کی ریاست اتر پردیش کا ایک تاریخی شہر ہے۔اس کا ایک اور معروف نام کاشی بھی ہے۔ یہ شہر دریائے گنگا کے بائیں کنارے پر آباد ہے۔ اس کا اصل نام وارانسی ہے جو بگڑ کر بنارس ہو گیا۔ وارانسی کو ہندوؤں کے نزدیک بہت متبرک شہر سمجھا جاتا ہے۔ یہاں ایک سو سے زائد مندر ہیں۔ ہر سال تقریباً دس لاکھ یاتری یہاں اشنان کے لیے آتے ہیں۔ نیز شہنشاہ اورنگزیب عالمگیر کی تعمیر کردہ مسجد اسلامی دور کی بہترین یادگار ہے۔شاکرؔ)

کافی عرصہ تک اس نے حکومت کی ۔کڈ فائیس ثانی کی سلطنت ایک طرف تو چین سے اور دوسری طرف روم اور خراسان کی سلطنتوں سے ٹکر کھاتی تھی ۔اس کی اولاد نہیں تھی اس لئے اس نے اپنے چچا زاد بھائی وجھیشک کے بیٹے کنشک کو اپنا متبنّٰی (منہ بولا بیٹا) بنا کر جانشین مقرر کیا۔

کنشک گرجی

120ء میں کڈ فائیس ثانی کے فوت ہونے کے بعد کنشک سریر آرائے تخت ہو کر حکومت کرنے لگا۔مؤرّخین کے مطابق یہ کوشان گوجروں کا بڑا زبردست راجہ تھا۔کنشک کی فتوحات نے نہ صرف ہندوستان بلکہ تبت، چین ،منگولیا کے صفحات تاریخ پر اس کا نام زندہ جاوید کر دیا۔

کنشک اپنے آبائی شجاعت ، وسعت سلطنت اور کثرت افواج کی وجہ سے شہنشاہِ چین سے ہمسری کا دعویٰ رکھتا تھا،اور اس کے لئے یہ بات باعث ننگ و عار تھی کہ وہ فتن و کاشعز کی طرح شاہ چین کے آگے سر جھکائے۔ البتہ سیاسی طور پر وہ یہ چاہتا تھا کہ شاہ چین کے ساتھ تعلقات قائم ہو جائیں تو اس کے لئے یہ بڑی کامیابی ہوگی، اس

امید کو پورا کرنے کے لئے اس نے ایک سیاسی چال چلی، اور اپنے سفیر کو بادشاہ چین کے دربار میں بھیجا، اور مؤدبانہ التماس کی کہ اس کو عزت فرزندی سے نوازا جائے، اور اپنی شہزادی کے ساتھ رشتہ تزویج میں منسلک ہونے کا فخر بخشا جائے۔ شاہ چین کو یہ پیغام نہایت ہی ناگوار گزرا، اور اس پیغام کو تلخی سے ٹھکرا دیا۔

اس سے کنشک آگ بگولا ہو گیا، اور اس نے ستر ہزار (70,000) خونخوار آزمودہ کار جوانوں کا ایک لشکر جرّار اپنے آرمی چیف کی سرکردگی میں روانہ کیا کہ وہ درّہ تاشکرغان کے راستے جس کی چوٹی چودہ ہزار (14000) فٹ بلندی پر ہے، چین پر حملہ کرے۔ اس سنگ لاخ سرزمین اور فلک اوج پہاڑوں کا قطع کرنا آسان نہیں تھا۔ سپہ سالار "رشی" ان دشوار گزار پہاڑوں کو عبور تو کر گیا، مگر اس کی فوج اس سفر سے اس قدر تھک ہار گئی کہ ایک قدم بھی ان کے لئے آگے بڑھانا مشکل ہو گیا۔ مسلسل دن رات کے سفر سے ان کے پاؤں کے تلوے چھل گئے، صحت خراب ہو گئی، اور پورا لشکر بے جان ہو گیا تھا۔

شاہ چین کی تازہ دم فوج ان پر اس طرح ٹوٹ پڑی کہ آدھے سے زیادہ لشکر کو موت کے گھاٹ اتار دیا، اور بقیہ نے ہتھیار ڈال دیئے۔ کنشک میں اب یہ طاقت نہیں تھی کہ وہ اور فوج بھیجے، اس لئے مجبوراً اسے شاہ چین کا باج گزار بننا پڑا۔

لیکن جب اس نے کشمیر و ہندوستان کے مقبوضات کو مستحکم کر لیا تو اس داغ ندامت کو مٹانے کے لئے اس نے دوبارہ چین پر حملہ کیا اور نہ صرف چین کی خراج گزاری کا طوق اپنی گردن سے اتار پھینکا، بلکہ چین کی ایک ریاست سے یرغمالی بھی حاصل کئے جن میں ایک شہزادۂ چین بھی تھا۔

کنشک کی وسعت جہان گیری کا ایک ثبوت یہ تھا کہ اس نے پاٹلی پتر کو فتح کیا۔

(پاٹلی پتر، یا پاٹلی پوترا بھارت کا ایک قدیم شہر ہے جو اب پٹنہ کے نام سے مشہور ہے۔ شاکرؔ)

اور دور دراز وادئ کشمیر جنت نظیر کو بھی فتح کیا، اور اپنے قیام کے لئے جا بجا مختلف قسم کی عمارتیں تعمیر کرائیں، اور اپنے نام پر ایک شہر کنش کپور آباد کیا، جو اب ایک گاؤں کی صورت میں کانسپور کے نام سے موجود ہے اس کی پیش قدمی صرف ہندوستان تک محدود نہیں تھی بلکہ دوسرے ممالک پر بھی اس کے سپہ سالار حملہ آور ہوتے تھے۔ اس نے پارتھی قوم کے ایک بادشاہ پر حملہ کر کے اس کو مغلوب کیا۔

کنشک کا دار السلطنت پرشپور "موجودہ پشاور" تھا جہاں اس نے بدھ کی یادگار میں ایک مینار تعمیر کرایا جو عجائبات زمانہ میں شمار ہوتا تھا اور جس کی بلندی 400 فٹ تھی۔ اسی طرح اس نے یہاں ایک عالیشان عمارت تعمیر کرائی جس میں بدھ مذہب کی اعلیٰ تعلیم ہوتی تھی۔ اور وہ خود بدھ مذہب کے فرقہ مہایاں کا معتقد تھا۔

کہتے ہیں کہ سیب اور ناشپاتی کا رواج ہندوستان میں انہی کوشان گوجروں کی بدولت ہوا۔ مہاراجہ کنشک نے بدھ مذہب کے بہت سے مبلّغ چین بھیجے تھے جنھوں نے لاکھوں چینیوں کو اپنے مذہب میں داخل کیا۔

موشک یا واسشک

کنشک کے بعد اس کا بیٹا موشک نامی تخت وتاج کا وارث بنا اور تقریباً بیس سال تک امور سلطنت احسن طریقے سے چلاتا رہا۔ بعض مؤرّخ کہتے ہیں کہ اس پر کوئی دلیل نہیں ہے کہ واسشک، کنشک کا بیٹا تھا، البتہ کشان قبیلہ سے ایک بادشاہ تھا۔ اس بادشاہ کے نام کا کوئی سکّہ نہیں ملا، اور تاریخ میں بھی اس کے حالات مذکور نہیں ہیں، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ایک خاموش و گوشہ نشین بادشاہ تھا۔

ہوشک

ہوشک بھی بڑا زبردست بادشاہ تھا، کشمیر، کابل اور متھرا اس کی سلطنت کے جزو اعظم تھے۔

(متھرا یا متھورا (Mathura) شمالی ہند کی ریاست اتر پردیش کا ایک شہر ہے۔ یہ شہر آگرہ سے تقریباً 50 کلومیٹر شمال اور دہلی سے 145 کلومیٹر جنوب مشرق میں واقع ہے۔ شاکرؔ)

ہوشک بھی بدھ مذہب کا دلدادہ تھا۔ متھرا میں اس نے ایک عالیشان خانقاہ تعمیر کرائی، جو بہت مدّت تک اس کی عظمت وشوکت کا نشان رہی۔ اسی طرح اس نے کشمیر میں اپنے نام پر ایک شہر ہشک پور آباد کیا، جو بارہ مولا کے قریب ہے، اور عرصہ دراز تک مشہور ومعروف رہا ہے۔ اس زمانہ میں ہشک پور ایک گاؤں کی صورت میں موجود ہے جس کو اشک پور کہتے ہیں۔ اس بادشاہ کے بہت سکّے ملتے ہیں، سونے کے سکّوں پر اس کی تصویر بھی ہے۔

اس کی وفات کے بعد اس کی جگہ پر وسدائیو تخت نشین ہوا۔

وسدائیو گُرجی

کوشان گوجروں نے اگر چہ بدھ مذہب قبول کر لیا تھا لیکن گوشت خوری کی قدیم عادت ابھی انہوں نے

نہیں چھوڑی تھی ، اور نہ ہی اس عادت کو چھوڑنے پر وہ آمادہ تھے۔ اس لئے بدھ مذہب کے لوگوں نے وسدائیو کی حکومت کے خلاف عام بغاوت اور شورش بر پا کردی جس کے نتیجے میں کوشان گوجروں کی سلطنت پر بالکل زوال آ گیا، تمام صوبے باغی وخودمختار ہو گئے سلطنت سمٹ کر اور کمزور ہو کر رہ گئی۔کوشاں گوجروں کا قومی شیرازہ بھی منتشر ہو گیا۔

بُدھ مت

(بُدھ مت ایک مذہب اور فلسفہ ہے جو مختلف روایات،عقائد اور طرزِ عمل کو محیط کیا ہوا ہے،جس کی زیادہ تر تعلیمات کی بنیاد سدھارتھ گوتم کی طرف منسوب ہیں، عام طور پر بدھ (سنسکرت"ایک جاگت") کے نام سے بھی جانا جاتا ہے۔ بُدھ مت کے ماننے والوں کو بُدھ کہتے ہیں۔ دنیا کے بڑے مذاہب میں سے ایک مذہب بودھ مت بھی ہے۔ بدھا کچھ چوتھی سے پانچویں صدی قبل مسیح کے درمیان میں شمال مشرقی برصغیر میں رہتے تھے اور تعلیمات دیتے تھے۔ انہیں بودھ مت لوگ"ایک جاگت" یا"روشن خیال ٹیچر" کے نام سے مانتے ہیں۔ انھوں نے حیات احساسی کو مشکلات سے نجات حاصل کرنا،نروان کو حاصل کرنا اور تکلیف اور دوسرے جنموں کی مشکلات سے بچنا سکھایا۔

بودھ مت پانچ سو سال تک برابر ترقی کرتا رہا اور رفتہ رفتہ ہندوستان کے علاوہ افغانستان، چین، برما، سیام اور مشرقی جزائر میں پھیل گیا۔ گو ایشیا کے ایک بڑے حصہ پر قابض ہو گیا تھا۔ اس کے بعد اس کی ترقی رک گئی اور اس کا زوال شروع ہو گیا۔ ہندوستان میں اس کے پیرؤں کی تعداد دن بدن گھٹی گئی، آخر نویں صدی عیسوی آخر تک ہندوستان میں یہ بالکل ناپید ہو گیا۔

برصغیر میں بودھ مت کے زوال کا اہم سبب برہمنوں کی مخالفت تھی۔ وہ یہ جانتے تھے کہ اس مذہب کی ترقی میں ان کی موت پوشیدہ ہے، اس لیے وہ اسے ہر قیمت پر مٹانا چاہتے تھے۔ چنانچہ ایک طرف گوتم کو شیو کا اوتار تسلیم کر کے اس مذہب کی انفرادیت ختم کرنے کی کوشش کی اور دوسری طرف لوگوں کو تشدد پر اکسایا۔ کمارل بھٹ اور شنکر اچاریہ جیسے پرجوش ہندو مبلغین نے باضابطہ بدھوں کے خلاف مہم چلائی اور اپنی تقریروں سے لوگوں کے دلوں میں اس کے خلاف نفرت اور دشمنی کا جذبہ پیدا کیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اس کے خلاف اکثر مقامات پر بلوے ہوئے اور بڑی بے دردی سے بودھوں کا قتل عام کیا گیا۔ بلا آخر بودھ مت اس سرزمین سے ناپید کر دیا گیا۔شاکرؔ)

چوہان گوجر

داستان شوکت پیشینیان را باز گفت
مردگانِ قوم راجانِ دگر درتن ومید

نسب نامہ چوہان خاندان

سکندرِ اعظم، شہزادہ اسکندروس عرف شہزادہ گُرجی، کوشائیس، پنگوریس، ونگولئیس، پاماوئیس، والوئیس، چنگ دئیس، اینگ نئیس، کڈ فائیس اوّل، ہوئیئیس، وجہیشک، کنشک، واسدیو، انہل دیو عرف اگنی پال، پلستائن عرف پُلست پال، سواجا عرف سواج پال، بہو پال، ملان دیو، گلشن شور، امر پال، اجے پال، چکوہ، سودت پال، رے پال، انتی پال، دِند پال، بین پال، ناہر دئیو، دولہ رائے، مانک رائے، لچھمن رائے، لوپت پال، بگرہ پال، مہیند روئیو، سری انہولا، سری پال، جیت راج، پرتھی پال، ہرس راج، جگن دئیو، بیر بیلن دئیو عرف دھرم گج، بسیل دئیو عرف بسال دئیو، سارنگ دئیو، آنو راج عرف آنا، جے پال، اجے دئیو، آنند دئیو، سومیشور، پرتھی راج، رین سی۔

(تاریخ گوجراں، ص ۳۴۰)

انہل دیو گُرجی

واسدائیو کی وفات کے بعد اس کی جگہ اس کا لائق اور بہادر بیٹا انہل دیو سریر آرائے تخت ہوا، جس نے بدھ مذہب کے لوگوں کو تباہ و برباد کرنے اور سلطنت کو مضبوط اور مستحکم بنانے کے لئے سب سے پہلے قوم گُوجر کے تمام پراگندہ خاندانوں کی تنظیم شروع کی۔ اور پھر اپنی قوم سے بعض خاندانوں کو ساتھ لے کر ہندو مذہب اختیار کر کے برہمنوں سے بھی مدد لی اور بدھ مذہب کے لوگوں کو جو کہ ہندو مذہب اور برہمنوں کے بھی دشمن تھے تباہ و برباد کرنا شروع کیا۔ اور یہاں سے پھر چوہان گُوجروں کی ابتداء ہوتی ہے۔

ہندو مذہب کو زوال کے بعد دوبارہ عروج

ہندو مذہب کے زوال کا باعث اصل میں بدھ مذہب تھا جس نے کہ ہندو مذاہب کے تمام سیاسی و مذہبی امور پر قبضہ کر کے اُس کی جگہ لے لی تھی۔

بدھ مذہب کے پیروکار برہمنوں کی مقدس کتابوں، ویدوں کو پاؤں میں روندتے تھے جس کی وجہ سے برہمن لوگ اس مذہب کے سخت دشمن ہو گئے تھے۔ اور اس انتظار میں تھے کہ ہندو مذہب کا کوئی ایسا حامی و مددگار پیدا ہو جو کہ بدھ مذہب کا ہندوستان سے استیصال کر کے ہندو مذہب کو عروج و ترقی دے کر لوگوں کے دلوں میں دوبارہ اس مذہب کی عزت وعظمت کو قائم کرے، لیکن خود ہندو مذہب کے پیروں میں کوئی ایسا مددگار نہیں تھا جو اس کام کو سرانجام دے سکتا اس لئے باامر مجبوری یہ بے بس تھے۔

آخر کار اللہ نے ان کی مدد کے لئے گوجروں میں سے انہل دئیو کو پیدا کیا جس نے کہ اس کام کو سرانجام دے کر برہمنوں کی مدد کی۔

جس کی تفصیل یہ ہے کہ جب بادشاہ انہل دئیو نے برہمنوں کو بدھ مت کے خلاف سیاسی اتحاد کی دعوت دی تو انہوں نے انہل دئیو کی دعوتِ اتحاد کو اس شرط پر قبول کرنے کا وعدہ کیا کہ جب تک تم اور تمہاری قوم ہمارا مذہب اختیار نہیں کر لیتے ہم تمہارے ساتھ سیاسی اتحاد نہیں کر سکتے، اور نہ ہی تم کو کسی قسم کی مدد دے سکتے ہیں۔ سیاسی اتحاد کے ساتھ ہمارا مذہبی اتحاد کا ہونا بھی ضروری ہے۔

انہل دئیو کو بامر مجبوری سلطنت کی حفاظت اور بدھ مذہب کو کچلنے کے لئے برہمنوں کی یہ تمام شرطیں قبول کرنی پڑیں۔ جس کے ساتھ ہی شاہی حکمت عملی کو پورا کامیاب بنانے کے لئے اس کی قوم کے بارہ چھوٹے سرداروں نے بھی آبائی مذہب کو ترک کرنے پر آمادگی ظاہر کی۔

(تاریخ گوجراں۔ ص۳۲۰)

گوجروں کو ہندو بنائے جانے کی رسم

اس کے بعد ان گوجروں کو ہمراہ لے کر تمام برہمن کوہ آبو (آبو پہاڑ، ماؤنٹ آبو (Mount Abu) بھارت کا ایک پہاڑ جو سروہی ضلع میں واقع ہے۔) پر گئے اور گوجروں کو ہندو بنانے کے لئے وہاں ایک مذہبی

کانفرنس منعقد کی ،جس میں گوجروں کے چاروں خاندانوں کے آدمی یعنی خاندان کوشان، خاندانِ اشکانی، خاندانِ ساکا ،اور خاندان تاک ، کے تمام امرا وسردار شامل ہوئے ۔

ان کے علاوہ اہل ہنود کے بھی تمام معزز روٴسا وشرفا ،شریک جلسہ ہوئے ،جس کے بعد برہمنوں نے اسی جگہ اوّل اگنی کنڈ کو گنگا کے پانی سے پاک کیا ، اور پھر پوجا پاٹ شروع کی ، اور سیجون منتر پڑھ کر تمام گوجروں کے سر مونڈ کر ان کے سروں پر چوٹیاں رکھیں ، پھر ان کے گلے میں جنیو پہنا کر اور برہمنی مذہب کے اصول تلقین کر کے ان سب کو ہندو بنا دیا گیا ۔ یہ ہے تبدیلی مذہب کی ساری حقیقت ۔

اگنی کل خاندانوں کی پیدائیش کے بارے میں افسانہ

اس کے علاوہ اگنی کل کے خاندان کے بارے میں جو کچھ مشہور ہے ،اورانہیں سب سے بڑا اور افضل ثابت کیا جاتا ہے ،اور وجہ فضیلت یہ بتائی جاتی ہے کہ اور خاندان تو عورتوں سے پیدا ہوئے ،لیکن اگنی کل والوں کو برہمنوں نے یگیہ (یعنی قربانی) کے ذریعہ پیدا کیا تھا۔

چنانچہ ہندو پورانوں میں اگنی کل راجپوتوں کی پیدائیش کے متعلق اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ جب چھتری راجپوتوں کی بد اعمالی ،تشدداور بے دینی کی وجہ سے شاستر یعنی دین ہنود کی متبرک کتابیں قدموں کے نیچے پائمال ہونے لگیں تو برہمنوں کو بہت تکلیف محسوس ہوئی ۔ کیونکہ ان کی حفاظت کرنے والا اب کوئی نہیں رہا تھا ۔تب برہموں نے بھگوان اَرد گر دیعنی مرشد جنگ آموز" بسوامتر" کے پاس جا کر التجا کی کہ چھتریوں کو پھر از سرنو پیدا کیا جائے ۔ بسوامتر نے ان کی اس درخواست کو منظور کر کے دعاء کی ۔

(چھتری یا کھشتری ،روایتی ہندومت کے ذات پات کے نظام کا حصہ ہے۔ یہ تاریخی طور پر اس طبقے کے لوگوں کی پہچان جنگجوؤں یا حکمرانوں سے ہوتی تھی ۔ یہ لوگ نظام حکومت کی باگ ڈور اپنے ہاتھ میں سنبھالے ہوئے تھے ۔ اکثر ہندو حکمران کھشتری تھے ۔ یہ لوگ شادی بیاہ اپنی ہی ذات کے ارکان میں کرتے تھے، اگر چہ کہ حکمران کی حرم میں اور ذات کی عورتوں میں ممکنہ طور پر ہوا کرتی تھیں ۔فوج بھی عموماً کھشتر یوں پر مشتمل تھی ۔کھشتری کی تانیث کھشترانی ہے ۔کھشترانیوں کا کام اپنے شوہروں کو ہمت دلانا اور میدان جنگ کے لیے انھیں ابھارنا تھا ۔ وقت آنے پر کھشترانیاں خوشی سے اپنی جان کی قربانی دیا کرتی تھیں ۔)

اور بد دعاء کے چار بڑے دیوتاؤں "اندر، برہما، رودر، اور بش" کو اور دیگر کم درجہ کے دیوتاؤں کو بھی ساتھ لے کر کوہ آبو پر آئے، اور اگنی کنڈ (یعنی آگ کے چشمہ) کو گنگا جل سے پاک کیا گیا۔ اور پوجا پاٹ کی گئی۔

پرمار کی پیدائیش

اور اس کے بعد "اندر دیوتا" کی طرف متوجہ ہو کر اس سے درخواست کی گئی کہ وہ یگیہ یعنی پیدائیش کا آغاز کرے۔ اور پھر گھاس کی ایک پُتلی بنا کر اس پر آب حیات چھڑک کر اگنی کنڈ میں ڈالی۔ اور پھر اس پر سنجیون منتر پڑھا تو اس کی برکت سے آگ کا ایک شعلہ انسانی صورت میں کنڈ سے آہستہ آہستہ ہاتھ میں" سانگ" یعنی نیزہ لئے ہوئے، اور مار مار کہتا ہوا باہر نکلا اس لئے اس کا اور اس کی اولاد کا نام" پرمار" رکھا گیا اور اس کو" آبو دہار اور اوجین کے علاقے دے دئے گئے۔

چالک عرف سولنکی کی پیدائیش

اس کے بعد پھر برہما دیوتا سے کہا گیا کہ آپ بھی اپنی آگ میں سے ایک آدمی پیدا کریں، تو اس نے بھی ایک مورتی بنا کر ہون کنڈ میں ڈالی۔ جس سے ایک اور آدمی نمودار ہوا، جس کے ایک ہاتھ میں تلوار اور دوسرے ہاتھ میں بید تھا، اور گلے میں جینو پہنے ہوئے تھا باہر آیا، تو اُس کو چالک عرف سولنکی کا خطاب دیا گیا، اور پھر اس کی سکونت اور حکمرانی کے لئے اُسے انہلواڑ پٹن کا علاقہ دے دیا گیا۔

پریہار کی پیدائیش

پھر اسی طرح تیسرے دیوتا" رودر" سے کہا گیا اور اس نے بھی ایک مورت بنا کر اس پر پانی چھڑکا، اور اس پر منتر پڑھ کر اسے ہون کنڈ میں رکھا تو اس سے ایک سیاہ فام، بدشکل آدمی ہاتھ میں تیر و کمان لئے ہوئے باہر نکلا۔ جب اسے سرکشوں کے مقابلے کے لئے بھیجا گیا تو اس کے پاؤں لڑکھڑا گئے۔ اس لئے اس کا نام پریہار رکھا گیا، اور اس کو دربان بنا کر نونانگل، یعنی جنگل کی نو آبادیوں پر اختیار دیا گیا۔

چتر بھوجا چوہان کی پیدائیش

پھر چوتھے دیوتا" بشن جی" سے درخواست کی گئی کہ آپ بھی اپنی اگنی سے ایک آدمی پیدا کریں، دیوتا بشن جی نے بھی ایک مورتی بنا کر اور اس پر منتر پڑھ کر ھون کنڈ میں ڈالی، اور پھر ہون کنڈ کی آگ سے بڑے طمطراق

سے چھلانگیں مارتا، ہتھیار تولتا ہوا ایک شخص اس طرح ظاہر ہوا کہ اس کے چار ہاتھ تھے، اور چاروں ہاتھوں میں مختلف ہتھیار تھے۔

اس لئے اس کا نام چتر بہو جا چوہان رکھا گیا۔ دیوتاؤں نے اس کی ترقی عمر اور اقبال مندی کی بہت دعائیں دیں۔، اور پھر اس کو مکاوتی نگر عرف گور منڈل کی حکومت عطا کی۔ یہ ساری کاروائی دیتیوں کی آنکھوں کے سامنے ہوئی۔

آخر جب پیدائیش کا کام ختم ہو گیا تو ان چاروں بہادر جنگ جوؤں کو دشمن دیتیوں کے مقابلے کے لئے بھیجا گیا، اور بڑی خونریز لڑائی ہوئی۔ دیتیوں کے خون میں سے نئے دیئت پیدا ہونے لگے۔ تب ان نو پیدائیش جنگی بہادروں نے دیتیوں کا خون پینا شروع کر دیا، اور ایک قطرہ بھی زمین پر نہ گرنے دیا، اس طرح سارے دیئت ختم ہو گئے۔

دیوتاؤں کو بڑی خوشی ہوئی، آسمان سے امرت برسا، اور پھولوں کی بارش ہوئی۔ خوشی سے جوش میں آکر سارے دیوتا اپنی سواریوں پر سوار ہو کر آسمان کے اُفق پر سواریاں دوڑانے لگے۔

یہ وہ افسانہ ہے جسے عقل انسانی تسلیم کرنے کو تیار نہیں ہے۔ یہ ان کے شاعرانہ تخیّلات کا نتیجہ ہے جو ایک افسانہ سے زیادہ وقعت نہیں رکھتا۔ آگ سے بہادروں کا پیدا ہونا، قانون قدرت کے خلاف ہے، ایسے ہی خون کے قطروں سے انسانوں کا پیدا ہونا، اور دیوتاؤں کا ہوائی جہاز پر سوار ہو کر آسمان کے افق پر دوڑانا اس قصّہ کے غلط ہونے کی دلیل ہے۔

ہاں ایسا ممکن ہو سکتا ہے کہ انہوں نے کوہ آبو کے درختوں میں چار جوانوں کو مختلف ہتھیار دے کر چھپا دیا ہو اور دعاؤں میں خاص الفاظ کے اشارات سے وہ قربان گاہ کے شعلوں میں سے باری باری اچھلتے کودتے نکلتے ہوں گے۔

اس لئے کہ اکثر شعبدہ باز لوگ ایسا کرتے ہیں، وہ آگ کے شعلوں سے صحیح و سالم نکل آتے ہیں، اور اتنی عجلت میں آگ سے انہیں کوئی گزند نہیں پہنچتا۔ اسی طرح بعض آگ کے انگاروں پر چلتے ہیں اور لوگوں کو اپنے پیچھے چلاتے ہیں، ممکن ہے کہ اس شعبدہ سے ان کے دشمن ڈر گئے ہوں۔

نسب ناموں کی تبدیلی

مختصر یہ کہ ان چاروں کا تعلق وسط ایشیاء کی جنگ جو قوم گر.جی سے تھا اور یہ چاروں گوجروں کی گوت ہیں، پر ہار، چوہان، پرمار، اور سولنگی، اس لئے یہ گوجر ہیں۔ برہمنوں نے اس طبقے کے لوگوں کو اپنے عقیدے کے مطابق کہ آگ پاک کرنے والی چیز ہے، آگ کے ذریعہ سے ان چاروں کو پاک کر کے اور آگ سے گزار کر اپنے مذہب میں داخل کرنے کے بعد ان کے نسب ناموں کو بھی اسی طرح شری رام چندر جی، اور کرشن جی مہاراج کے نسب سے ملا کر ان کو عزت دی، جس طرح کہ راجپوت اور "بڑ گوجر" کا خطاب انہوں نے ان گوجروں کو دیا تھا جو پہلے ان کے ساتھ شریک ہوئے تھے جس کا ذکر میں پہلے کر چکا ہوں۔ چنانچہ تبدیلی مذہب کے بعد ان کے اصل ناموں اور لقبوں کو تبدیل کر کے ان کو جدید ناموں اور لقبوں سے ملقب کیا گیا۔

چنانچہ کوشاں، گُوجروں کو چوہان، تاک گُوجروں کو پر بہار، اور اشکانی گُوجروں کو چلوک یا سولنکھی، اور ساکا گُوجروں کو پرمار کے لقب سے ملقب کیا گیا۔ اور انہل دیئو کا نام بجائے انہل دیئو کے اگنی پال رکھا گیا۔

حقیقت میں یہ چاروں شاخیں شہزادہ اسکندروس گُر.جی کی ہی اولاد ہیں، اور اصل بہادر گوجر ہیں مگر تبدیلی مذہب کے بعد چوہان گُوجروں کو شری رام چندر جی کے اولاد میں چتر بھیج کے بیٹوں میں ظاہر کیا گیا جس کا اس نسب نامہ سے پتہ چلتا ہے جس کا ذکر تاریخ گر جر میں کیا گیا ہے۔ جس کی مختصر تفصیل یوں ہے۔

شجرہ خاندان چوہان

مہاراجہ اکشواکو

اس کے دو بیٹے تھے (1) حضرت دشرت " پیغمبر آریہ ورت" ان کی اولاد " گھوکل" کہلائی۔

(2) حضرت رام چندر جی۔ جو شری رام چندر جی کہلاتے ہیں۔ ان کے پھر دو بیٹے تھے۔

(1) شری رام چندر جی

(1) حضرت لو۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔(2) مہاراجہ کُش (کرشن جی)

حضرت کُش کا اصل نام کرشن ہے۔ ان کی اولاد کا گوت کُشان ہوا۔ اور اس کے بعد کی اکانوے (91)

پشتوں کے بعد بانویں پشت (یعنی 92 پیڑی) میں جو شخصیت تھی اس کا نام کور تھا۔

(92) کور

اور پھر ایک سو ایک (101) ویں پشت میں " مہاراجہ بھرت دوم " نام کی شخصیت تھی جن کے نام پر تمام ملک کا نام بھارت پڑا تھا۔ ورنہ عام طور پر اس ملک کو افغانستان سے لے کر بنگال تک ہمیشہ آریہ ورت کہا گیا۔

ایک سو نویں پشت میں (109) چتر بھج تھے

اور پھر چتر بھج کے تین بیٹے تھے،

دھرت راشٹر، یا کورود پانڈو، اور الیان

(1) کوروؤں میں راجہ کرن کی اولاد کا گوت کرنہ، یا کرانہ ہے۔ اس کی اولاد نے گُوجر لقب اختیار کر کے گجرات میں علاقہ کرنال کو آباد کیا۔ (2) پانڈو کی اولاد قدیم گوت کُشان سے منسوب ہے،

(110) الیان

راجہ الیان کی نسل میں پھر (111) پیڑھی میں رائے مپّا۔

(112) کیرتی رائے

(113) بھیم رائے

(114) ترلوک رائے

(115) دیورائے

(116) نرپتی رائے

(117) جھج رائے

(118) مکندرائے

(119) تیرتھ رائے

(120) بکرم رائے

(121) پرتاپ رائے

(122) مل رائے

(123) گیان رائے

(124) راجہ چاہیا رائے

راجہ چاہیا رائے

راجہ چاہیا رائے کے بارے میں تاریخ گُرجر کے مؤلف لکھتے ہیں کہ وہ تاریخ میں اتنا مشہور و معروف راجہ گزرا ہے کہ اس سے پہلے یہ خاندان چتر بھج کہلاتا تھا لیکن آئندہ خاندان چتر بھج تاریخ میں اسی راجہ کے نام سے چاہیامان یا چاہان، یا چوہو مان، کہلانے لگا۔اور آج یہی لفظ عرف عام میں چوہان کی شکل میں موجود ہے۔راجہ چاہیا رائے نے اپنی سلطنت کو دریائے نربدا تک وسعت دے دی تھی، اور مکاوَتی نگر کو آباد کیا تھا۔ چاہمان اور چوہان ایک ہی لفظ اور ایک ہی خاندان ہے ملاحظہ ہو:

ٹاڈ راجستھان ، صفحہ ۲۱۹، گلوری دیٹ، گرجر دیش، از کے.ایم. منشی.گرجر اتہاس ، تاریخ شاہانِ گوجر، ص ۴۸۴۔ (تاریخ گرجر، ج۱،ص ۵۷،ج۵،ص۵۱۱)

تاریخ گرجر کے مؤلف کی اس عبارت سے ہمارے اس دعویٰ کی تائید ہو جاتی ہے کہ راجہ چاہیا رائے نے اپنی سلطنت کو دریائے نربدا تک وسعت دے دی تھی، اور مکاوَتی نگر کو آباد کیا تھا۔جبکہ مکاوتی نگر کو آباد کرنے والے انہل دیو تھے جن کا نیا نام تبدیلی مذہب کے بعد اگنی پال رکھا گیا تھا۔تو اس سے معلوم ہوا کہ راجہ انہل دیو اور راجہ چاہیا رائے ایک ہی شخصیت ہے۔جو شہزادہ اسکندروس گُرجی کی ہی اولاد میں سے ہے۔

راجہ چاہیا رائے کے بعد کا شجرۂ نسب ہم آگے جا کر بیان کریں گے انشاء اللہ

آمدم برسر مطلب

چونکہ گُوجر خاندانوں میں سب سے پہلے کوشاں گُوجروں نے براہمنی مذہب اختیار کرنے میں سبقت کی تھی اور اس تحریک تبدیلی مذہب کے اصل محرّک بھی وہی تھے، اس لئے برہمنوں نے اس خاندان کے گُوجروں کو باقی تینوں خاندانوں پر فوقیت دے کر ان کا نام چوہان گُوجر رکھا۔

چوہان کا معنیٰ

چوہان کا معنیٰ چار ہاتھ کا تلوار، یا بہادر (چتر بجھ، یا چتر باھو بیر)۔

اس کاروائی کے بعد برہمنوں نے پھر انہل دیوجن کا نیا نام اگنی پال رکھا گیا تھا ان کی سرکردگی میں ان چاروں خاندانوں کے بہادر سرداروں کو فوج دے کر چار جگہوں پر بدھ مذہب کے لوگوں سے لڑنے کے لئے بھیجا۔ چوہان خاندان کو گورمنڈل یعنی مکاوتی نگر کی تسخیر کے لئے روانہ کیا۔

مختصراً یہ کہ نئے مذہب کے جوش میں ان نئے ہندوؤں نے بدھ مذہب کے پیروکاروں کو تباہ کر کے ہندو مذہب کی حمایت وحفاظت کا پورا ثبوت دیا۔اور ان چاروں خاندانوں نے اُن علاقہ جات کو فتح کر کے وہاں اپنی حکومتیں وریاستیں قائم کیں۔

چوہان گوجروں کا جدید دار الحکومت (مکاوتی نگر)

پہلے پہل انہل دیو (اگنی پال) نے گورمنڈل کے ویران شہر کو تعمیر وآباد کر کے اس کا جدید نام مکاوتی نگر رکھا۔ پھر اس شہر کو اپنا دار الخلافہ قرار دے کر حکومت کرنے لگا۔ اس کے بعد پھر اُس نے کوکن، اسیر اور گولکنڈہ کو بھی فتح کر کے اپنے قلمرو میں شامل کیا۔اس کی حکومت کوہِ آبو تک تھی اور اس کے لشکر کے لئے 900 ہاتھی صرف پانی کی پکھالیں لانے والے تھے۔" خاندانِ چاہمان (چوہان) کے راجگان آئندہ چار سو سال تک مکاوتی نگر کے حکمران رہے۔"

(تاریخ گوجر حصہ اوّل، ص۶)

چوہان خاندان کے بارے میں مورّخ سترابون کی تحقیق

مفتی عبدالغنی الازہری الشاشی قدیم تاریخ گجر میں لکھتے ہیں کہ، چوہان قبیلہ کو مورّخ سترابون نے چان کے نام سے ذکر کیا ہے، اور ان کو قدیم کیمر وارمن قبائل میں شمار کیا ہے۔ خانوں، توائی، بلعوقہ اور چان تینوں قبیلوں کو ایک ہی بتلایا ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

وذکرھا فی رحلته "الجون" الذی ذکرنا من الاضداد جبل، وقیل حصن بالیمامة من

ابناء طسم وجديس ابناء كاثر۔

چوہان کو قدیم عربی مورّخین نے جون اور جیوین کے نام سے ذکر کیا ہے، اور جیوین قبیلہ کے لوگ طسم اور جدیس کی اولاد بیان کئے گئے ہیں، اور طسم وجدیس،" کاثر" کی اولاد ہیں، جس کی طرف گجر قوم منسوب ہے۔

کاثر قوم کا تورات میں گہیسر اور یونانی مورّخین نے جزر کے نام سے ذکر کیا ہے۔

مورّخ موسیو سیدیو فرانسیسی نے عرب قبائل عاربہ کی اصل یہ قبیلے بتائے ہیں۔ عاد (اجداد گوتانیہ قبیلہ) عبیل، عبد، ثمود، جدیس، طسم، عمالقہ، امیم قبیلہ، ابیر، جرہم، حضرموت، حضورا، سلف۔

سب سے پہلے عاد کی حکومت ہوئی، انہوں نے یمن اور عمان میں اپنی حکومتیں قائم کی تھیں۔ آخر کار اس قوم کو یعرب بن قحطان نے ملک بدر کردیا۔ اس کے بعد یہ قوم مکّہ اور مدینہ کے درمیان آکر آباد ہو گئے۔ جہاں عبیل قبیلہ کے لوگ بھی آباد تھے، لیکن کچھ مدت کے بعد ایک سیلاب آیا۔ جس نے انہیں تباہ اور منتشر کردیا۔

اور عبد جو کہ ضخم کی اولاد میں سے تھے ان کا مسکن طائف تھا۔ عربی تحریر کا طریقہ سب سے پہلے انہوں نے ہی ایجاد کیا ہے۔

ثمود بن کاثر بن ارم، یا ثمود بن کاثر بن سام کا مسکن حضر اور وادی قریٰ، اور شام کے درمیان تھا۔ کہتے ہیں کہ ان کی عمریں بڑی لمبی لمبی ہوتی تھیں۔

عمالق جن کو اکسوس یا شاسو یعنی چچی کہا گیا ہے نے مصر پر حکمرانی کی تھی۔ اور یہ سرزمین حجاز اور نجد میں بھی رہتے تھے۔ بنی وبار امیم بن علیم، بن سام کی اولاد ہیں۔ اور گُوجروں کو انہوں نے منظّم کیا، اور ان ہی کے نام سے گجر سب سے اوّل ایبر یا قبائل کے نام سے مشہور ہوئے، اور یہی بارو قبیلہ کی اصل ہیں۔

ایبر قبائل کا پہلا زبردست بادشاہ جزیمہ ابرش ہوا ہے، جس نے عاربہ اولیٰ کو منظّم کیا، لیکن اس دوران میں اس کو اپنے ہم قوم قبائل طسم اور جدیس سے بھی جنگ کرنی پڑی جن کی اولاد چوان (چوہان) قبیلہ ہے۔

جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں کہ غاثر کی اولاد طسم اور جدیس ہیں، اور ان کی اولاد جیوین ہیں جو جبھی طسم اور جدیس کے بعد جزیرہ عرب میں حکمران تھے۔ جن کا ذکر عربی ادب میں بھی کیا گیا ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ عرب شعراء جوان اور جیوین (چوان) قبیلہ سے ناواقف نہ تھے۔ اور دوسری یادگار جوان ایک قلعہ ہے۔

یمامہ میں مکّہ اور طائف کے درمیان بھی جونہ ایک گاؤں کی صورت میں اس قبیلہ کی یادگار موجود ہے۔

جب جذیمہ ابرش نے یمن اور حجاز سے ان کو شام کی طرف دھکیل دیا تو طرابلس کے قریب جونیہ ریاست کی بنیاد رکھی گئی۔ اس کے بعد وہاں سے یہ عراق اور جنوبی کوہ قاف کی طرف پھیل گئے۔ سکندر رومی کے حملہ کے وقت تک یہ حکومت قائم رہی۔

320ء قبل مسیح میں یونانیوں اور بارتیوں (بارو) کی جنگ کے وقت اس قبیلہ کی ایک خودمختیار ریاست تھی جب شاپور نے افغانستان پر قبضہ کیا تو اس چوہان قبیلہ کے لوگ غزنی میں آباد ہو گئے۔

جوان قبیلہ کیدار کے ساتھ جنگ میں شاپور کا حامی تھا جس کی وجہ سے باختر افغانی چوہانوں کے قبضہ میں آ گیا، اور اسی دور میں ان قبیلوں کے لوگ شمالی ہند میں داخل ہونا شروع ہو گئے۔۔۔ واللہ اعلم

(قدیم تاریخ گجر، مفتی عبدالغنی الازہری الشاشی، ص۴۵،۴۶)

چوہانوں کے آثارِ قدیمہ

خاندانِ چوہان کے راجگان کو تعمیرات کا بے حد شوق تھا، انہوں نے گولکنڈہ کے پہاڑوں میں مندر اور خانقاہیں بنوائیں۔ نہم کنڈہ اور دیول ہزار ستون تعمیر کرایا، یکنگ دل کے مقام پر ایک مضبوط قلعہ ان کی یادگار ہے۔ کیرل موجدہ کیرالہ میں کلیانی کے مقام پر مندر، درسگاہیں اور سرائے وغیرہ تعمیر کرائیں، جہاں دور دُور سے لوگ آ کر تعلیم حاصل کرتے تھے۔

(تاریخ گرجر حصہ اوّل، ص۷۶)

راجہ سواج پال

اُنہل دیئو (اگنی پال) کی وفات کے بعد سواج پال المعروف بہ سواجا رائے سریر آرائے تخت ہوا اور حکومت کرنے لگا۔ اس راجہ نے بھی بہت سے جدید علاقے فتح کر کے اپنی سلطنت میں شامل کئے، اور ملک کو وسعت دی، اور تمام رعایا کو عدل و انصاف اور بذل وعطا سے خوش کیا۔ اور بخیر وعافیت حکمرانی کرنے کے بعد راہی ملک جاودانی ہوا۔

راجہ ملان دئیورائے

سواج پال کی وفات کے بعد ملان دئیو سریر آرائے تخت ہوکر حکومت کرنے لگا۔اُس نے مکاونتی نگر میں عمارات تعمیر کیں، ملک میں آب پاشی کے لئے تالاب اور نہریں کھدوائیں۔مندروں کے نام جاگیریں دیں، اور برہمنوں کی قدرومنزلت میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا۔اس کی نسل سے ایک الگ گوت قوم ملانی عالم وجود میں آئی۔

راجہ گلشن شور

ملان دئیو کی وفات کے بعد گلشن شور سریر آرائے تخت ہوکر حکومت کرنے لگا یہ راجہ بڑا مدبّر اور منتظم تھا، اس کا عہد حکومت بھی بہت بابرکت تھا۔ملک میں ہر طرف امن وامان تھا،رعایا خوشحال اور فارغ البال تھی، ملک میں کسی قسم کا فتنہ وفساد نہیں تھا۔اس کے عہد میں بھی چوہان گُوجروں کی فتوحات کا سلسلہ برابر جاری رہا،اور دیگر ممالک کو فتح کر کے اپنی سلطنت میں شامل کرتے رہے۔اوران کی حکومت کو وہی عروج حاصل ہوگیا جو زمانہ سابق میں تھا۔

راجہ بھوپال رائے

گلشن شور کے بعد بھوپال رائے سریر آرائے تخت ہوکر حکومت کرنے لگا۔اس راجہ نے بھی رعایا کی بہبودگی کی طرف خاص دھیان دیا۔آب پاشی کے لئے نئے تالاب اور جھیلیں بنوائیں جن میں پانی جمع کر کے دور دور تک کھیتوں کو سیراب کیا جاتا تھا۔شہر بھوپال اور بھوپال کی مشہور جھیل اسی راجہ کی بنائی ہوئی ہے۔اس جھیل کو مابعد زمانہ میں بیرونی حملہ آور مسلمانوں نے پانی کاٹ کر خشک کر دیا۔اور انگریزوں نے اس کے درمیان سے ریلوے لائن نکال دی۔آج کل اس جھیل میں چند دیہات آباد ہیں۔

(تاریخ گر جر ص ۹۸،ج۱)

راجہ سوسین رائے

بھوپال رائے کے بعد سورسین رائے سریر آرائے تخت ہوکر حکومت کرنے لگا۔اس کے زمانۂ حکومت میں بھی رعایا نہائت خوشحال تھی، ہر چہار طرف امن وامان کا دور دورہ تھا۔عوام بڑے نیک چلن، پاکباز اور راست باز

تھے۔خود راجہ سورسین پیدل مندر میں عبادت کے لئے جاتا تھا۔

راجہ اجے پال

اس کے بعد اجے پال، یا امر پال سریر آرائے تخت ہو کر حکومت کرنے لگا۔ یہ بھی زبردست راجہ تھا۔ شروع میں اس نے بھی بہت سی فتوحات حاصل کیں، اس نے بندیل کھنڈ سے گزر کر بہار پر حملہ کیا۔لیکن بعد میں چوہان گوجروں کی آپس کی نااتفاقی کی وجہ سے بدامنی پھیل گئی، اور حکومت کے حصّے بخرے ہو گئے۔ ایک خاندان کے کئی خانوادے اور شاخیں بن گئیں، اور چوہان سلطنت کو آپس میں تقسیم کر کے اپنی علٰیحدہ علٰیحدہ حکومتیں قائم کرنی شروع کیں،جس کی وجہ سے اُن کی مرکزی حکومت کمزور ہوگئی۔

جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ 302ء میں پاٹلی پتر کے ایک راجہ نے مکاوتی نگر پر حملہ کر کے اس پر قبضہ کر لیا، اور تمام گوجروں کو وہاں سے نکال کر ان کی حکومت کا خاتمہ کر دیا۔

چوہان گوجروں کی وہ تمام ریاستیں جو اپنے مرکز مکاوتی نگر سے علٰیحدہ ہو کر خود مختار ہوگئی تھیں 320ء میں گپتا حکومت نے ان پر حملہ کر کے یکے بعد دیگرے قبضہ کر لیا اور ان سے بھاری مقدار میں خراج وصول کرنا شروع کر دیا جس کے نتیجے میں یہ تمام ریاستیں کمزور ہو کر تباہ ہوگئیں۔اور چوہانوں نے تھر ریگستان کا رُخ کیا۔

(گپتا سلطنت: گوتم بدھ کے زمانے کے اختتام پر مگدھ میاس خاندان کی حکومت ہوئی جو چندر گپت موریا کے نام سے مشہور ہے 300 سے 600 قبل مسیح تک تین سو برس کے قریب اس کا دور رہا۔مہاراجا شری گپتا (280ء-240ء) سلطنت گپتا کے پہلے شہنشاہ تھے، جن کا تعلق شمالی بھارت سے تھا۔آپ سلطنت گپتا کے بانی بھی تھے۔اس خاندان کے تین بادشاہ بہت مشہور ہوئے ہیں: ایک سمدر گپت اور دوسرا چندر گپت۔سمدر گپت کل شمالی ہند کا راجا تھا اور دکن کے راجا اس کو اپنا مہاراجا ادھراج مانتے تھے۔گپت خاندان کے راجاؤں کا سمت ہی جدا ہے۔ یہ 319ء سے شروع ہوتا ہے۔گپت راجا بدھ مت کے پیرو نہ تھے۔وہ وشنو جی کی پرستش کرتے تھے۔انھوں نے قدیم ہندو دھرم کو فروغ دینے کی بڑی کوشش کی۔

(رادھا کرشنا مکھرجی (1995ء)۔ "اول"۔ سلطنت گپتا۔ موتی لعل بنارسی داس۔ ص 11)

اجمیر کے چوہان

راجہ اجے پال (۳۸۰ء تا ۳۹۰ء)

زوالِ حکومت کے بعد 302ء میں (اور بعض مؤرخین کے مطابق 380ء میں) چوہان گوجروں کے مشہور راجہ اجے پال مکاوتی نگر کو چھوڑ کر اجمیر چلا گیا اور وہاں اس نے ایک ویران زمین میں اپنی رانی تارا دیوی کے نام پر ایک قلعہ بنامِ تارا گڑھ جو چوہانوں کی عظمت وشوکت کی ترجمانی کرتا ہے تعمیر کروایا، جو قلعہ اجمیر کے نام سے بھی مشہور ہے۔ اور اُس کے ساتھ ہی ایک شہر آباد کر کے اس کا نام اپنے نام پر اجمیر رکھا، اُسے اپنا دارالخلافہ قرار دیا، اور اس کے ملحقہ اور گردونواح کے تمام دور دراز علاقوں پر حکومت کرنے لگا۔ یہاں تک کہ چکروتی راجہ کہلایا۔

راجہ اجے پال کے چوبیس (24) بیٹے تھے جن کی اولاد اجمیر اور اس کے تمام گردونواح میں پھیل کر آباد ہو گئی تھی۔ راجہ اجے پال کی اولاد میں سے:

(1) راجہ "سودت پال" نے 390ء تا 410ء تک حکومت کی۔

(2) راجہ "رے پال" نے 410ء تا 430ء تک حکومت کی۔

(3) راجہ "اونتی پال" نے 430ء تا 455ء تک حکومت کی۔

(4) راجہ "بین پال" نے 455ء تا 482ء تک حکومت کی۔

(5) راجہ "گووند پال" نے 482ء تا 500ء تک حکومت کی۔

لیکن یہ تمام راجے اس تمام عرصے میں گپتوں کے باج گزار رہے، اس طویل عرصے میں کوئی خاص کارہائے نمایاں انجام نہ دے سکے، اور نہ ہی اپنے باپ کی سلطنت میں جدید فتوحات کے ذریعہ سے مزید اضافہ کر سکے جن سے ان کا نام تاریخ میں روشن ہوتا۔

راجہ ویسل دیو چوہان (500ء تا 565ء)

البتہ گوند پال کے انتقال کے بعد راجہ اجے پال کی اولاد میں سے اُس کی ساتویں پشت میں ایک راجہ ویسل دیو چوہان پیدا ہوا، جس نے بہت سی فتوحات کر کے ناموری حاصل کی۔ اور اجمیر کا نام آئندہ تاریخ میں روشن

کیا۔ویسل دیو چوہان نے تاراگڑھ کو چھوڑ کر اجمیر کو اپنا دارالخلافہ بنایا، اور آزاد و خودمختار حیثیت کا مالک ہوا۔

اس راجہ نے سیالکوٹ اور کشمیر میں "ہوں" گوجروں کا مقابلہ کر کے ان پر فتح حاصل کی ،اور پھر "یشو دھرورمن" والئی مالوہ کے ساتھ مل کر "ہنوں" کو کرور واقع ضلع ملتان کے مقام پر شکست دے کر تاریخ میں اپنا نام پیدا کیا۔

راجہ ناہر دیو چوہان (565ء تا 625ء)

راجہ ناہر دیو چوہان نے اپنے زمانۂ حکومت میں اجمیر کے علاقے کو وسعت دی ، اور موجودہ گجرات کا کچھ علاقہ اپنی سلطنت میں شامل کر لیا۔ یہ علاقہ آئندہ تاریخ میں "ناہروال" مشہور ہوا۔ناہر دیو کے زمانہ میں "مالوہ" پر شاسنگ گورسی نے قبضہ کیا،اوراس طرح مالوہ گپت صوبیدار کی ماتحتی سے نکل گیا۔

راجہ دولہ رائے چوہان (625ء تا 687ء)

دولہ رائے پر شروع میں مہاراجہ ہرش وردھن برہمن والئی تھانسیر نے حملہ کیا، اور اوراسے مغلوب بنا کر اپنا باج گزار بنا لیا۔مگر دولہ رائے نے جلد ہی اپنی آزادی کو بحال کر لیا، اور ہرش کی افواج کو اپنے علاقے سے نکال دیا۔لیکن بعد میں کسی غیر ملکی دشمن سے جنگ کرتا ہوا میدان جنگ میں مارا گیا۔

مہاراجہ مانک رائے چوہان (687ء تا 735ء)

اس کے بعد اس کی نسل میں سے راجہ مانک رائے اجمیر اور سانبھر (جہاں کا نمک بہت مشہور ہے) پر حکمران بنا۔ یہ خودمختار، بڑا بہادر اور نامور راجہ تھا۔اس کے عہد سے چوہان خاندان کی تاریخ تاریکی سے روشنی میں آئی ۔ چوہان گوجروں کے اس خاندان کے بہادر،صف شکن دلاوروں نے آڑھائی سو برس تک اس دارِفانی میں اپنی شجاعت کا ڈنکا بجایا۔اور مالوہ،قنّوج، اور تھانسیر کے برہمن سے ٹکّر لیتے رہے۔

آٹھویں صدی میں جب گُوجروں کا اقتدار بڑھا تو بھنمال کے گُوجر تمام ملک میں شہنشاہیت کا درجہ حاصل کر گئے ،اور انہوں نے قنّوج کو اپنا دارالخلافہ بنایا۔گوجر شہنشاہیت کے قیام میں اور استقامت میں چوہان قوم کی حیثیت وفادار سپہ سالاروں کی تھی ، اور اجمیر ان کی ریاست تھی۔

مانک رائے چوہان وہ پہلا راجہ ہے جس نے اسلامی تلواروں کا مقابلہ اس بہادری سے کیا کہ سپہ سالارانِ اسلام اس کی شجاعت و بہادری کوتسلیم کرتے تھے۔اس کے زمانہ میں بنو امیّہ کے خلیفہ ہشام بن عبد الملک نے جب ایک شخص جنید بن عبد الرحمٰن المرّی کو ہندوستانی مقبوضات کا گورنر بنا کر بھیجا تو اس کی قیادت میں عرب مسلمانوں نے اجمیر کے نواح پر حملہ کیا۔اجمیر میں اس زمانہ میں گوجر راجہ مانک رائے چوہان کی حکومت تھی۔راجہ مانک رائے والی اجمیر نے ان کا سخت مقابلہ کیا۔دونوں طرف کے بہادروں نے دادمردانگی دی۔

راجہ کی فوج نے مسلمانوں کی فوج سے شام تک مقابلہ کیا۔اگلی صبح عربوں نے قلعہ پر اچانک ہلّہ بول دیا، قلعہ کی فصیل پر گوجر شہزادہ "لوٹ" جس کی عمر تین سال تھی کھیل رہا تھا کہ اچانک ایک تیر اُسے آ لگا اور وہ جاں بحق ہو گیا۔ادھر راجہ مانک رائے چوہان نئی فوج لے کر آ پہنچا،عرب سپاہ دونوں طرف سے گھر گئی،اور شکست کھا کر بھاگ گئی،اس طرح اجمیر پر قبضہ نہ ہو سکا،اور جنید دیہاتوں کو لوٹتا ہوا بغیر کسی سلطنت کو فتح کئے واپس سندھ لوٹ گیا۔

جنید کی ناکامی

اس کی واپسی پر حالات مزید بگڑ گئے،حتّٰی کہ مارواڑ،گجرات،اور کچھ کی سرحدوں پر جو عرب دستے مقیم تھے،انہیں سندھ میں واپس بلانا پڑا۔سندھ میں بھی بغاوت کی آگ بھڑک اُٹھی ۔جو سندھی مسلمان ہوئے تھے وہ سب سوائے ایک شہر کے اسلام سے منحرف ہو گئے،اور عربوں کا اقتدار ختم کرنے کے لئے جو تحریک شروع ہوئی تھی اس میں غیر مسلم قبائل کے ساتھ مل گئے۔حالات اس قدر بگڑے کہ عرب مسلمانوں کو اپنی بیشتر چھاونیاں خالی کرنی پڑیں،اور بعض میں تو وہ اپنا قبضہ پھر کبھی نہ جما سکے۔

(آب کوثر،ص۲۸)

گوجروں کے آخری عروج کے ابتدائی زمانہ میں چوہانوں میں مہاراجہ مانک رائے کا نام سرفہرست ہے۔
مہاراجہ مانک رائے کو شمالی ہندوستان کے تمام چوہان خاندانوں کا مورث اعلیٰ سمجھا جاتا ہے۔
چوہان گوجروں کے عروج کے حالات خواہ کیسے ہی کیوں نہ ہوں لیکن ان کی صحت میں کوئی شک نہیں کیونکہ ان کے خاص خاص مقامات سے ان کی فضیلت ظاہر ہے۔
سانبھر کی عظمت اسی سے ظاہر ہے کہ مانک رائے کی نسل میں سے پرتھی راج نے شمالی ہندوستان میں

شہنشاہی کا ڈنکا بجا کر اپنے نام کو سانبھری راؤ کے خطاب سے زینت دی تھی۔

شمالی چوہانوں کا مورث اعلیٰ مانک رائے کو سمجھنا چاہیئے، اس نے اجمیر کو دوبارہ فتح کیا تھا۔ اس کی کثیر التعداد اولاد اکثر گوتوں یا خاندانوں کی بانی ہوئی، جن کے افراد دریائے سندھ تک آباد پائے جاتے ہیں۔

ہاڑا کیچی، موہل، نریان، بہدوریا، موریچا، دھنیریا، باگریچا، یہ سب گوجروں کے چوہان خاندان کی شاخیں ہیں۔ کھچی شاخ کے چوہان گوجر دریائے سندھ کے بعیدہ دوآبہ میں قیام پذیر ہوئے "بعیدہ دوآبہ" سے دریائے جہلم اور دریائے سندھ یعنی اٹک کا درمیانی حصّے مراد ہے جس کا دارالسلطنت کھچیوا تھا۔

ہاڑا شاخ کے چوہان گوجروں نے "اَسّی" یا ہانسی جو ہریانہ میں واقع ہے وہاں حکومت قائم کی۔

تیسری شاخ گولکنڈہ یعنی موجودہ حیدر آباد میں صاحب تاج وتخت ہوئی۔

موہل کی شاخ نے ناگور کے گرد ونواح میں دریائے چمبل کے کنارے بھدوریا کا علاقہ پایا۔ جس پر اب بھی اس کی اولاد کا قبضہ ہے۔ اس شاخ کے لوگ "دھنیر" یا شاہ آباد میں بھی آباد ہیں۔

نادول میں میں ایک اور شاخ آباد ہوئی۔ غرض صحرا میں چوہان گوجروں کی اکثر ریاستیں قائم ہوئیں، جن کے فرمانرواؤں کو یا تو اپنی تلوار کا بھروسہ تھا یا شہنشاہِ چوہان کا۔

تفصیل راجگانِ اجمیر وتھانیسر

مہاراجہ مانک رائے چوہان

مہاراجہ مانک رائے کے دو بیٹے تاریخ میں مشہور ہیں۔(1) لچھمن رائے (2) تلک رائے۔
لچھمن رائے، کی اولاد میں راجگان اجمیر گذرے ہیں۔اور تلک رائے، کی اولاد میں راجگان تھانیسر۔
مہاراجہ کے انتقال کے بعد لچھمن رائے کی تاج پوشی اجمیر میں ہوئی۔اور تلک رائے شمالی پنجاب کا راجہ ہوا،جس نے تھانیسر کو اپنا دارالخلافہ بنایا۔ان دونوں کا یہاں پر ذکر کیا جاتا ہے۔

راجگانِ اجمیر	راجگانِ تھانیسر
لچھمن رائے	تلک رائے
لوہت پال	کسکند رائے
واگراہ پال	امر رائے
مہندر یو	گھا گھا رائے عرف راجہ گھاگ
شری انہولہ	کیشو راج
شری پال	مہاراجہ ہرّ رہ راج، یا ہرش راج
جیت راج	وجے راج
------	اجے راج

ان میں سے یہ تینوں(1) مہاراجہ ہرّ رہ راج، یا ہرش راج،(2) وجے راج، (3) اجے راج۔کیشو راج کے بیٹے تھے۔
ان میں سے"وجے راج" کامیری کا راجہ تھا۔۔۔۔۔اور"اجے راج" رہتاس کا قلعہ دار تھا۔

وجے راج چوہان **اجے راج چوہان**

وجے راج پنجاب کے چوہانوں کا جدّ امجد تھا۔۔۔اور۔۔۔اجے راج سرحد کے چوہانوں کا جدّ امجد تھا

مابعد زمانہ میں"وجے راج" کی اولاد پنجاب کے اضلاع میں سکونت پزیر ہوئی۔اور"اجے راج" کی اولاد سرحدی علاقوں میں آباد ہوگئی۔"اجے راج چوہان" اور"وجے راج چوہان" راجہ گھا گھا رائے،عرف راجہ گھگ کے پوتے تھے،جیسا کہ شجرہ سے ظاہر ہے۔

اجمیر کے راجہ جیت راج کے انتقال پر شاکمبھری کا راجہ ہرڑہ راج یا ہرش راج اجمیر کے تخت پر بیٹھا،اور اس طرح اجمیر اور شاکمبھری کے علاقے یکجا ہوگئے۔

(تاریخ گرجر ص 237،ج 1)

راجہ پچھمن رائے (735ء تا 760ء)

راجہ پچھمن رائے کو پرتہار خاندان کے گوجر راجہ وتس راج نے اپنا باج گزار بنایا تھا۔وتس راج بھنمال اور منڈور کا راجہ تھا۔پرتہاروں کی شہنشاہیت کا قیام شروع ہو چکا تھا۔تمام گوجر راجے یکے بعد دیگرے اُن کے ماتحت ہوتے جارہے تھے۔اس راجہ کا انتقال ۷۶۰ء میں ہوا۔

راجہ لوہت پال (760ء تا 790ء)

راجہ لوہت پال بھی تمام عمر راجہ وتس راج کا حلیف و مددگار رہا۔تیس سال کی حکمرانی کرنے کے بعد ۷۹۰ء میں اُس کا انتقال ہوا۔

راجہ وگراہ پال چوہان (790ء تا 835ء)

یہ راجہ ایک نہایت ہی بہادر اور جری شخص تھا۔خاندان چوہان اور خاندان پرتہار نہ صرف ایک دوسرے کے حلیف و مددگار تھے،بلکہ یہ باہم راشتہ داریوں میں بھی منسلک تھے۔ چنانچہ راجہ وگراہ راج دوم نے راجہ سناگ بھٹ دوم پرتہار کی مدد قنّوج پر حملے میں کی۔اور وہاں سے راجہ چک ریدھ (برہمن) کو نکال کر گوجر شہنشاہیت کے قیام میں مدد بہم پہنچائی۔

راجہ مہندر پال (835ء تا 880ء)

راجہ مہندر پال قنّوج کے گوجر شہنشاہ مہر بھوج اعظم کا ہم عصر تھا،اور گوجر شہنشاہ کا حلیف و مددگار تھا۔ملتان چھاونی کی سپہ سالاری اسی سے منسوب تھی۔راجہ مہندر پال کا ایک کتبہ اجمیر کے شمال سے برآمد ہوا ہے۔

نویں صدی کے کتبوں میں اجمیر اور سانبھر کو گجرات تحریر کیا گیا ہے ۔ چوہان گوجر راجاؤں سے متعلق ہونے کی وجہ سے ہی یہ علاقہ گجرات کہلاتا تھا۔

(امپریل گزٹ ایر آف انڈیا(بمبئی صوبہ) حصہ اوّل ص 301)

راجہ سری انہولا، راجہ سری پال اور راجہ جیت راج (880ء تا 970ء)

اجمیر کے یہ تینوں راجگان غیر معروف راجہ تھے جو یکے بعد دیگرے اجمیر کے تخت پر بیٹھے۔
۹۰۰ء میں کشمیر کے راجہ شنکر نے پنجاب کے گوجروں کو شکست دے کر تکدیش (موجودہ ضلع ہوشیار پور) کا علاقہ لے لیا۔ آخر 970ء میں تھانیسر (پنجاب) کی چوہان شاخ کے راجہ کیشو راج کے بیٹے اور راجہ گھگ کے پوتے "ہرر ہراج، یا ہرش راج" نے اجمیر کو اپنے تصرّف میں لا کر سلطنت کو از سر نو عروج بخشا۔

پنجاب کے چوہان راجگانِ تھانیسر و کامیری

راجہ تلک رائے چوہان (735ء تا 760ء)

راجہ تلک رائے چوہان مشہور مہاراجہ مانک رائے چوہان کا دوسرا بیٹا تھا جس نے تھانیسر میں اجمیر کے ماتحت حکومت قائم کی ۔اس کی حدود سلطنت دریائے گنگا سے لے کر دریائے چناب تک تھی ۔ 25 سال کی حکمرانی کرنے کے بعد ۷۶۰ء میں اس کا انتقال ہوا۔

راجہ کس کند رائے چوہان (760ء تا 800ء)

راجہ کس کند رائے چوہان کے زمانہ میں انبالہ سے لے کر دریائے گنگا تک کے علاقہ میں پنوار گوجروں نے اپنے سردار کی سرکردگی میں اپنی الگ سلطنت قائم کی ، اور شہر سارن پور (موجودہ شہر سہارن پور) آباد کیا۔
یہ سلطنت 1857ء تک گجرات کہلائی۔اس علاقہ سے پنوار گوجروں کا اقتدار 1947ء میں ختم ہوا۔

☆☆☆

راجہ امر رائے چوہان (801ء تا 855ء)

راجہ امر رائے چوہان کامیری کا باج گزار رہا ہے، جو براہ راست قنوج کا ماتحت تھا۔اس نے بھی اپنے زمانۂ حکومت میں کوئی ایسا قابل قدر کام نہیں کیا جسے تاریخ میں ذکر کیا جائے ۔

راجہ گھا گھا رائے عرف راجہ گھگ (855ء تا 884ء)

یہ راجہ اپنے زمانہ کا مشہور جرنیل تھا۔اس کے زمانہ میں قنوج میں گوجر شہنشاہیت قائم ہو چکی تھی۔ لہٰذا راجہ گھگ ،مہاراجہ مہر بھوج اعظم والئی قنوج کا سپہ سالار سمجھا گیا۔جس نے دریائے سندھ تک کا علاقہ فتح کر کے گوجر شہنشاہ کے زیرنگین کیا۔

اس راجہ نے پنجاب کے ایک وسیع علاقہ پر قبضہ کیا۔جن میں سے ایک قلعہ مانگو بھی تھا۔ راجہ گھگ کی چار پانچ پشتیں اقبال مند رہیں ،اور انہوں نے وسیع علاقہ پر تصرف کر لیا۔

ان کی اولاد میں راجہ ملک اور راجہ ایسر، ہمایوں کی حکومت سے قبل معمولی تعلقہ دار تھے۔ جب ہمایوں تخت نشین ہوا تو ان کی رہی سہی ہستی بھی مٹ گئی ۔راجہ ملک تو لا ولد مر گیا۔اور راجی ایسر کسی اور ملک کو چلا گیا۔جس سے مانگو کے چوہانوں کی شان وشوکت کا خاتمہ ہو گیا۔ جو اولاد راجہ گھگ کی باقی تھی اس کی حیثیت معمولی زمینداروں کی تھی ۔ مابعد زمانہ میں قلعہ مانگو بھی منہدم ہو گیا۔

بادشاہ عالمگیر کے زمانہ میں ان کا مورث مسلمان ہوا۔اور چوہانوں کا پتہ علیٰحدہ قرار دیا گیا۔ بادشاہ نے ان کی شجاعت ودلیرانہ زندگی کے باعث اس شاہراہ پر گاؤں آباد کرنے کا حکم دیا۔جس شاہراہ سے شمالی غارت گر لوگ (یعنی پبّی پہاڑ کی شمال کی طرف کی قومیں) آ کر گوجروں کے دیہاتوں کو لوٹتی تھیں۔اس لئے چوہانوں میں سے راجو نے ،راجو گاؤں ،اور اللہ دتّہ نے اللہ دتّہ گاؤں آباد کیا۔مانگو کا ٹیلہ اب کھوڑی کی حدود میں واقع ہے۔

راجہ کیشو راج (884ء تا 928ء)

قنوج کے مہاراجہ نے پنجاب کی صوبیداری پر تھکیہ خاندان کے گوجر راجہ الکھان کو مقرر کیا۔اس تقرر کی وجہ کابل پر عربوں کا حملہ تھا۔اُس وقت کابل پر برہمن خاندان حکمران تھا جنہوں نے گوجر مہاراجہ سے مدد مانگی تھی۔ گوجروں نے لکھان کی ماتحتی میں کابل پر حملہ کیا اور ابوعبیدہ خزاعی کو شکست دے کر زندہ گرفتار کر لیا۔ انہوں نے چار لاکھ درہم دے کر رہائی پائی۔

راجہ الکھان واپس پنجاب آیا اور شہر گجرات کی بنیاد 888ء میں رکھی ۔ یہ علاقہ بھی گجرات کہلایا۔اس زمانہ میں اس گجرات کی حدود پشاور سے ملتان اور جمنا تک تھی ۔ راجہ الکھان نے گجرات میں شمالی مغربی علاقوں کی

حفاظت کے لئے مستقل سکونت اختیار کی، اور اہلیک (موجودہ افغانستان) کی دونوں ریاستیں گور اور کابل اس کے ماتحت تھیں۔

جب راجہ شنکر درمن والئی کشمیر نے راجہ لکھان کو شکست دی تو راجہ کیشو راج واپس اجمیر چلا گیا، مگر اس کے دو بہادر بیٹے پنجاب میں بحیثیت سپہ سالار رہ گئے۔ اور تھکیہ حکومت کے معاون و مددگار رہے۔

راجہ وجے راج، راجہ مہراج اور راجہ ہروراج یا ہرش راج (928ء تا 980ء)

راجہ کیشو راج کے تین بیٹے تھے۔ (1) راجہ وجے راج، (2) راجہ مہراج اور (3) راجہ ہروراج یا ہرش راج۔ چنانچہ ان تینوں نے مختلف علاقوں میں سرداری سنبھالی۔

(1) راجہ وجے راج (پنجاب کے چوہانوں کا جدّامجد)

راجہ وجے راج پنجاب میں راجہ الکھان کے انتقال پر اُس کی اولاد کا ماتحت رہا۔ پنجاب کے اکثر چوہان گوجر خاندان اسی راجہ کی اولاد میں سے ہیں۔

(2) راجہ اجے راج، مہراج یا اُترّیہ چوہان (سرحد کے چوہانوں کا جدّامجد)

یہ راجہ مشہور راجہ گھگ کا دوسرا پوتا تھا جو تاریخ میں اُترّیہ (شمالی) چوہان مشہور ہے، جس نے کابل کا معرکہ سر کر کے سرحدی علاقہ میں حکومت قائم کی۔

سرحد کے تمام چوہان راجہ مہراج کی اولاد ہیں۔ جب تھکیہ حکومت کا غزنیوں کے ہاتھوں خاتمہ ہوا تو اس کے ساتھ ہی پنجاب اور سرحد کے چوہانوں کی سرداری بھی ختم ہوگئی۔ مگر ہرش راج کی اولاد اجمیر پر کئی سو سال تک حکمران رہی۔

ہروراجہ، یا راجہ ہررہ راج یا ہرش راج (۹۲۸ء تا ۹۸۰ء)

یہ راجہ مشہور راجہ گھگ کا تیسرا پوتا تھا یعنی راجہ کیشو راج کا تیسرا بیٹا۔ جس نے اجمیر کے راجہ جیت راج کے انتقال کے بعد اجمیر کو اپنے قبضہ میں لیا۔ اُس وقت اجمیر ایک معمولی ریاست رہ گئی تھی جس کو ہروراج نے از سرنو تقویت بخشی۔ تاریخوں سے پتہ چلتا ہے کہ سبکتگین نے جب شمالی سندھ کو تباہ و برباد کیا اور لوٹ مار کرنے

(ملتان) تھر کے ریگستان کی طرف بڑھا تو اس راجہ نے ان بیرونی مسلمانوں کو متعدد مرتبہ شکست دے کر بھگایا۔
اس راجہ کا ایک کتبہ جو ۹۷۳ء کو ظاہر کرتا ہے اس میں خاندان تومر کا بھی تذکرہ ملتا ہے۔

راجہ ہررہ راج یا ہرش راج کے دو بیٹے تھے۔

(1) جگن دیو یا جگن راج۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔(2) وچراج۔

جگن دیو، یا دھوجگن دیو سلطان گیر

ہرش راجہ کے بعد جب اس کا بیٹا جگن دیو سریر آرائے تخت ہوا تو اُس نے بجائے اجمیر کے اپنی راج دہانی بھٹینز کو قرار دیا۔ اپنے باپ کے بعد اس نے بھی سلطان ناصر الدین سے بہت سی لڑائیاں لڑیں، جن میں وہ اکثر فتح یاب رہا۔ اس کی تمام عمر آریہ ورت کی حفاظت میں گزری۔ اس نے سبکتگین کا ناطقہ بند کر دیا۔

ایک دفعہ جب شمالی بلوچستان کی حدود سے سلطان ناصر الدین سبکتگین (سلطان محمود غزنوی کے باپ) نے ملگاؤں اور ملتان کے حدود پر حملہ کیا تو جگن دیو نے اسے شکست دی، اور اس پر فتح پا کر بارہ سو (1200) گھوڑے اُس سے چھین لئے۔ اسی لئے تاریخ میں اس کا لقب "سلطان گیر" کے نام سے مشہور ہوا۔

اس زمانہ میں ملتان پر چوہان خاندان کا قبضہ تھا، اور یہ علاقہ سلطنت اجمیر کا حصّہ تھا۔ ملتان میں علوی خاندان رہائش پزیر تھا، جن کو چوہان عزّت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔

(تاریخ گوجراں، ص۲۴۶، گجر گونج، ص۱۳۱، تاریخ گر جر، ص۴۵۵)

راجہ وچراج (۹۸۰ء تا ۱۰۰۶ء)

راجہ ہروراج کے دوسرے بیٹے راجہ وچراج کو اس کے باپ ہروراج نے تھانیسر کا حاکم بنایا تھا۔

(تھانیسر (انگریزی: Thanesar) بھارت کا ایک آباد مقام ہے جو کروکشیتر ضلع میں واقع ہے۔ شاکرؔ)

راجہ وچراج نے گنگا جمنا کے شمالی دوآبہ کو از سر نو اپنا ماتحت بنایا، اور جالندھر تک حکومت کو وسعت دی۔ یہ حکومت اجمیر کے ماتحت تھی۔

وچراج کا انتقال ۱۰۰۶ء میں ہوا۔ اس کے زمانہ میں محمود غزنوی کے حملے شروع ہو چکے تھے، اور کابل اور غزنی سے ٹھکیہ گوجروں کی حکومت ختم ہو چکی تھی۔

(تاریخ گر جر، ص۲۷۹، ج)

راجہ گوگا راج عرف گوگا پیر

راجہ وچراج کا ایک بیٹا گوگ راج المعروف بہ گوگا پیر تھا۔راجہ گوگا راج ۱۰۰۶ء میں تخت سلطنت پر بیٹھا،اور ۱۰۲۳ء تک حکمرانی کی۔

چوہان گوجروں کی تاریخ میں شیر دل گوگا راجہ بہت مشہور ہے،جس نے محمود کے حملۂ اوّل میں اپنا نام روشن کر کے قوم گوجر کو عزت دی۔گوگا راجہ کی حکومت ستلج سے لے کر ہریانہ تک پھیلی ہوئی تھی،اوراس کی دار الحکومت کا نام مہرا تھا۔

یہ راجہ صوفی منش تھا۔اس کا دار الخلافہ کامیری تھا۔اس کے صوفی منش ہونے کی وجہ سے یہ تاریخ میں گوگا پیر کے نام سے مشہور ہوئے۔گوگا راج اپنے حقیقی تایا زاد بھائی ویسل دیو کا ہم عصر تھا جس نے محمود غزنوی کو اجمیر کا محاصرہ اٹھانے پر مجبور کر دیا تھا۔اس کی جائے پیدائیش مقام مہرا ہے جو اس کے باپ کا دار الخلافہ تھا۔

اس کے بارے میں ایک قصہ مشہور ہے کہ جب یہ چھ ماہ کا بچہ تھا تو اس کے گھوارے میں ایک زہریلا ناگ پڑا ہوا دیکھا گیا،جس کے ساتھ یہ کھیل رہا تھا۔جب شاہی خاندان کے چند آدمیوں نے اُسے مارنا چاہا تو اس نے ہاتھ کے اشارے سے انہیں روکا جس کے بعد ناگ خود بخود غائب ہو گیا۔

جب یہ جوان ہوا تو اس نے شاہی محل چھوڑ دیا اور جنگلوں میں خدا کی عبادت میں مشغول رہتا تھا۔مسلم گوجر مؤرخین نے لکھا ہے کہ گوگا پیر مسلمان تھا۔اوراس نے ملتان کے علوی خاندان کو خاص مراعات دے رکھیں تھیں۔انہیں مساجد و خانقاہیں تعمیر کرنے اور تبلیغ کی عام اجازت تھی۔

اس کی مسلمان رانیوں میں سے سعدیہ کا نام مشہور ہے جو علوی خاندان سے تھیں،اوران کی اولاد آج تک مسلمان ہے۔اور یہ "چٹّا چوہان" کہلاتے ہیں۔جس کی کوئی خاص وجہ تسمیہ معلوم نہیں ہوسکی۔بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ چونکہ یہ حلق کراتے تھے،اور ہندو چوہان سر پر چوٹی رکھتے تھے،اس لئے ان کو ان کے ہندو بھائیوں نے "چٹّا چوہان" کہنا شروع کر دیا اور وہ اسی نام سے مشہور ہو گئے۔واللہ اعلم

گوگا پیر کی ہندو رانیوں سے جو آیندہ اولاد چلی،اوران میں سے جو لوگ مابعد زمانہ میں مسلمان ہوئے،وہ دوسرے گوجروں کی طرح صرف مسلمان چوہان کہلاتے ہیں۔"چٹّا چوہان" تمام کے تمام راجستھان میں رہتے ہیں،

جو آج کل راجپوت کہلاتے ہیں۔

۱۰۲۳ء میں راجہ گوگا پیر، محمود غزنوی کے ہاتھوں دریائے ستلج کے کنارے میدان جنگ میں مارا گیا۔اس وقت اس کی عمر 80،اسّی سال تھی ۔تمام سر اور داڑھی کے بال سفید ہو چکے تھے۔گوگا پیر اپنے بیٹوں ،بھتیجوں، اور پوتوں سمیت اس عمر میں دفاع وطن کے لئے جنگ میں شریک ہوا تھا،اور اپنے بیٹوں اور بھتیجوں سمیت مارا گیا۔

جس وقت دریائے ستلج میں واقع گوگا میری کے علاقے میں محمود نے فوج کشی کی تو اس وقت راجہ گوگا کے پینتالیس(45) بیٹے اور ساٹھ(60) بھتیجے میدان جنگ میں کام آئے۔

یہ لڑائی اتوار کے دن نومی کی تتھ میں ہوئی تھی ،اس لئے علاقہ راجپوتانہ میں اس روز تہوار منایا جاتا ہے۔اور صحرائے خاص میں اس دن کی بہت عظمت ہے۔اس صحرا کو گوگا کے نام پر گوگا کا تھل کہا جاتا ہے۔

ملک کے طول وعرض میں اس کے مقبرے ہیں، جو اس کے خون کے قطرات پر بنائے گئے ہیں، کیونکہ گوگا پیر کا مردہ جسم اُس وقت کے گوجروں کے اعتقاد کے مطابق اُس کا وفادار گھوڑا مشرق کی طرف لے کر چل دیا تھا، اور جہاں جہاں اُس کا خون گرا وہیں پر اس کے مزارات بنا دیئے گئے۔

آخر گوگا پیر کا کٹا ہوا سر دریائے جمنا کے مشرق میں دریا سے بارہ میل اور پانی پت سے بیس میل دور موضع دوریڑ (ضلع سہارن پور) میں گرا،اور اُس جگہ اسے دفن کیا گیا۔

یہ جگہ گوگ سر کہلاتی ہے، جہاں آج تک میلہ لگتا ہے۔مؤلف تاریخ گرجر لکھتے ہیں کہ گوگ سر میں صرف ان کا سر دفن ہے ،جبکہ اس کا بقایہ جسم شواک کی پہاڑیوں کے قریب ایک ویرانے میں دوریڑ گاؤں کے قریب گھوڑے سے گرا تھا،اُسے وہاں دفنایا گیا ہے،اور وہاں پر بھی ایک مزار موجود ہے۔

آج کل اس مزار کے مدفون (یعنی گوگا پیر) کو مسلمان گوجروں نے ہندو سمجھ کر اور ہندوؤں نے مسلمان سمجھ کر اس سے کنارہ کشی اختیار کر لی ہے۔البتہ دیہاتی لوگ اپنی منّتیں اور مرادیں مانگنے وہاں جاتے ہیں۔

(تاریخ گرجر،ج۳،ص۳۹)

اشت پال

لاہور کے مغرب میں غزنویوں کا اقتدار قائم ہونے کے بعد مشرقی پنجاب پر گوگا پیر چوہان کے بیٹوں: نیم

چھت، جیوراؤ، اور اشت پال وغیرہ نے حکومت قائم رکھی۔ ان تمام بھائیوں میں اشت پال بڑا تھا۔اس نے طویل عمر پائی، اس کا انتقال ۱۰۷۳ء میں ہوا۔

چند کرن

اشت پال کا بیٹا چند پال یا چند کرن اپنی تمام زندگی محمود کی اولاد سے ٹکر لیتا رہا۔اور ۱۱۱۱ء میں انتقال کیا۔

لوک پال

لوک پال نے بیسل دیو چوہان والی اجمیر کے ساتھ ۱۱۶۴ء میں پشاور تک فتوحات کے جھنڈے گاڑھے، اور غزنویوں کی طاقت کو پنجاب میں چکنا چور کر دیا۔ ۱۱۶۸ء میں اس کا انتقال ہوا۔

همیر و گھمبیر

یہ دونوں بھائی لوک پال کے بیٹے تھے، جنہوں نے ۱۱۹۰ء میں جے چند کی لڑائی میں پرتھوی راج کا ساتھ دیا، اور اسی لڑائی میں مارے گئے۔

کل کرن

گھمبیر کا بیٹا تھا۔ جنگ تراوڑی کے بعد آشیر کے علاقہ پر قابض ہوا۔

بیر بیلن دیئو عرف دھرم گج

اس کے بعد 1060ء بکرمی میں چوہان خاندان سے پھر ایک بہادر اور نامور راجہ بیر بیلن دیئو عرف دھرم گج سریر آرائے سلطنت ہوا جس نے پھر اجمیر کو اپنا دارالحکومت بنایا، اور 1080ء بکرمی مطابق 1024ء میں جب سلطان محمود غزنوی نے اجمیر پر حملہ کیا تو راجہ بیر بیلن دیئو عرف دھرم گج نے اس خوبی سے مقابلہ کیا کہ اپنی جان تو دے دی لیکن حملہ آور بادشاہ سلطان محمود غزنوی کو بھی محاصرہ سے دست کشی اختیار کرنی پڑی۔

بیسل دیو عرف بسال دیو (جو بعد میں مسلمان ہوا)

بیر بیلن دیو کے قتل کے بعد 1080ء بکرمی مطابق 1024ء میں اس کا بیٹا بیسل دیو عرف بسال دیو سریر آرائے تخت ہو کر حکومت کرنے لگا۔بیسل دیو نے اپنے باپ کے بعد اجمیر کے بجائے سانبھر کو اپنا دارالحکومت

بنایا۔ یہ بڑا مدبّر اور زمانہ شناس راجہ تھا۔ جب سلطان محمود غزنوی کے پوتوں یعنی مجدّد اور مودود میں خانہ جنگی شروع ہوئی تو اس نے اُن کی خانہ جنگی سے فائدہ اٹھا کر ہندوستان کو آزاد کرانے کی کوشش کی۔

چنانچہ راجہ بسیل دیو نے پہلے راجہ دہلی سے مشورہ کر کے اپنے کو مذہب ہنود کا حامی اور محافظ ہونے کا اعلان کیا۔ اور دیگر راجگانِ ہند کو ہندو مذہب کی حفاظت کے لئے مسلمانوں کے خلاف جنگ میں شامل ہونے کی دعوت دی کہ ہمارا قدیمی دشمن ہم پر حملہ آور ہو رہا ہے۔ ہمیں اپنے مذہب وملّت کی حمایت میں متفقہ طور پر اس کی مدافعت کرنی چاہیئے، ورنہ ہر راجہ کو وقتاً فوقتاً اس کے حملوں کا شکار ہونا پڑے گا۔ بہتر ہے کہ ہم مل کر ایسا انتظام کریں کہ ایسے خونخوار دشمن کا ہمیشہ کے لئے خاتمہ ہو جائے۔

راجہ بھیم دیو نے نہ معلوم کس خیال ومصلحت سے بسیل دیو کا ساتھ نہ دیا اور اس کی دعوت قبول نہ کی، جبکہ دیگر راجگان ہند اس کی دعوت کو قبول کرتے ہوئے اپنی فوج کے ہمراہ اس کے پاس جمع ہو گئے تو اس نے 1110ء بکرمی مطابق 1054ء میں مسلمانوں کے خلاف اعلان جنگ کر دیا، اور شاکمبھری شہر سے باہر تھر ریگستان میں ایک چشمہ کے کنارے پڑاؤ ڈالا۔

تمام مغربی ہندوستان کے بہادر عوام اس کے جھنڈے تلے جمع ہو گئے۔ جس میں اجمیر کے سردار، مانڈوَ کے سردار مان سمھ، رادت قوم، ناپور کے سردار، میواتی لوگ، بلوچستان سے بلوچ فوجی، تاکت پور کا جاٹ سردار گوہل مل وغیرہ غرضیکہ مغربی ہندوستان جمع ہو گیا۔ اور اس متفقہ فوج کے ذریعہ مسلمانوں کو شکست دے کر نکالنا شروع کیا، یہاں تک کہ لاہور، ملتان اور پنجاب کے دیگر شہروں سمیت پشاور تک کا علاقہ ان سے آزاد کرا لیا، اور انہیں پسپا کر کے سرحد افغانستان کی طرف دھکیل دیا۔ اور اس طرح بیسلدیو نے تمام ہندوستان کو آزاد کروا کر شاعروں اور بھاٹوں سے خوب خراج تحسین وآفرین حاصل کر کے اُن کی کتابوں میں اپنا نام چھوڑا۔ اس طرح تیس سال تک گوجروں، جاٹوں، پٹھانوں اور بلوچوں کا یہ اتحاد قائم رہا۔

راجہ بسیل دیو اس بات پر سخت ناراض تھا کہ راجہ بھیم دیو نے میری دعوت کیوں قبول نہیں کی، اس لئے وہ اسے سبق سکھانے کے بارے میں سوچتا رہتا تھا۔ آخر وہ وقت آ ہی گیا، اور اس نے راجہ بھیم دیو پر حملہ کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ بھیم دیو اگرچہ جنگ کو ایک کھیل سمجھتا تھا، مگر اس دفعہ اس کے بھی ہاتھ پاؤں پھول گئے۔ راجہ بسیل دیو نے

اس کو شکست فاش دی۔بھیم دیو کے لئے اس کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا کہ وہ بسیل دیو کا باج گزار بنے ، اور معافی کا خواستگار ہو۔ راجہ بھیم دیو پر فتح پانا کوئی معمولی بات نہیں ، اس کی طاقت اور شجاعت کی شہرت دور دور تک پھیلی ہوئی تھی اور کسی راجہ کو یہ حوصلہ نہ تھا کہ اس کے مقابلے کو نکلے ۔

راجہ بسیل دیو کو عمارات کی تعمیر کا بھی بہت شوق تھا ، چنانچہ جب اس نے راجہ بھیم دیو کو شکست دی تو اس عظیم الشان فتح کی یادگار کے طور پر اس نے اسی مقام پر اپنے نام پر ایک شہر بسیل نگر تعمیر کرا کر آباد کیا۔اور اس میں ایک بلند مینار بنوا کر ایک کتبہ لگایا، جس میں اپنے اور اپنے باپ دادا کے کارنامہائے شجاعت کو دہرایا، اور بھیم دیو جیسے زبردست راجہ پر فتح یابی کا فخر کیا۔

راجہ بسیل دیو اپنی آخری عمر میں ایک مسلمان صوفی کے فیض صحبت اور دعوت اسلام سے مسلمان ہو گیا تھا۔اس لئے خاندانی قانون کے مطابق تخت و تاج اپنے بیٹے سارنگ دیو کو دے کر خود حکومت سے علیٰحدہ ہو گیا،اور گوشہ نشینی اختیار کر کے اسلامی طریقے پر عبادت کرنے لگا،اور اسلام کی حالت میں اُس کا انتقال ہوا۔

سارنگ دیو

بسیل دیو عرف بسال دیو کے حکومت چھوڑنے کے بعد اس کا بیٹا سارنگ دیو تخت حکومت پر بیٹھ کر حکومت کرنے لگا ،لیکن یہ تھوڑی مدّت تک زندہ رہا،مگر اس تھوڑے عرصہ میں بھی اس نے امور سلطنت کو نہایت ہی احسن طریقے پر سرانجام دیا۔

ارنوراج یا آناک یا آنا چوہان (۱۱۳۹ء تا ۱۱۵۲ء)

آرنو راج عرف آنا جب تخت حکومت پر بیٹھ کر حکومت کرنے لگا تو اس نے محمود غزنوی کی اولاد سے پنجاب کے بہت سے علاقے چھین لئے ، اور ہر چہار طرف اپنی سلطنت کو وسعت دی ۔انو راج کی پہلی رانی کا نام سدھوا، اور دوسری کا نام کانچنا تھا جو انہلوڑہ کے راجہ کی لڑکی تھی ۔اس نے اپنے زمانۂ حکومت میں اجمیر میں اپنی یادگار قائم کرنے کے لئے ایک تالاب " آنا ساگر" تعمیر کرایا تھا جو آج تک موجود ہے ۔

اس کے دو بیٹے تھے ، جے پال اور ہری پال عرف است پال ۔ بڑا بیٹا جے پال ولی عہد تھا، جبکہ است پال سپہ سالار فوج تھا۔ یہی است پال چوہان گوجروں کی شاخ ہاڈا، یا ہاڑا کا مورث اعلیٰ ہوا ہے ، اور اس کی اولاد

آج بھی ریاست ہائے بوندی و کوٹہ میں صاحب ریاست وحکمران ہے۔

جب مسلمانوں کو اپنی خانہ جنگی سے فرصت ہوئی تو پھر انہوں نے سلطان ابراہیم بن مسعود کی قیادت میں سنہ ۵۷۲ھ مطابق سنہ 1147ء میں دوبارہ ہندوستان پر حملہ کیا اور اس حملے میں انہوں نے پنجاب سے لے کر بہار و بنگال اور اڑیسہ تک کے تمام علاقے فتح کر لئے۔اسی اثنائے یورش میں جب انہوں قلعہ ہانسی پر بھی جو کہ راجہ آنو راج والی اجمیر کی سلطنت میں واقع تھا حملہ کیا،تو راجہ آنو راج اور اس کے بیٹے است پال نے اُن کا سخت مقابلہ کیا، اور شدید لڑائی کے بعد بلآخر قلعہ کی حفاظت و مدافعت کرتے ہوئے راجہ آنو راج میدان جنگ میں مارا گیا۔

راجہ جھیپال

آنو راج عرف آنا کے قتل ہونے کے بعد پھر اس کا بیٹا راجہ جھیپال تخت حکومت پر بیٹھ کر حکومت کرنے لگا۔جھیپال کے عہد حکومت میں مسلمانوں کی طرف سے پھر کوئی حملہ اجمیر پر نہیں ہوا۔مسلمان پھر اپنی خانہ جنگی میں مصروف ہو گئے،اس لئے اس کا عہد حکومت نہایت امن و چین سے گزر گیا۔راجہ جھیپال کے تین بیٹے تھے، اجے دیو، بجے دیو، اور اودے رائے۔

راجہ اجے دیو

راجہ جھیپال کے فوت ہونے کے بعد اس کا بڑا بیٹا اجے دیو سریر آرائے تخت ہو کر حکومت کرنے لگا۔اور اس کا دور سلطنت بھی کسی اندرونی یا بیرونی دشمنوں کے حملوں کے بغیر آرام و اطمینان کے ساتھ گزر گیا۔

کنور آنند دیو

راجہ اجے دیو کی وفات کے بعد اس کا بیٹا کنور آنند دیو سریر آرائے تخت ہو کر حکومت کرنے لگا۔اس کا دور بھی بغیر کسی لڑائی و شورش کے امن کے ساتھ گزر گیا۔راجہ آنند دیو کے بھی تین بیٹے تھے۔سومیشور، کانہہ رائے عرف کال رائے، اور جیت گوہیل۔ان میں سے کال رائے کا بیٹا ایشر داس مسلمان ہو گیا تھا۔

راجہ سومیشور چوہان (سنہ ۱۱۷۰ء تا سنہ ۱۱۷۷ء)

راجہ کنور آنند دیو،(یا بعض مؤرخین کے نزدیک پرتھوی بھٹ) کی وفات کے بعد راجہ ارنوراج چوہان کی دوسری رانی کانچنا دیوی کے بطن سے پیدا ہونے والے راجہ سومیشور چوہان سریر آرائے تخت ہو کر حکومت کرنے

لگا۔سومیشور چوہان کی ماں رانی کانچنا دیوی انہلواڑہ کے راجہ سمھر (سدھراج) کی لڑکی تھی۔سومیشور کی تعلیم و تربیت نانا کے گھر میں ہوئی تھی۔

جے سمھ کے انتقال کے بعد اس کے لڑکے کمار پال نے اسے سپہ سالاری دے دی تھی،اور اس نے کمار پال سولنکی کے لئے کونکن کے راجہ "ملّکا ارجن" کو شکست دے کر اُسے باج گزار بنا لیا تھا۔

حالانکہ اسے اجمیر کی آزاد حکومت مل چکی تھی،اور یہ ۱۱۷۰ء میں اجمیر آچکا تھا،پھر بھی یہ سولنکیوں کا وفادار سپہ سالار رہا۔اس نے کمار پال سولنکی کے لئے جیسلمیر اور موجودہ جودھپور فتح کئے،جس سے خوش ہو کر کمار پال سولنکی نے اسے کردو کا علاقہ دے دیا۔

اس نے راجہ دہلی اننگ پال ثانی تنور کی بیٹی بنام "روکا بائی" سے اپنی شادی کی تھی اس کے بطن سے اُس کا بہادر بیٹا "پرتھی راج" پیدا ہوا۔

سومیشور کے آخری ایام میں غزنی کی سیاست میں ایک اہم تبدیلی رونما ہوئی۔غوریوں اور غزنویوں میں جو عرصہ سے دشمنی چلی آرہی تھی،وہ اپنے انتہا کو پہنچ چکی تھی۔غوریوں نے غزنی پر حملہ کر کے محمود کی اولاد میں ایک بچہ بھی زندہ نہ چھوڑا۔اور غزنویوں کی قبریں اکھاڑ کر ان میں سے تمام سابقہ بادشاہوں کی لاشیں نکال کر جلا دیں۔علاؤالدین جہانسوز نے شہر غزنی کو تباہ اور جلا کر خاک سیاہ کر دیا۔اس شہر کو جلا پھوک کر وہ غور میں آیا۔

(تاریخ ہندوستان،ج،ص،۱۴۵،تاریخ فرشتہ ،ج،ص۱۴۴)

جب راجہ بھیم دیو ثانی راجہ گجرات نے اجمیر پر فوج کشی کی اور پرتھی راج کے باپ راجہ سومیشور کو قتل کیا۔پرتھی راج نے جب یہ واقعہ سنا تو 65 ہزار فوج لے کر گجرات پر حملہ آور ہوا،اور بھیم دیو کو شکست دے کر اس کے دار السلطنت کو لوٹ لیا۔سومیشور کا انتقال ۱۱۷۷ء میں ہوا۔

مہاراجہ پرتھوی راج چوہان (رائے پرتھورا)

راجہ سومیشور چوہان کی وفات کے بعد ۱۱۷۷ء میں اس کا بیٹا پرتھی راج (رائے پرتھورا) سریر آرائے تخت ہوکر حکومت کرنے لگا۔

پرتھوی راج چوہان گندمی رنگ، میانہ قد کا ایک خوبصورت جوان تھا۔اس کی موچھیں لمبی، جسم بھرا ہوا، سینہ چوڑا، کلائیاں مضبوط اور موٹی تھیں۔ یہ راجہ حد سے زیادہ دلاور اور منچلا جانباز تھا۔فن حرب میں یکتائے زمانہ تھا۔آنکھ بند کر کے آواز پر تیر مارنا اس کے لئے معمولی بات تھی۔

پرتھی راج کی تعریف میں اس کے حسن، طاقت و توانائی کے افسانے نظموں، گیتوں اور شعروں میں بیان کئے گئے ہیں۔ایک ہندی رزمیہ نظم جو ملک الشعراء چندر بردائی نے لکھی، اور جسے بہت شہرت ملی، اس میں پانچ ہزار سے زائد اشعار ہیں۔

(تاریخ گوجر گونج، ص،۱۳۲، تاریخ گرجر، ج۱، ص،۴۶۴)

اس نے اپنے باپ کا انتقام لینے کی خاطر راجہ بھولا بھیم پر چڑھائی کردی۔ بھولا بھیم شکست کھا کر بھاگ گیا، اور پرتھی راج فتح یاب ہوکر تمام گجرات اور کاٹھیا واڑ پر قابض ہوگیا۔

مؤرّخین تسلیم کرتے ہیں کہ پرتھوی راج (رائے پرتھورا) صحیح معنیٰ میں شمالی ہند کے راجاؤں کا ہیرو رہنما تھا۔ یہ دربار میں علم و فضل کا قدردان، اور میدان جنگ میں نصرت نشان تھا۔

اس کے دربار میں کئی شاعر اور مصنف تھے۔پرتھی راج (رائے پرتھورا) علماء و فضلا کا جو ہر شناس اور سپاہیوں کا قدردان تھا، اس کے ایک ہاتھ میں اگر تلوار تھی تو دوسرے ہاتھ میں قلم، ایسے بہت کم بادشاہ گزرے ہیں جو سیف و قلم دونوں کے مالک ہوں۔

راجہ پرتھی راج اور راجہ جے چند، (والئی قنوج) دونوں راجہ دہلی اننگ پال تنور کے نواسے تھے۔جس کی تفصیل یہ ہے کہ دسویں صدی عیسوی میں دہلی کی سلطنت پر تنور خاندان حکمران تھا، ہندوستان کے تمام راجاؤں میں ان کی بڑی شان و شوکت تھی۔اس خاندان کا اخیر راجہ، راجہ اننگ پال ثانی تھا۔

راجہ دہلی اننگ پال اگر چہ مہاراجہ تھا مگر اس کی کوئی نرینہ اولاد نہیں تھی جس کا اُسے بڑا رنج تھا، اگر چہ اس کی کئی رانیاں تھیں لیکن اولاد کا دینا نہ دینا یہ رب العالمین کے دست قدرت میں ہے، جسے چاہے بیٹے دے، جسے چاہے بیٹیاں، جسے چاہے دونوں دے دے، اور جسے چاہے محروم رکھے۔

این سعادت بزور بازو نیست

تانه بخشد خدائے بخشنده

آخر جب اس کی عمر کا پیمانہ لبریز ہونے لگا، اور زندگی کی امید نہ رہی تو اسے اپنی سلطنت اور تاج وتخت کی فکر دامن گیر ہونے لگی کہ میری آنکھیں بند ہونے کے بعد اس قدر وسیع وعریض سلطنت اور فوج کا کون مالک ہوگا اس لئے راجہ اننگ پال نے اپنے نواسے پرتھی راج جس کو رائے پتھورا بھی کہتے ہیں جو نہایت ہی بہادر اور بے شمار خوبیوں کا مالک تھا اس کو ہمہ صفت سے موصوف پا کر اپنا متبنّٰی (منہ بولا بیٹا) بنا کر اپنا ولی عہد مقرر کر دیا، اور اپنی زندگی میں سلطنت دہلی کا تاج وتخت پرتھوی راج کو حوالے کر کے فوت ہو گیا۔

اس طرح راجہ پرتھوی راج بغیر تلوار اٹھائے، اور خون بہائے دہلی اور اجمیر دونوں سلطنتوں کا مہاراجہ اور مالک بن گیا۔ دادا کی میراث سے اس کو اجمیر کی سلطنت اور نانا کی طرف سے دہلی کا تخت اس کے ہاتھ آیا۔ اور یوں اجمیر کا راجہ، چوہان خاندان کا آفتاب 1170ء میں دہلی کے تخت پر جلوہ افروز ہوا، تخت نشینی کے دربار میں بچے سے لے کر بوڑھے تک سب نے جان نثاری اور وفاداری کا حلف اٹھایا۔

(شاہان گوجر ص ۳۷۵)

اس کی حدود سلطنت اٹک سے لے کر مشرق میں گنگا کے بائیں کنارے کی جانب شہر رام پور تک، اور جنوب میں گوالیار تک تھیں۔ "اننگ پال تومر" کے انتقال کے بعد پرتھوی راج چوہان نے "تومر" سرداروں کو جاگیریں اور عہدے دیئے، اور بہادر "تومروں" نے ہر لڑائی میں پرتھوی راج کا ساتھ دیا۔

تخت پر بیٹھتے ہی شجاعت اور شوکت نے اس کے ہاتھ چومے۔ اس کے ہاتھوں ایک زبر دست راجہ پرمال چندیل کی شکست، اور 1182ء میں مہوبا کی شاندار فتح نے اس کی شہرت کو دور دور تک پہنچا دیا تھا۔

تخت نشینی کے چند ہی سال بعد پرتھوی راج چوہان نے چندیلہ خاندان کی حکومت پر حملہ کیا، جس کا دار

الخلافہ کالنجر تھا۔اس لڑائی میں جے چند کی ہمدردیاں چندیلوں کے ساتھ تھیں۔آخر کار پرتھوی راج چوہان نے مہوبہ کی سلطنت ختم کر کے اُسے اپنی حکومت میں شامل کرلیا

جب پرتھوی راج کی لڑائیاں مہوبہ کے چندیلہ گوجروں اور قنّوج کے گرھوال گُوجروں سے چلیں تو وہ خود بھی دلّی آ گیا، اوراس نے دلّی کو بے حد عروج بخشا۔

قلعہ رائے پتھورا

دریائے جمنا کے کنارے قلعہ بنایا گیا جو آج تک " رائے پتھورا " کا قلعہ کہلاتا ہے۔اور ایک بلند لاٹ تعمیر کرائی جس میں چکردار(یعنی گولائی میں) سیڑھیاں تھیں۔ ان سیڑھیوں پر چڑھ کر شاہی گُوجر خواتین صبح و شام دریائے جمنا کا درشن (نظّارہ) مذہبی نقطۂ نظر سے کیا کرتی تھیں۔

مابعد زمانہ میں قطب الدین ایبک نے اس لاٹ کی اوپر کی منزل گرادی، اور اُنہیں پتھروں سے اس لاٹ کی دوبارہ تعمیر کرائی گئی، اور اُس کا نام قطب مینار رکھا گیا۔اس کا انکشاف انگریز دورحکومت میں اُس وقت ہوا جب کہ اس مینار کے اوپر کا حصّہ منہدم ہوا، اور اس کے پتھروں پر سنسکرت زبان میں کچھ اشلوک (یعنی دعائیں) لکھی ہوئی پائی گئیں۔

(تاریخ گرجر،ج 1،ص۲۳۵)

راجہ جے چند والئی قنوج کا پرتھوی راج کے ساتھ کینہ

گنگا کے مشرق میں اسی زمانہ میں قنّوج کی ایک بڑی زبردست سلطنت خاندان گڑھوار (گڑھواں) کی تھی جس کی مشرقی حدود وسط بنگال تک تھی۔اوراس کا راجہ جے چند تھا۔

راجہ جے چند والئی قنوج جوحاکم دہلی اننگ پال تنور خاندان کا نواسہ تھا،اس کو یہ بات سخت ناگوار گزری کہ تنور خاندان کی گدّی کا استحقاق جیسا کہ پرتھی راج کو ہے، ویسا ہی مجھ کوبھی ہے، جیسا وہ نواسہ ہے ویسا ہی میں بھی ہوں، پرتھی راج کوتو نانا کی وراثت میں سے دہلی کا تخت ملا اور مجھے محروم کر دیا گیا،اس لئے اس کے دل میں پرتھی راج کے خلاف سخت کینہ پیدا ہو گیا مگراس نے اپنے کینہ کواپنے دل میں چھپائے رکھا۔

پرتھوی راج جیسے بہادر تھا، ویسا ہی فصیح و بلیغ بھی تھا۔جب ۵۸۲ھ مطابق ۱۲۰۱ء، یا اکثر مؤرّخین کے

مطابق 1191ء میں غازی شہاب الدین غوری نے شمالی ہندوستان پر حملہ کیا۔تو پرتھوی راج نے ہندوستان کے تمام راجاؤں کے نام ایک مراسلہ لکھا جس میں وہ ان سے یوں مخاطب ہوا:

پرتھوی راج کا قوم کے راجاؤں کے نام مراسلہ

"برادارانِ قوم"!

ہمارے موروثی ملک پر اس وقت ایک مسلمان حملہ آور ہوا ہے، مذہب کی حمایت، ملک کی حفاظت، قوم کی پاسبانی، عزت کی نگہبانی ہم پر واجب ہے۔اگر ہم آپس کے جھگڑوں میں الجھے رہے تو ملک وعزت دونوں ہاتھ سے جاتے رہیں گے، اس سے زندہ جل جانا ہی بہتر ہے، یہ آبدار تلواریں ہمارے بزرگوں کی ہمارے پاس امانت ہیں، انہوں نے کبھی نیام کا منہ نہیں دیکھا، دشمنوں کی گردن اور سینے ہمیشہ ان کی نیام رہے ہیں، یہ جنگ میں بجلی کی طرح چمکتی، اور سیاہ بادلوں کی طرح برستی رہی ہیں۔

آج ہمارے بزرگوں کی روحیں ہماری شمشیر زنی دیکھنے کے لئے آسمان سے اتر رہی ہیں، انہوں نے ہماری پرورش اسی دن کے لئے کی تھی کہ ہم اُن کی تلواروں کو دشمن کے خون سے دھو کر چمکائیں، اور یہ ثابت کریں کہ ہم نے ان کی امانت کو زنگ آلود نہیں ہونے دیا۔ اس وقت نہ صرف ناموس ملک کا پاس ہے، بلکہ مذہب وملّت کی حفاظت کا بھی سوال ہے۔مذہب جان سے زیادہ عزیز ہے جس کو مذہب کا پاس نہیں، اُس سے کوئی آس نہیں۔

بہادرو! جان پر کھیلنے والو!

یہ سر زمین ہمارے باپ دادا کی گوشت و پوست کی امین ہے، اس کے چپّہ چپہ میں ہمارے بزرگ راجاؤں، مہاراجاؤں کی خاکستر مدفون ہے۔ کیا تمہاری عزت وشجاعت یہ گوارا کر سکتی ہے کہ ہمارے دشمن کے گھوڑے ہمارے بزرگوں کی خاکستر کو پائمال کریں، اور ہم اپنے ننگ و ناموس کی بربادی کو خون آلود آنکھوں سے دیکھیں؟ ہم غلامی کے لئے نہیں بلکہ دنیا کو غلام بنانے کے لئے بھیجے گئے ہیں۔

اگر ہمیں مرنا ہے تو بہتر ہے کہ بہادروں کی موت مریں، اور دنیا میں اپنا نام چھوڑ جائیں۔ہمارے بزرگوں نے کئی ہزار سال تک دوسری قوموں سے اپنی شجاعت کا لوہا منوایا، کیا آج ہم دشمن کے ڈر سے اس جوہر بے بہا کو رائگاں کر سکتے ہیں؟

عیش وآرام عورتوں کے لئے ہے، "زرّہ" ہمارا بستر، "خود" ہمارا تکیہ، "تلوار" ہماری ہم خوابہ ہے، بہتر ہے کہ ہم بسترِ استراحت کے بجائے گھوڑوں کی پشت پر جان دیں، اور اپنے جسم وجان کو میدان کارزار میں غلطیدۂ خاک وخون کریں۔

تلوار کے دھنی بہادو!۔۔۔اگر لیٹے ہوئے ہوتو اُٹھ بیٹھو، اگر بیٹھے ہوئے ہوتو کھڑے ہو جاؤ، اور اگر کھڑے ہوئے ہوتو دوڑو۔۔۔تم دینا کو شانِ شجاعت دکھاؤ، اور دشمن سے اپنی تلوار کا لوہا منواؤ، وقت تنگ ہے، برقِ سوزاں کی طرح دفعۃً دشمن پر گرو، اور پہاڑ کی طرح مستحکمانہ میدان میں کھڑے ہو جاؤ۔

ترائن یا تراوڑی کی پہلی لڑائی ۱۱۹۱ء
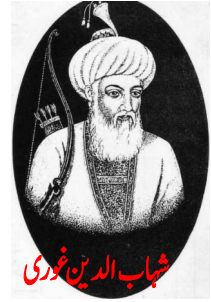
اس مراسلہ نے جادو کا اثر کیا، جس نے پڑھا تلوار اٹھائی اور گھوڑے پر سوار ہوکر ایڑ لگاتا ہوا تھانیسر کے قریب تراوڑی کے میدان میں شہاب الدین غوری کے بالمقابل پہنچ گیا۔ ڈیڑھ سو (150) راجگان ہند پرتھی راج کو مدد دینے کے لئے تیار ہو گئے اور مع اپنی فوجوں اور لاؤلشکر کے اُس کے قومی و مذہبی جھنڈے کے نیچے آ موجود ہوئے، جس کے بعد پھر تھانیسر کے قریب تراوڑی کے میدان میں دریائے سرستی کے کنارے دونوں افواج کے درمیان سخت معرکہ ہوا کئی روز تک ہنگامۂ کارزار گرم رہا۔ گوجر راجپوتوں نے بڑی دلیری اور جوانمردی سے جان توڑ مقابلہ کیا، اور اپنی جانبازی کے جو ہر دکھائے، یہاں تک کہ مسلمان سپاہیوں کے قدم اکھڑنے لگے۔ شہاب الدین کے لشکر کا میمنہ اور میسرہ بالکل خالی ہو گیا۔ قلب لشکر میں البتہ کچھ لشکری باقی رہ گئے۔

لشکر کی یہ بے ترتیبی اور بد حالی دیکھ کر شہاب الدین کے ایک امیر نے اس کو بتایا کہ ہماری فوج کے میمنہ اور میسرہ کے دونوں امیر جو کہ غوری خاندان کے پروردہ اور پرداختہ تھے، خوف زدہ اور بدحواس ہوکر میدان جنگ سے فرار ہو چکے ہیں۔ اسی طرح مقدمۃ الجیش کے افغانی اور خلیجی سردار بھی جو ہمیشہ بڑی بڑی باتیں کیا کرتے تھے اس وقت میدان جنگ سے غائب ہیں۔ اس لئے میرا مشورہ ہے کہ آپ بھی اس وقت جنگ سے کنارہ کشی اختیار کریں، اور لاہور کی طرف روانہ ہو جائیں۔

شہاب الدین نے اس کے مشورہ کو نظر انداز کرتے ہوئے باقی ماندہ سپاہیوں کے ساتھ دشمن پر حملہ کر دیا مگر

اچانک پرتھوی راج کے بھائی، دہلی کے راجہ کھانڈے رائے کی نظر اس پر پڑی اور ہاتھی کے اوپر سے ہی شہاب الدین کے بازو پر تلوار کا ایسا وار کیا کہ شہاب الدین بری طرح زخمی ہو گیا۔

عین ممکن تھا کہ شہاب الدین اس زخم کی تاب نہ لاتے ہوئے بیہوش ہو کر اپنے گھوڑے سے گر پڑتا کہ ایک خلجی سپاہی نے بڑی پھرتی سے بادشاہ کو اس مصیبت سے نجات دلائی۔ وہ شہاب الدین کے گھوڑے پر چڑھ گیا اور اس کو اپنی گود میں لے کر میدان جنگ سے بھاگ نکلا، اور اُسے لے کر اُن امیروں کے پاس جا پہنچا جو میدان جنگ چھوڑ کر پہلے ہی بھاگ چکے تھے۔ چوہان گوجروں نے افغان فوج کا کئی میل تک تعاقب کیا۔ اور جو افغان گوجروں کے ہاتھ سے زندہ بچ گئے تھے وہ سندھ کے پار بھاگ گئے۔

شہاب الدین غوری ہندوستانی علاقوں کی حکومت اپنے قابل اعتماد امیروں کے سپرد کرنے کے بعد واپس غور چلا گیا۔ غورستان پہنچ کر شہاب الدین نے میدان جنگ سے بھاگنے والے افغان امیروں سے تو کچھ نہ کہا، لیکن خلجی اور غوری امیروں کو سخت سزا دی۔

اُس نے توبروں میں کچّے جو بھروا کر ان امیروں کی گردن میں لٹکا دیئے، اور اسی عالم میں ان کو سارے شہر میں پھرایا۔ شہاب الدین نے حکم دیا کہ جو امیر اپنے توبرے کے جو نہ کھائے اسے قتل کر دیا جائے۔ امیروں نے اپنی جان کی سلامتی کی خاطر توبروں کے جو کھا لئے، اور اس مصیبت سے چھٹکارا حاصل کیا۔

(تاریخ فرشتہ۔ ج ۱، ص ۱۴۵)

اس طرح گوجروں نے افغانوں کو شکست فاش دے کر اپنی بہادری و مردانگی کا ثبوت دیا۔۔ تمام راجے فتح و نصرت کے جھنڈے اڑاتے ہوئے دارالسلطنت کو واپس ہوئے۔

راجہ جے چند والئی قنوج کی پرتھوی کے خلاف ایک اور سازش

اس جنگ کے موقعہ پر راجہ جے چند والئی قنوج نے (جو پرتھوی راج کے ساتھ حسد میں مبتلا اور مخالف تھا) اس قومی جنگ میں شامل نہ ہوا، اور نہ ہی اس نے پرتھی راج کی کسی قسم کی امداد کی۔ بلکہ بزدلانہ اپنے گھر میں پرتھوی راج کی شکست یا قتل کی خبر کا منتظر بیٹھا رہا۔ وہ اس انتظار میں تھا کہ کسی طرح پرتھوی راج کو شکست ہو جائے مگر پرتھوی راج کی فتح نے اس کے تمام منصوبے خاک میں ملا دیئے۔

راجہ جے چندوالئی قنوج کی طرف سے اپنے لئے مہاراجہ ادھیراج، اور اپنی حسین بیٹی "سن جیکتا" یا سنجوگتا، نامی کے لئے سویمبر کا اعلان

جب پرتھوی راج کی فتح کی خبریں قنوج پہنچیں تو جے چند کی آتش حسد اور بھڑک اٹھی ۔شہاب الدین غوری کے جانے کے بعدراجہ جے چندنے ایک اورمنصوبہ بنایا کہ کسی تقریب کے بہانے پرتھی راج کو بلا کرفریب سے گرفتار کر لے، یا اس سے فرمانبرداری کا اقرار لے لے۔

اس کے لئے اس نے اپنی حسین بیٹی "سن جیکتا" نامی کے لئے سویمبر کا اعلان کیا۔اوراس کے ساتھ ساتھ اس نے اپنے لئے تمام شمالی ہندوستان کا ادھیراج ہونے کا دعویٰ کیا۔

(ادھیراج سے مرادمہاراج یا شہنشاہ کا خطاب ہے،یعنی میں تمام شمالی ہندوستان کا شہنشاہ ہوں: شاکرؔ)۔

اورتمام گوجر راجپوت راجاؤں کو اپنا تابع سمجھ کر ان کے نام دعوت نامے جاری کئے۔اورمہاراجہ ہونے کی حیثیت سے اس تقریب میں سب راجاؤں کومختلف کام سونپے گئے،اور پرتھی راج کے لئے دربانی کا عہدہ تجویز کیا گیا تھا۔

اس تقریب میں اور راجہ تو آئے مگر پرتھوی راج نہیں آیا،اس کی ایک تو یہ وجہ تھی کہ پرتھوی راج کو جے چند پر اعتمادنہیں تھا کہ کہیں دھوکہ سے وہ اسے قتل نہ کرادے، اور دوسرے پرتھوی راج اس کے ادھیراج ہونے کے دعویٰ کوتسلیم نہیں کرتا تھا، اور وہ اسے حقیر سمجھتا تھا۔

پرتھوی راج کے اس جلسہ میں شرکت نہ کرنے کی وجہ سے اس کی آتش غضب شعلہ زن ہوگئ، اوراُس نے پرتھوی راج کی غیر حاضری کا انتقام اس طرح لیا کہ پرتھی راج کی حقارت وذلت کے اظہار کے لئے اس کا مجسمہ بنا کر اپنے قلعے کے دروازے پرنصب کر دیا یہ ظاہر کرنے کے لئے کہ وہ میرا دربان ہے۔لیکن آگے جا کر وہی مجسمہ پرتھوی راج کی عظمت وشوکت کی بنیاد بن گیا۔

سویمبر کی رسم

پہلے راجاؤں کے ہاں یہ رسم ہوا کرتی تھی کہ جب ان کے ہاں کوئی راج کنواری بلوغت کی عمر کوپہنچتی تو وہ

سویمبر کا جشن رکھتے تھے اور اس میں شرکت کے لئے تمام ملک کے راجاؤں اور معزز راجپوتوں کو دعوت دی جاتی تھی کہ وہ اس جشن میں شریک ہوں۔ تمام راجے ایک صف میں کھڑے ہو جاتے تھے۔

راج کنواری کو بلا کر راجاؤں سے تعارف کرایا جاتا تھا، اور اُسے اجازت دی جاتی تھی کہ ان میں سے جس کو وہ چاہے اپنے خاوند کے طور پر اپنے لئے پسند کرلے۔ جس کو وہ پسند کرتی اُس کے گلے میں پھولوں کا ہار ڈال دیتی، اور اُس کے ساتھ اس کی شادی ہو جاتی تھی۔ اس رسم کا نام ان کی اصطلاح میں سویمبر تھا۔

مختصر یہ کہ سویمبر کی کاروائی شروع ہوئی، ایک وسیع چبوترہ سنگ مرمر کا تعمیر کیا گیا تھا، اور اس پر پرانی قالینیں جن پر کہکشانی بیل بوٹے بنے ہوئے تھے بچھا کر اس پر قرینہ سے علیٰحدہ علیٰحدہ مسندوں پر اس طرح گاؤ تکیے رکھے گئے تھے کہ جس سے ہلال کی طرح نصف دائرہ بن گیا تھا۔ جو راجے دور دراز سے بن ٹھن کے آئے تھے ان میں سے ہر ایک راجہ اپنے دستۂ فوج کے ساتھ تزک و احتشام سے اس چبوترہ کے سامنے سے گزر کر اپنی مقررہ نشت گاہ پر بیٹھ جاتا اور اُس کا فوجی دستہ ایک صف کی صورت میں اس کے پیچھے کھڑا ہو جاتا۔

ادھر راج کماری سنجکیتا یا سنجوگتا پہلے ہی سے پرتھوی راج کی بہادری اور خوبصورتی کی داستانیں سن سن کر ہزار جان سے اس پر فریفتہ تھی، اور اس بات کو پرتھوی راج چوہان بھی جانتا تھا۔

جب سب راجے مہاراجے مسند آرا ہو چکے تو راجہ جے چند کی بیٹی بنام سن جیکتا، کے نکلنے کا وقت آیا۔ کچھ لمحوں کے انتظار کے بعد جواہرات میں غرق سنجکیتا اپنی سہیلیوں کے ساتھ خراماں خراماں اپنے ہاتھ میں پھولوں کی مالا لئے نکلی۔ سب مسند آرا راجے تعظیم کے لئے کھڑے تھے، جس راجہ کے سامنے سے گزرتی، بیدی اس راجہ کا حسب و نسب اور وسعت سلطنت و اخلاق کی داستان سناتا۔

سب کی آنکھیں محو تماشا تھیں کہ دیکھئے کس کی قسمت یاوری کرتی ہے، اور یہ نور کی بدلی کہاں برستی ہے؟ اس طرح وہ آہستہ آہستہ جھومتی جھامتی، دیکھتی بھالتی، راجاؤں کے ہلالی دائرے کو کاٹتی ہوئی صف کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک چلی گئی، اور بہزار جان فدا ہو کر پرتھوی راج کے مجسّمہ کے گلے میں ہار ڈال دیا۔

تمام راجاؤں کے چہروں پر ہوائیاں اڑنے لگیں، ایک شور بپا ہو گیا، کسی کو اس بات کی امید نہیں تھی کہ راج کنواری اس بُت کو سرفراز کرے گی۔

پرتھی راج جو بھیس بدل کر اپنے چند محرم راز ساتھیوں کے ساتھ وہاں موجود تھا، اُس نے جب راج کنواری سنجیکتا کو اپنے مجسمہ کے گلے میں ہار ڈالتے ہوئے دیکھا تو فوراً ہی آگے بڑھ کر اس کو ہاتھ سے پکڑا اور اپنے تیز رفتار گھوڑے پر بیٹھا کر دہلی کی طرف اس طرح لے اُڑا جس طرح دیو پری کو اٹھا لیتا ہے۔ سواروں کا ایک دستہ بھی پرتھی راج کے ساتھ تھا جو چشم زدن میں لوگوں کی نگاہوں سے اوجھل ہو گیا۔

اس واقعہ سے چوہان اور راٹھور گوجر راجپوتوں میں ایسی سخت لڑائی شروع ہو گئی جس نے گوجروں کا اتحاد درہم برہم کر دیا۔ اخیر میں راٹھوروں کو شکست فاش نصیب ہوئی۔

(تاریخ گوجراں. شاہان گوجر. تاریخ گرجر)

ترائن یا تراوڑی کی دوسری لڑائی

آپس کی پھوٹ کا نتیجہ

اس وقت غصّے سے بھرے ہوئے راجہ جے چند والئی قنوج نے پرتھوی راج چوہان سے اپنی شکست کا بدلہ لینے کے لئے پھر سلطان شہاب الدین غوری کو پیغام بھیجا کہ آپ ایک بار پھر دہلی پر حملہ کریں، میں آپ کی مدد کروں گا۔ غازی شہاب الدین گوجروں سے انتقام لینے کے لئے پہلے ہی سے بڑا بھاری لشکر جمع کئے بیٹھا تھا، اس نے تمام غوری سرداروں اور سپہ سالاروں کی مٹّی پلید کی تھی جو تھانیسر میں میدان چھوڑ کر بھاگ گئے تھے۔

اس نے نئے لشکر کی تیاری میں دن کا چین اور رات کا سکون اپنے اوپر حرام کر لیا تھا، اور شکست کے دوسرے ہی سال اس نے ترکی، خلجی، اور افغانی سرداروں اور سپاہیوں پر مشتمل ڈیڑھ لاکھ کا لشکر تیار کر لیا تھا۔

جب شہاب الدین کو راجہ جے چند کا پیغام ملا تو ۵۸۸ھ مطابق 1207ء اور بعض مؤرّخین کے نزدیک 1192ء میں پھر وہ ڈیڑھ لاکھ کی فوج لے کر عمدہ افغانی گھوڑوں پر سوار ہو کر دہلی کی طرف روانہ ہوا۔

اس دفعہ بھی رائے پتھورا نے ہندوستان کے تمام راجاؤں کو اپنی مدد کے لئے خطوط لکھے، سبھی راجاؤں نے رائے پتھورا کا ساتھ دینے کا اعلان کیا، سوائے راجہ جے چند اور راٹھور راجہ کے جو پرتھی راج کی مدد کو نہ آئے۔

پرتھی راج چوہان اس دفعہ پھر چوہان گوجروں کو لے کر تھانیسر کے میدان پر دوبارہ شہاب الدین غوری سے دو چار ہوا۔ شہاب الدین کو ہندوؤں کی فوج کی بہادری کا اور سرگرمی کا پورا پورا علم تھا، لہٰذا اس نے اپنی فوج کو

چار حصوں میں منقسم کیا، اور ہر حصّے کو یہ ہدایت کی کہ باری باری ہندوؤں سے لڑائی کرے۔

شہاب الدین غوری نے اپنی فوج کو یہ ہدایت بھی کی کہ جب ہندوستانی ہاتھیوں کی قطاریں مسلمانوں پر حملہ آور ہوں تو یہ لوگ جنگ کے میدان سے منہ موڑ کر ہندوؤں کے مقابلے سے بھاگیں۔ اور یوں ظاہر کریں کے وہ شکست کھا کر بھاگ رہے ہیں، مگر جب ہندوستانی لشکر ان کا پیچھا کرتے ہوئے اپنی حدود سے بہت باہر نکل آئیں تو پھر مسلمان لشکر یکبارگی پلٹ کر ان پر حملہ آور ہوں، اور انہیں موت کے گھاٹ اتار دیں۔ چنانچہ اس کی ہدایت کے مطابق میدان جنگ میں یہ سب کچھ ہوتا رہا، اور ہر طرح کی کوشش ہوتی رہی لیکن اس کے باوجود صبح سے لے کر عصر تک ہندوؤں کے قدم میدان جنگ سے نہ اکھڑ سکے۔

جب شہاب الدین نے دیکھا کہ یہ ساری کوششیں بے کار جارہی ہیں تو اس نے بارہ (12) ہزار بہادر سواروں کے ساتھ ایسا زبردست حملہ کیا کہ ہندوؤں کے قدم میدان جنگ سے اکھڑ گئے، ان کی صفوں میں انتشار پیدا ہو گیا۔ اور دیکھتے ہی دیکھتے کھانڈے رائے اور دوسرے بہت سے چوہان راجہ ہلاک ہو گئے۔

(تاریخ فرشتہ ،ج ۱،ص ۱۴۸)

چوہان گوجر اس دفعہ بھی اپنے راجہ اور اپنے ملک کے نام پر خوب جان توڑ کر لڑتے رہے، شجاعت اور بہادری سے جان دی، آپس میں عہد کیا کہ جب تک مسلمانوں کو بالکل ختم نہ کرلیں اس وقت تک اپنی تلواریں میان میں نہ رکھیں گے، مگر افغان فوج اُن پر غالب آ گئی۔ چوہان گوجر تتر بتر ہو گئے، اور پرتھی راج اکیلا میدان جنگ میں لڑتا ہوا مارا گیا۔ ہندوؤں کی ایک روایت ہے کہ پرتھی راج گرفتار ہو گیا تھا، اور شہاب الدین اسے اپنے ساتھ غزنی لے گیا تھا، اسے وہاں شاہانہ طور پر رکھا گیا مگر وہ موقعہ پا کر بھاگ نکلا اور پکڑا گیا اور اُسے وہاں مار دیا گیا۔

(شاہان گوجر ص 384)

اور پرتھوی راج چوہان کے بارے میں ایک روایت یہ بھی ہے کہ شہاب الدین غوری اس کو گرفتار کرنے کے بعد غزنی لے گیا، اور اس کی دونوں آنکھوں میں سلائی پھروا کر اُسے اندھا کر دیا۔ اور ایک تہہ خانہ میں پا بہ زنجیر کر کے مقیّد کر دیا گیا۔

پرتھوی راج کا وفادار درباری شاعر چند بردائی غزنی پہنچا، اور اس نے شہاب الدین کے دربار میں باریابی کا شرف حاصل کیا، اور اپنی عقل و فراست سے شاہی دربار میں اپنا خاص مقام حاصل کیا۔ کبھی کبھار وہ قید خانہ میں

جا کر اپنے مہاراجہ سے ملاقات کرتا، اور اس کو اس حالت میں دیکھ کر خون کے آنسو روتا تھا۔

پرتھوی راج چوہان کی آواز پر تیر کا نشانہ لگانے کی باتیں ہر طرف پھیلی ہوئیں تھیں۔ایک روز شہاب الدین محمد غوری نے دربار میں چند بردائی سے پوچھا کہ کیا یہ بات صحیح ہے کہ پرتھوی راج چوہان آواز پر تیر کا نشانہ لگاتے ہیں؟ چند بردائی نے جواب دیا کہ بالکل صحیح ہے۔چنانچہ محمد غوری اور درباریوں کے دل میں قیدی راجہ کا تماشہ دیکھنے کی خواہش پیدا ہوئی۔چند پلیٹیں الگ الگ جگہوں پر لٹکائی گئیں اور پرتھوی راج چوہان کو پابہ زنجیر لایا گیا اور اس سے کہا گیا کہ جس پلیٹ پر آواز ہو وہ اس پر تیر کا نشانہ لگائے۔اسے تیر کمان دی گئی اور جونہی پہلی آہنی پلیٹ پر ضرب لگائی گئی پرتھوی راج چوہان نے تیر چھوڑا اور ٹھیک نشانے پر لگا۔

محمد غوری نے فاخرانہ لہجے میں کہا راجہ کتنا دلاور اور ماہر حرب ہے۔چند بردائی جو مہاراجہ کے پاس ہی کھڑا تھا اس نے مہاراجہ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ اے مہاراجہ! جس دھوکے باز نے تیری آنکھیں پھوڑی ہیں یہ وہی ہے جو گھمنڈ کے ساتھ بول رہا ہے۔سلطان کے تخت کا فاصلہ اندازاً چار بانس، چھ گز اور آٹھ انگل ہے۔اے چوہان مت چوک، اور موقعہ ہاتھ سے نہ جانے دے۔اتنا سننا تھا کہ پرتھوی راج چوہان نے ایک تیر کمان پر رکھ کر چھوڑا جو محمد غوری کے حلق میں لگا اور وہ وہیں ڈھیر ہو گیا۔جس کے بعد چند بردائی نے خود ہی اپنے ہاتھ سے اپنے مہاراجہ کا سر اڑا دیا تا کہ غیر کی تلواریں اس کے آقا کو نہ چھو سکیں۔۔۔۔واللہ اعلم

(تاریخ گوجر ،ج۱،ص ۴۸۹)

حکومت اجمیر کا اختتام

شہاب الدین محمود غوری نے اجمیر کے فتح کے بعد پہلے دہلی کو فتح کیا، پھر اجمیر میں گیا اور بہت سا مال لُوٹ کر واپس غزنی چلا گیا لیکن جانے سے پہلے پرتھی راج کے بیٹے رین سی کو اس کی آبائی ریاست اجمیر واپس دے گیا، اور اپنے نائب قطب الدین ایبک کو ہند میں ان صوبوں کی حکومت اور انتظام کے لئے چھوڑ گیا جو اس نے فتح کئے تھے۔

راجہ رین سی

پرتھی راج کا بیٹا رین سی بڑے امن وچین سے اسلامی سلطنت کے ماتحت اجمیر پر حکومت کر رہا تھا کہ

۵۹۴ھ مطابق 1213ء میں اس کے ایک مخالف راجہ ہیم راج نے پہاڑی اقوام کی افواج لے کر اجمیر پر حملہ کر دیا۔ قطب الدین ایبک جس کے ماتحت ریاست اجمیر تھی وہ بہت سی فوج لے کر راجہ رین سی کی مدد کے لئے دہلی سے روانہ ہوا۔لیکن اس کے پہنچنے سے پیشتر ہی راجہ رین سی کے مخالف راجہ ہیم راج نے اجمیر پر قبضہ کر کے راجہ رین سی کو قتل کر دیا۔جس کے بعد چوہان گوجروں کی اس عظیم الشان سلطنت کا ہمیشہ کے لئے اجمیر سے خاتمہ ہو گیا۔

(تاریخ گوجراں۔ص۳۳۸)

چوہانوں کی سلطنت کی وسعت

زمانہ قدیم کی منظوم تاریخوں سے یہ ظاہر ہے کہ ہندوستان کی تمام ریاستیں چوہان گوجروں کے ماتحت تھیں مکاوتی نگر واقع ساحل تربدا سے مہیشر تک ان کی دار الریاست وسیع تھی جس میں گردو نواح کے کل علاقہ جات شمالی و جنوبی شامل تھے۔ چوہانوں کی کثرت اتنی ہو گئی تھی کہ تمام ہندوستان میں ہر جگہ یہی نظر آنے لگے تھے۔ اندو، اسیر، گولکنڈہ، کوکن سب ان کے زیرنگین ہو گئے تھے۔شمال میں دریائے گنگ تک ہر جگہ انہی کی حکومت کا ڈنکا بجتا تھا۔ چنانچہ کبشیر ان کی حکومت کا یوں ذکر کرتا ہے کہ مکاوتی دار الریاست (یعنی دار الخلافہ) کا باون (52) قلعوں میں ڈنکا بجتا تھا۔ٹھٹھہ، لاہور، ملتان، اور پشاور چوہانوں کے قبضے میں تھے۔اور ہربدری ناتھ تک انہوں نے حکومت قائم کی ۔دہلی سے کابل تک ان کا سکّہ بیٹھ گیا۔راجہ ملان دئیو کو ملک نیپال کی حکومت ملی۔

(تاریخ گوجراں۔ص۳۲۶)

پیشہ چوپانی اختیار کرنا

چوہان خاندان کے وہ خانوادے جن کے ہاتھ میں ریاست اور حکومت نہیں تھی انہوں نے پیشہ چوپانی اختیار کر لیا۔اور پیشہ کاشتکاری کو اس لئے اختیار نہ کیا کہ مبادا ہمیں ویشوں میں شمار نہ کیا جائے جو کہ چھتریوں سے نیچے درجے کے لوگ تھے،اس لئے انہوں نے پیشہ کاشتکاری چھوڑ کر پیشہ چوپانی کو اختیار کیا جو سری کشن جی اور دیگر ہندو چھتری بزرگوں کا طریق کار رہ چکا تھا۔

اس کے علاوہ ان کے پیش نظر ایک سیاسی فائدہ بھی تھا کہ ہم گائے کے محافظ تصوّر کئے جائیں گے۔اور یہ بھی کہ اس ذریعۂ معاش کے ساتھ وہ آسانی سے اپنی روزی کما سکتے تھے۔

اُن چوہان راجاؤں کے نام جو صوبہ دہلی پر حکمران رہے

علّامہ ابوالفضل نے آئین اکبری جلد دوم صفحہ نمبر 146 پر دہلی پر فرمانروائی کرنے والے چوہان راجاؤں کی حکومت اور مدّت حکومت کا اس طرح ذکر کیا ہے۔

(1) راجہ ویسل دیو چوہان مدّت حکومت 6سال،ایک ماہ اور چار دن

چوہان خاندان کے اگر چہ تمام راجا اپنے اپنے وقت میں آسمان شجاعت وشوکت کے درخشندہ ستارے تھے مگر راجہ ویسل دیو (جس کے نام میں اختلاف ہے بعض نے ویسل دیو، ذکر کیا ہے،اور بعض نے بیسل دیو، یا بسال دیو ذکر کیا ہے) اور راجہ پرتھی راج اس خاندان کے آفتاب و ماہتاب تھے۔روایت ہے کہ راجہ ویسل دیو نے تمر خاندان سے دہلی کا تخت چھینا تھا۔ یہ راجہ بہت بڑا فاضل و ادیب،علوم وفنون کا حامی اور صنعت وحرفت کا معاون تھا۔

(2) امر گنگو چوہان	مدّت حکومت	5،سال،دو ماہ اور پانچ دن
(3) کھرپال چوہان	مدّت حکومت	20،سال،ایک ماہ اور پانچ دن
(4) سومیر	------	7،سال، چار ماہ اور آٹھ دن
(5) جاہر	------	4،سال، چار ماہ اور آٹھ دن
(6) ناگ دیو	------	3،سال،ایک ماہ اور پانچ دن
(7) پرتھی راج ،پتھورا	------	49،سال، پانچ ماہ اور ایک دن

معلوم ہوتا ہے کہ علامہ ابوالفضل نے صرف ان چوہان فرمانرواؤں کے نام درج کئے ہیں جن کی سلطنت بہت وسیع تھی ، ورنہ تاریخ میں تو بہت سے نام ملتے ہیں۔

چوہان راجاؤں کے ایسے متعدد سلسلے ہیں جو مختلف ملکوں پر فرمانروا رہے ہیں ، یا بحیثیت سردار کسی علاقے کے حاکم تھے۔ پرتھی راج چوہان کے بعد عرب مبلغین کی دعوت پر ،قائم میروانی، شیخاوانی ، لووانی ، کروانی سمیت چوہان گوجروں کے چودہ (14) سعادت مند سردار اسلام اور ایمان سے مشرف ہوئے۔

چوہان گوجروں کی گوتیں یا شاخیں

چوہان گوجروں کی گوتیں یا شاخیں تو بہت سی ہیں ،مگر مشہور ترین شاخیں چوبیس (24) ہیں جن کے نام مندرجہ ذیل ہیں:

چوہان، ہر، یا ہرہ، یا ہری ہر، سونی گرا، دیوڑا، پلہبا، یا پیپا، کیچی، یا کھیچی، ہیخوار، گوئل وال، بہدوریہ، یا بھدر نر بہان، مالانی، پوربیہ، سَور، مدریچہ، پالیچہ، بسیرہ، کچیرہ، یا کچریہ روسیہ، چندو، یا چندک نکمپ، بھاور، بنکٹ، بھوریچہ، سنگریچہ۔

(ٹاڈا راجستان.ص۲۴۳.ج۱.شاہان گوجر ص۳۸۷.تاریخ گوجراں.ص ۳۳۹)

ان کے علاوہ بعض مؤرّخین تاریخ گرجر وغیرہ نے مندرجہ ذیل کو بھی چوہان کی شاخیں لکھا ہے۔

باہر وال۔۔۔بھلیسر۔۔۔جیندر۔۔۔چال ۔۔۔چوہلہ یا چھاؤلہ۔۔۔کلشان۔۔۔کٹاریہ۔۔۔کلہینا۔۔۔کھلوہہ یا کھرلوہہ۔۔۔دوھوری۔۔۔سراندنہ۔۔۔ پھاگنہ ۔۔۔لوتر۔۔۔دیپہ یا داپہ۔۔۔دیورا۔۔۔شیکھروار۔۔۔کالس۔۔۔اورکلیسہ وغیرہ۔ (تاریخ گرجر،ص ۲۲۸،حصّہ پنجم)

کلشان، کالس اور کلیسہ

کلشان، کالس اور کلیسہ تین الگ الگ خاندان ہیں۔کلشان گوجر راجہ کلشہ راؤ چوہان کی اولاد ہیں جو کیرانہ کا راجہ تھا۔ کالس گوجر کالس دیو چوہان کی اولاد ہیں جو اپنے زمانہ میں رشی (یعنی ولی اللہ) تھا۔کلیسہ، راجہ کلس کی اولاد ہیں جو مشرقی پنجاب کا راجہ تھا۔کلیسہ خاندان کے گوجر زیادہ تر سکھ ہیں۔

(تاریخ گرجر.ج۵.ص۱۲۱)

چوہان خاندان کی ان شاخوں میں سے"ہر" یا" ہروتی" یعنی خاندان کوٹہ بوندی کی شاخیں زیادہ مشہور ہیں۔انہوں نے اپنی موروثی اور قدیمی شجاعت کو ہر زمانہ میں قائم رکھا۔جس وقت شاہ اورنگ زیب اپنے باپ شاہ جہان سے برسر پیکار تھا،اس وقت کوٹہ بوندی کے چوہان شاہ جہان کے جاں نثار و معاون تھے، اور اس جنگ کی صف اوّل میں ان کی تلواریں چمکتی تھیں۔

خاندان چوہان کی مختلف شاخیں اور حکومتیں

پرتاب گڑھ کے چوہان

چوہانوں کی مختلف شاخیں مختلف جگہوں پر حکومت کرتی تھیں۔ پرتھاروں کے عروج کے زمانہ یعنی آٹھویں صدی میں پرتاپ گڑھ (انگریزی: Uttar Pradesh,Pratapgarh district) بھارت کا ایک ضلع جو اتر پردیش میں واقع ہے۔) پر چوہان خاندان حکومت کرتا تھا۔ جو پرتھاروں کا حلیف تھا۔

پرتاپ گڑھ (پرتاپ کے معنی جانباز اور بہادر کے ہیں) یہاں ایک بڑا تاریخی قلعہ ہے۔ اس قلعہ کی تاریخی اہمیت یہ ہے کہ یہاں چھترپتی کی شیواجی کے عہد میں معرکہ پرتاپ گڑھ پیش آیا تھا اور اسی معرکے کی کامیابی کے بعد مرہٹہ سلطنت کا قیام ممکن ہوا۔ قلعہ کی اسی تاریخی اہمیت کے پیش نظر اب یہ ایک سیاحتی مقام ہے۔

(ملاحظہ ہو ہوگلوری ویٹ واز گرجر دیش حصّہ اول ودوم، مہندر پال چوہان کا کتبہ، اپی گرافیکا انڈ کا جلد ۱۴، ص ۱۸۲)

☆☆☆☆☆

دھاول پور (موجودہ دھولپور) کے چوہان

بانی شاخ: راجہ دھاول

اس شاخ میں مشہور راجہ چندمہاسین چوہان تھا جو دھول پور کا راجہ تھا۔

(دھول پور (انگریزی: Dholpur) بھارت کا ایک آباد مقام جو راجستھان میں واقع ہے۔ شاکر)

راجہ چندمہاسین چوہان نے 842ء میں مہر بھوج اعظم کی حمایت میں عربوں کو مغرب میں دریائے چرمن وتی (موجودہ پنج ند) کے علاقہ سے شکست دے کر ان کے دماغ سے گوجر دیش فتح کرنے کی خواہش نکال دی تھی۔ اور پھر بلوچستان سے بھی عربوں کا اقتدار ختم کیا۔ اس کی اولاد مدّت تک اس علاقہ پر حکمران رہی۔

(پنجند (Panjnad River) پنجاب میں ضلع بہاولپور کے انتہائی آخر میں ایک دریا ہے۔ دریائے پنجند پر پنجاب کے دریا یعنی دریائے جہلم، دریائے چناب، دریائے راوی، دریائے بیاس اور دریائے ستلج کے پانچ

دریاوں کا سنگم قائم ہوتا ہے۔جہلم اور راوی چناب میں شامل ہوتے ہیں، بیاس ستلج میں شامل ہوتا ہے اور پھر ستلج اور چناب ضلع بہاولپور سے 10 میل دور شمال میں اچ شریف کے مقام پر مل کر دریائے "پنج ند" بناتے ہیں۔مشترکہ دریا تقریباً 45 میل کے لیے جنوب مغرب بہتا ہے اور پھر کوٹ مٹھن کے مقام پر دریائے سندھ میں شامل ہوجاتا ہے۔ دریائے سندھ بحیرہ عرب کی جانب بہتا ہے۔پنجند پر ایک بند تعمیر کیا گیا ہے جو پنجاب اور سندھ کے صوبوں کو آبپاشی کے لیے پانی فراہم کرتا ہے۔شاکرؔ)

(ملاحظہ ہو ہو گلوری ویٹ واز گرجر دیش ۔ص۲۱، ذیس جر فٹ ڈرڈیوسن جن مور جنلینڈ سجن جیلس جیفٹ)

☆☆☆☆☆

سروہی

سروہی اور چھوٹن (سِروہی بھارت کی ریاست راجستھان کا ایک شہر ہے) کے علاقوں میں بھی چوہانوں کی حکومتیں تھیں جو بعض دفعہ خودمختاری کا اعلان کر دیتے تھے، اور بعض دفعہ شکست کھا کر ماتحت راجے بن جاتے تھے۔

☆☆☆☆☆

علاقہ لاٹ کے چوہان

لاٹ وہ علاقہ ہے جو دریائے نربدا کے جنوب میں واقع ہے۔

(دریائے نرمدا وسطی ہند کا دریا ہے۔ یہ وندھیہ۔ساتپورہ پہاڑوں کے مابین سے اور مدھیہ پردیش، مہاراشٹرا اور گجرات ریاستوں سے گزرتا ہے۔اس کی لمبائی 1289 کلومیٹر ہے۔شاکرؔ)

اس علاقہ میں خصوصاً گولکنڈہ اور انل کنڈہ کے علاقوں میں چوہانوں کی اوّلین حکومت کے نشانات 3000ء قبل مسیح سے ملتے ہیں، کسی زمانہ میں ان کا دارالخلافہ گورمنڈل بھی رہا ہے، اور پھر کاوتی نگر گپت عہد سے ان کا پایۂ تخت تھا۔آٹھویں صدی میں لاٹ کے چوہان، قنوج کے شہنشاہان گرجر کے ماتحت تھے۔

(ابجی گرافیکا انڈ کا جلد۱۴، ص۱۶۰)

راجہ بھرتری ودھ چوہان

راجہ بھرتری ودھ ایک مشہور راجہ تھا جس نے مالوہ کا کچھ حصّہ فتح کیا، اور شمالی کونکن تک وسعت سلطنت

بڑھائی ۔ اپی گرافیکا انڈ کا جلد ۱۳،ص ۱۹۷ - ۲۰۴) سے پتہ چلتا ہے کہ 756ء میں لاٹ ،سوراشٹھر اور بھڑوچ پر چوہانوں کا قبضہ تھا۔

راجہ مہیش وردام (834ء تا 890ء)

راجہ مہیش وردام قنوج کے راجہ مہر بھوج اعظم کا ماتحت تھا ،اوراس کے جنوبی علاقوں کی نگرانی اس کے سپرد تھی ۔اس لئے مہر بھوج اعظم کے حکم کے مطابق اس نے کرنا ٹک تک حملے کئے ۔

اس بہادر سپہ سالار نے راشٹر کوٹوں سے لاٹ کا علاقہ چھین لیا تھا۔لاٹ سے مراد موجودہ ضلع گلبرگہ، گولکنڈہ اور دکن کا علاقہ ہے ۔اس کی اولاد مہیشی کہلاتی ہے ۔

(تاریخ گوجر ،ص ۳۳۴ ،ج 1)

راجہ سمھ چوہان

جس زمانہ میں انہلواڑہ پر بھیم سولنکی (1178ء تا 1241ء) حکومت کرتا تھا،اسی زمانہ میں لاٹ پر ایک راجہ سمھ چوہان حکومت کرتا تھا، جو بھیم کا ماتحت تھا۔

(گلوری ویٹ واز گوجر دیش ،ص ۳۷۰)

ندوّل کے چوہان

1: راجہ لکشمن چوہان

راجہ لکشمن چوہان اس شاخ کا بانی تھا جس نے کوہ آبو کے پاس حکومت کی داغ بیل ڈالی تھی۔

2: راجہ سوبھت چوہان

راجہ سوبھت چوہان کا نام تاریخوں میں ملتا ہے جو قنوج کے پرتھاروں کا نویں صدی عیسوی میں باج گزار تھا۔

3: راجہ بلی راج چوہان

یہ راجہ ندوّل کے شہر موجودہ جودھ پور کے علاقہ میں تھا۔(جودھ پور بھارت کی ریاست راجستھان کا دوسرا بڑا شہر ہے۔ یہ نوابی ریاست جودھ پور کا پایہ تخت تھا۔ جودھ پور تاریخی طور پر سلطنت مارواڑ کا دار الحکومت تھا، جو موجودہ راجستھان کا حصہ ہے۔ جودھ پور ایک مشہور سیاحت گاہ ہے جس کی خاصیت اس کے محلات، قلعے اور منادر ہیں۔ یہ "نیلی نگری" اور "سوریہ نگری" کے طور پر بھی مشہور ہے۔شاکرؔ)

ندوّل میں ایک لمبے عرصے تک چوہانوں کا جھنڈا لہراتا رہا ہے۔دسویں صدی میں ندوّل پر بلی راج چوہان حکومت کرتا تھا۔ یہ بہت بہادر راجہ تھا،اس نے "راجہ واک پتی منج پرمار" (975ء تا997ء) کوشکست دی۔

جب راجہ منج کو راجہ تیلپ نے دینگی کے شہر میں ختم کر دیا۔اور "راجہ بھوج پر مار" تخت پر بیٹھا تو بھوج پر مار نے بلی راج چوہان سے بدلہ لینے کے لئے شاکمبھری پر حملہ کر دیا، اور شاکمبھری کے چوہان "راجہ واک پتی چوہان" کوشکست دی۔

4: مہندر چوہان

راجہ بلی راج چوہان کے بعد اس کا بھتیجا "مہندر" ندوّل" کے تخت پر بیٹھا، اور تھوڑے دنوں تک حکومت کرنے کے بعد انتقال کر گیا۔

5: راجہ اشو پال چوہان

"مہندر" چوہان کے انتقال کے بعد اشو پال تخت نشین ہوا، لیکن اس کی مدّت سلطنت میں نہ اس نے کسی پر حملہ کیا، اور نہ کسی اور نے اس پر حملہ کیا۔

6: راجہ اَہل چوہان

راجہ اشو پال چوہان کی موت کے بعد "راجہ اہل چوہان" تخت نشین ہوا۔ اس نے اپنی حکومت کی حدود پھیلانے میں کوئی کسر نہ چھوڑی، یہاں تک کہ اس نے بہادر راجہ بھیم والئی انہلواڑہ (1022ء تا 1068ء) کو بھی شکست دی

7: راجہ اناہل چوہان

"راجہ بھوج پر مار" نے "راجہ اناہل چوہان" کو اپنا حلیف بنایا، اور شاکمبھری بھی بھوج کے ماتحت تھی لیکن جب راجہ بھوج کا انتقال ہوا تو اناہل چوہان نے آزادی کا ڈنکا بجا دیا، اور نہ صرف مالوہ کی ماتحتی سے انکار کر دیا، بلکہ شاکمبھری کے چوہانوں کو بھی شکست دے کر ان کے سپہ سالار سادھ چوہان کو مار دیا۔

8: راجہ جوجّل چوہان

راجہ اناہل چوہان کے بعد جوجّل چوہان "ندوّل" کے علاقہ میں مشہور ہوا اور آس پاس کے راجاؤں سے دوستی حاصل کی۔

9: راجہ آشاراج یا آسراج یا آشواک چوہان (۱۱۳۳ء تا ۱۱۴۵ء)

راجہ آشاراج یا آسراج یا آشواک چوہان نے ۱۱۴۳ء میں اپنے بھتیجے راجیہ پال کی مدد سے منڈور پرتہاروں سے چھین لیا، لیکن چند دنوں بعد جے سمھ (سدھراج) سولنکی نے ماتحت کیا، اور پھر آشاراج چوہان نے سدھراج کے حکم سے مالوہ فتح کیا۔ آخر ۱۱۴۵ء میں آشاراج کا انتقال ہوا۔

10: راجہ کتو دیو چوہان (۱۱۴۵ء تا ۱۱۴۷ء)

راجہ کتو دیو چوہان آشاراج کا لڑکا تھا۔ باپ کے انتقال کے بعد سریر آرائے تخت ہوا۔ اور اس نے

انہلواڑہ کی ماتحتی کا جوا اتار پھینکا، اس لئے اس کی لڑائیاں کمار پال سولنکی کے خلاف جاری تھیں کہ اسی دوران میں اس راجہ کا اس جہان فانی سے ملک جاودانی کی طرف کوچ ہو گیا۔

11: راجیہ پال چوہان (۱۱۴۷ء تا ۱۱۵۳ء)

راجیہ پال کیتو دیو چوہان کا چچا زاد بھائی تھا۔ کتو دیو کے انتقال کے بعد سریر آرائے تخت ہوا۔ اور اس نے کمار پال سولنکی کے ساتھ لڑائی جاری رکھی، لیکن قسمت نے ساتھ نہ دیا اور یہ سولنکی حکومت کے ماتحت ہو گیا۔ کچھ دنوں بعد سولنکیوں نے اسے تخت سے اتار کر اس کے چچا زاد بھائی الہن دیو کو جو آشاراج کا بیٹا تھا تخت پر بٹھا دیا۔

12: الہن دیو چوہان (۱۱۵۳ء تا ۱۱۶۵ء)

ندوّل کے چوہان جب انہلواڑہ کے سولنکی راجہ کمار پال کے ماتحت ہوئے تو کمار پال سولنکی نے آشاراج کے بیٹے الہن دیو چوہان کو اپنی فوج کا سپہ سالار بنایا۔ اس نے بہادری کے جوہر دکھلائے، اور سوراشٹر کو فتح کر کے سولنکی حکومت میں شامل کیا۔ جس کی خوشی میں "کمار پال سولنکی" نے "راجیہ پال" (یا بقول بعض مؤرخین کتو دیو) کو ندوّل کے تخت سے اتار کر الہن دیو کو تخت پر بٹھا دیا، اور پھر اس کی حکمرانی چتوڑ پر بھی ہو گئی۔

13: کلہن دیو چوہان (۱۱۶۵ء تا ۱۱۹۲ء)

"الہن دیو چوہان" کے مرنے کے بعد ۱۱۶۵ء میں اس کا لڑکا کلہن دیو چوہان تخت نشین ہوا۔ جب محمد غوری اور پرتھوی راج چوہان کی لڑائی ہوئی، اور پرتھوی راج کو شکست ہوئی تو ندوّل کے چوہانوں میں بھی وہ سکت باقی نہ رہی۔ کلہن کا سوتیلا بھائی کیرتی پال تھا جس کی ماں غیر قوم یعنی راشٹ روڑا، قوم سے تھی۔ راجہ کلہن دیو چوہان نے اپنے اس سوتیلے راجپوت بھائی اور اس کی ماں کو 12 گاؤں گزارے کے لئے دیئے تھے۔

(ایپی گرافیکا انڈکا جلد ۹۔ ص ۷۰ تا ۸۳)

گرجر راجہ "الہن دیو چوہان" کا بڑا لڑکا "کلہن دیو چوہان" غوریوں کے ساتھ لڑائی میں مارا گیا۔ اجمیر اور دہلی پر تو بیرونی حملہ آوروں یعنی مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا، مگر ندوّل کے چوہان جو صرف مقامی سردار تھے، اس کے بعد سولنکی حکومت کے ماتحت ہو گئے۔

اس وقت گوجروں کی یہی ایک آزاد و خود مختار حکومت باقی تھی۔ کبھی کبھار یہ آپس میں بھی لڑ پڑتے۔ آخر کار

جب ۱۳۰۲ء میں علاؤالدین خلجی نے اس باقی ماندہ گجرات پر بھی حملہ کیا تو "راجہ کرن سولنکی" کی مدد میں ندوّل کا ایک بہادر چامنڈ راج چوہان جو اودے سنگھ کا بیٹا اور سمر سنگھ کا پوتا تھا جاں بحق ہوگیا۔

اس کے بعد ندوّل کے بچے کھچے چوہان صدیوں تک داد مردانگی دیتے رہے۔اس زمانے کا خراب ترین پہلو یہ تھا کہ یہ گر جر تباہ حال ہو کر بھی آپس میں نفاق اور جنگ وجدل سے کنارہ کش نہ ہوئے۔چوہانوں کی مختلف شاخوں نے پورے تاریخی دور میں اپنے ملک کی آزادی کے لئے قابل قدر قربانیاں دیں ہیں۔

چاچک دیو چوہان کے کتبہ کے مطابق سمر سنگھ سے آگے اس کا شجرہ نسب اس طرح ہے:

سمر سنگھ

سمر سنگھ کے دو بیٹے اور ایک بیٹی تھی۔

مہان سنگھ ــــــــــــ اودھے سنگھ ــــــــــــ لیلا دیوی

مہان سنگھ کا ایک بیٹا تھا　　　اودھے سنگھ (۱۲۰۵ء تا ۱۲۴۹ء) کے دو بیٹے تھے

پرتاپ　　　چاچگ دیو　　　چاسنڈ راج چوہان

پرتاپ کا ایک بیٹا تھا ویجڑ، اور ایک بیٹی تھی۔۔۔چاچگ دیو (۱۲۶۷ء تا ۱۲۷۷ء) کی یک بیٹی تھی روپا دیوی۔

1) سمر سنگھ کی لڑکی لیلا دیوی چوہان کی شادی سولنکی گوت کے راجہ بھیم سے ہوئی تھی، جس کا پایہ تخت انہلواڑہ تھا، اور جس کا زمانۂ حکومت ۱۱۹۴ء تا ۱۲۳۸ء تھا۔

2) پرتاپ کی لڑکی یعنی ویجڑ کی بہن کی شادی رام دیو پنوار گرجر سے ہوئی جو چندراوتی (اچل گڑھ) کا راجہ تھا۔

3) جبکہ چاچگ دیو کی لڑکی رُوپا دیوی کی شادی تیجا سنگھ پنوار سے ہوئی تھی۔

پھر ویجڑ کے چار بیٹے تھے:

لون کرن ــــــــــ لون تنگ ــــــــــ لکھش من ــــــــــ لون درمن

پھر لون کرن کے دو بیٹے تھے:

تیجا سنگھ۔۔(۱۳۳۱ء تا ۱۳۳۶ء)۔۔۔۔۔۔اور تیہو ناک

تیجا سنگھ کا پھر ایک بیٹا تھا۔۔۔۔کنہڑ دیو (۱۳۳۸ء)

یہ تمام خاندان ایک ہی قدیم قوم کھشتری سے تعلق رکھتے تھے، جو اُس زمانہ میں گرجر کہلاتے تھے۔

(ملاحظہ ہو۔ ایبی گراف، محکمہ آثار قدیمہ حکومت پاکستان و نوشتہ جات سندھ، تاریخ گرجر، ص ۵۶۱۸)

❋❋❋❋❋❋❋

جلور یا جالور کے چوہان

راجہ کیرتی ورمن (۱۱۲۶ء تا ۱۱۵۶ء)

جالور کے چوہان، جسے مقامی زبانوں میں چوہان جالور کے نام سے بھی جانا جاتا ہے، ایک گجر نسل سے تعلق رکھنے والا ہندوستانی شاہی خاندان تھا جسے اگنی ونشی کے خطاب سے بھی موسوم کیا جاتا ہے اس خاندان نے 1126ء اور 1311ء کے درمیان موجودہ راجستھان میں جالور کے آس پاس کے علاقے پر حکومت کی۔ ان کا تعلق گجروں کے چاہمنا (چوہان) قبیلے سے تھا۔

گیارھویں اور بارھویں صدی عیسوی چوہانوں کے تیسری مرتبہ عروج کا زمانہ ہے، جب کہ چوہانوں کی متعدد خود مختار حکومتیں آریہ ورت کے طول وعرض میں پھیلی ہوئی تھیں، جالو پر "راجہ کیرتی ورمن چوہان" کی حکومت ۱۱۲۶ء تا ۱۱۵۶ء) قائم رہی۔

راجہ سمرسمھ چوہان (۱۱۵۶ء تا ۱۲۰۶ء)

جب شہاب الدین محمد غوری اور پرتھوی راج چوہان کی لڑائی ہوئی، اور پرتھوی راج کو شکست ہوئی تو اُس زمانہ میں جالور میں "سمرسمھ چوہان" کی حکومت تھی۔

سمرسمھ چوہان" راجہ کیرتی ورمن چوہان" کا بیٹا تھا۔ اس کی لڑکی لیلیٰ وتی دیوی، بھیم دیو ثانی سولنکی والئ گجرات ۱۱۷۸ء تا ۱۲۴۱ء) کی رانی تھی۔

(گلوری دیٹ واز گرجر دیش، ص ۳۷۰، کادی کا کتبہ ۱۳۰۶ سنۂ)

اودے سمھ چوہان (۱۲۰۶ء تا ۱۲۴۹ء)

"سمر سمھ چوہان" کے بعد "اودے سمھ چوہان" جالور پر حکمران ہوا۔ ۱۲۱۱ء اور ۱۲۱۶ء کے درمیان التمش بادشاہ دہلی نے جالور پر حملہ کر کے اسے شکست دی، لیکن جوں ہی التمش نے جالور چھوڑا، "اودے سمھ چوہان" نے اس کی فوج کے پرخچے اڑا دیئے، اور جالور واپس چھین کر آزادی کا اعلان کر دیا۔

یہ بہت ہی دلیر راجہ تھا اس نے تھوڑے ہی دنوں میں بیرونی حملہ آوروں کو پورے علاقہ سے نکال دیا، اور نڈوّل، سنڈور، شمالی جودھپور، بھنمال، اور سیتہ پور پر بھی قبضہ کر لیا۔ لیکن اس کے جانشین ایسے نکلے کہ جو اس علاقے کو قابو نہ رکھ سکے۔ علاؤالدین خلجی نے ۱۲۹۷ء میں گوجروں کی اس سلطنت کو تباہ کر کے تمام شہر تباہ و برباد اور ویران کر دیئے۔

نوٹ:- سمھ لفظ دراصل گوجری زبان میں "سینھ" (یعنی شیر) کے ہیں۔ یہی لفظ بعد میں بگڑ کر سنگھ ہو گیا۔

شاکمبھری کے چوہان

اجمیر اور شاکمبھری کے چوہان تو بعض اوقات الگ الگ خودمختار رہتے تھے، لیکن اکثر و بیشتر ان دونوں علاقوں پر مشترکہ حکمران بھی رہے ہیں۔ اسی وجہ سے تاریخ میں یہ معلوم کرنا کہ کونسا راجہ کس علاقہ کا حکمران تھا بعض دفعہ مشکل ہو جاتا ہے۔ اجمیر کو چوتھی صدی عیسوی کے آخر میں ایک راجہ مسمّٰی بہ "اجے پال یا اجے راج" نے آباد کیا تھا، اور اپنے نام پر اس کا نام "اجے میر" رکھا جو آئندہ چل کر اجمیر ہو گیا۔

شاکمبھری کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ کسی زمانہ میں ایک چوہان راجہ سے شکست کھا کر جب اجمیر ہاتھ سے نکل گیا تو اس نے ایک بیابانی علاقہ میں پناہ لی۔ چونکہ وہ راجہ شاکمبھری دیوی پہ اعتقاد رکھتا تھا، اور اسے یہاں کوئی گزند نہیں پہنچا، تو اس نے اس علاقہ کا نام شاکمبھری رکھا۔ یہی علاقہ آج سانبھر کہلاتا ہے۔

شاکمبھری کی شاخ کا بانی "راجہ داسو دیو" تھا، جس نے 500ء میں مکاوَتی نگر سے آنے کے بعد پہلی مرتبہ چوہانوں کا نام اس علاقہ میں روشن کیا۔ اسی سے یہ ظاہر ہوتا ہے "داسو دیو" کے شاکمبھری پر قبضہ سے پہلے بھی چوہان اس علاقے میں موجود تھے۔ شاکمبھری کا کچھ حصّہ بعد میں "سپادلکش" بھی کہلایا۔

شاکمبھری کی شاخ میں مشہور ترین راجگان مندرجہ ذیل ہوئے ہیں۔

داسو دیو، ـــــ دیا گراہ یا وگراہ راج اوّل، ـــــ کھیم راج، ـــــ گودک راج اوّل، المعروف بہ گووند راج ـــــ چندراج، یا چندن راج یا صرف چندن (مختلف نام تاریخ میں درج کئے گئے ہیں) ـــــ ہم راج اوّل، ـــــ دیا گراہ راج دوم، ـــــ یہ مہر بھوج اعظم کا ہم عصر تھا۔

اس کے بعد ـــــ راجہ سہنا راج چوہان ایک زبردست راجہ تھا ـــــ اس کے بعد گودک راج دوم کی شان و شوکت کا اندازہ اس امر سے ہو سکتا ہے کہ قنوج کے شہنشاہ کا دستِ راست تھا ـــــ اس کے بعد داک پتی راج دوم ـــــ دُرلبھ راج ـــــ پرتھوی راج اوّل ـــــ اور اجے راج ہوئے ہیں۔

"اجے راج" کے زمانہ میں اجمیر میں "ویسل دیو چوہان" کی اولاد کا ایک راجہ "دیا گراہ راج سوم" حکومت کرتا تھا، جس کے انتقال پر ـــــ اجے راج ـــــ نے اجمیر اور شاکمبھری کو ملا کر ایک ہی چوہان حکومت قائم کر دی

اور اپنا پایۂ تخت اجمیر کو قرار دیا۔اجمیر کے تخت پر "اجے راج " کی اولاد میں ۔۔۔آنا راج۔۔۔جگ دیو راج۔۔۔دیا آگراہ راج چہارم المعروف بہ ویسل دیو۔۔۔اپر گنگے راج۔۔۔پرتھوی بھٹ یا پرتھوی راج دوم ۔۔۔سومیشور راج۔۔۔اور پرتھوی راج سوم المعروف بہ رائے پتھورا۔۔۔یکے بعد دیگرے راجہ ہوئے۔

(تاریخ گوجر ص۲۳۸،ج۱)

گووند راج

یہ راجہ پرتہار خاندان کے" راجہ ناگ بھٹ دوم" (۹۲ے ء تا ۸۳٦ء) کا ہمعصر تھا۔اس نے پرتہار ناگ بھٹ کی فتوحات میں بڑی مدد کی،اور سندھ سے عربوں کو کلّی طور سے نکال دیا تھا۔

چندراج دوم

گووند راج کی وفات کے بعد اس کا لڑکا چندراج تخت نشین ہوا۔یہ مہر بھوج اعظم پرتہار کا ہم عصر تھا،اور اُس کا سپہ سالار ومعاون تھا۔راجہ چندرراج چوہان کی لڑکی کلاوتی مہاراجہ مہر بھوج اعظم کی رانی تھی۔

راجہ وگراہ چوہان دوم

یہ بھی مہر بھوج اعظم کا سپہ سالار تھا۔مہر بھوج نے اس کی مدد سے پورا بنگال اور برہما کا کچھ حصّہ فتح کیا۔ راجہ وگراہ چندراج دوم کا بیٹا اور شاکمبھری کا راجہ تھا۔

(انڈین انٹی کویری ۱۹۱۳ء صفحہ نمبر ٦۲،حصّہ ۱۹) سے ظاہر ہوتا ہے کہ شاکمبھری کے چوہان 973ء تک پرتہاروں کے وفادار اور مددگار رہے ہیں،اور ان کے درمیان نزدیکی رشتہ داری تھی۔

راجہ واک پتی دوم

شاکمبھری کے راجہ واک پتی دوم کو 1044ء میں راجہ بھوج پرمار نے مکمّل شکست دی۔

(پرتھوی راج وجے حصہ ۵،ص ٦۷)

پرتھوی راج اوّل

شاکمبھری کے تخت پر ۱۱۰۳ء میں پرتھوی راج اوّل کی حکومت تھی۔اس راجہ نے اپنی قوّت بازو سے مالوہ کے پنواروں کو شکست دے کر واک پتی دوم کا بدلہ لیا۔

اجمیر اور شاکمبھری کی متّحدہ حکومت (۱۱۰۹ء تا ۱۱۳۹ء)

ہر جے راج یا اجے راج چوہان (دوم)

اب اجمیر اور شاکمبھری کے مشترکہ راجگان کا ذکر کیا جاتا ہے۔ اجے راج چوہان شاکمبھری کا راجہ تھا۔ اجمیر کے چوہان اس کے نزدیکی رشتہ دار تھے۔ جب چوہان وگراہ راج سوم والئی اجمیر کا انتقال ہوا تو اس نے اجمیر کو بھی اپنی سلطنت میں شامل کرلیا، اور اجے راج نے اجمیر کو ہی اپنا دارالخلافہ بنایا۔

ارنوراج یا آناک یا آنا چوہان (۱۱۳۹ء تا ۱۱۵۲ء)

اجے راج چوہان کے انتقال کے بعد ارنو راج چوہان سریر آرائے تخت ہوا۔ اس نے محمود غزنوی کی اولاد سے پنجاب کے بہت سے علاقے چھین لئے، اور ہر چہار طرف اپنی سلطنت کو وسعت دی۔ اور اپنے نام پر اجمیر کے پاس "آنا ساگر" نام کا ایک تالاب بنوایا جو آج تک موجود ہے۔

انوراج کی پہلی رانی کا نام سدھوا، اور دوسری کا نام کانچنا تھا جو انہلوڑہ کے راجہ کی لڑکی تھی۔

جگ دیو چوہان (۱۱۵۲ء تا ۱۱۵۴ء)

ارنو راج چوہان کا انتقال ۱۱۵۲ء میں ہوا۔ اس کی موت کے بعد اس کی پہلی رانی سدھوا کا لڑکا "جگ دیو چوہان" تخت پر بیٹھا، لیکن دو ہی سال کے بعد اس کا انتقال ہوگیا۔

چوہان اعظم: ویسلدیو یا بیسل دیو یا وگراہ راج چہارم (۱۱۵۴ء تا ۱۱۶۴ء)

یہ راجہ بھی ارنو راج کی بڑی رانی سدھوا کا بیٹا تھا۔ اپنے بھائی کے انتقال کے بعد اجمیر کے تخت پر بیٹھا۔ یہ بڑا بہادر اور جری راجہ تھا۔ اس کے زمانہ میں غزنوی حکومت میں کمزوری کے آثار ظاہر ہوچکے تھے۔ چنانچہ "وگراہ راجہ" نے شروع میں مغرب میں ملتان اور شمال میں جموں تک کا علاقہ دوبارہ فتح کیا۔ کانگڑہ کا مندر دوبارہ تعمیر کرایا۔ اور پھر پوری طاقت جمع کر کے لاہور کو غزنویوں سے چھین لیا۔ اور تھوڑے ہی دنوں میں اس کی سلطنت کی حدود پشاور تک جا پہنچی۔

فارسی تاریخوں میں تحریر ہے کہ لاہور دوبارہ فتح ہو گیا تھا، لیکن ہندی تاریخیں اور چوہانوں کے نوشتہ جات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ وگراہ راجہ نے نہ صرف لاہور فتح کیا تھا بلکہ آریہ ورت سے تمام بیرونی مسلمانوں کا بھگا دیا تھا۔آج کے تمام مؤرخین (ماسوا حملہ آوروں کی تواریخ کے) اس بات کو تسلیم کر چکے ہیں کہ چوہانوں نے بیرونی مسلمانوں کو آریہ ورت سے نکال دیا تھا۔

نوٹ :-(جب شمالی ہند میں آریاؤں کا تسلط قائم ہوگیا اور مقامی باشندے اُن کے غلام بن گئے یا جنوب کی طرف بھاگ گئے تو انھوں نے اپنے قومی نام پر قدیم ہندوستان کا نام آریہ ورت یعنی آریاؤں کا وطن رکھا تھا۔شاکر)

حافظ عبدالحق سیالکوٹی نے اپنی کتاب تاریخ گوجراں کے صفحہ ۲۴۷ تا ۲۴۸، پر تحریر کیا ہے کہ ویسل دیو نے 1110ء بکرمی مطابق 1054ء میں مسلمانوں کے خلاف اعلان جنگ کر دیا، اور متفقہ فوج کے ذریعہ مسلمانوں کو شکست دے کر نکالنا شروع کیا، یہاں تک کہ لاہور اور پنجاب کے دیگر شہروں سے بھی انہیں پسپا کر کے سرحد افغانستان کی طرف دھکیل دیا۔اور تمام ہندوستان کو آزاد کروا کر خدمت وطن اور مذہب کا حق ادا کیا۔اور شاعروں اور بھاٹوں سے خوب خراج تحسین و آفرین حاصل کر کے اُن کی کتابوں میں اپنا نام چھوڑا۔

اسی طرح گرجر دیش کے مؤرخ کے ایم منشی نے اپنی تاریخ کے صفحہ ۴۸۲ پر سنسکرت کی عبارت کے حوالے سے لکھا ہے کہ بیسل دیو نے آریہ ورت کو بیرونی حملہ آوروں سے پاک کر لیا، اور عزت کا مالک ہوا۔

اسی طرح تاریخ گجر گونج کے رانا اکبر خان نے بھی اپنی کتاب کے صفحہ نمبر ۱۳۳ پر اس کا تذکرہ کیا ہے۔

آزادی کی اس جنگ میں مانسی، پرتہار، گہلوٹ سردار، تومر سردار، پواستر، رامت قوم، حاکم میوات، دونا پور کے راجہ موہل، سندھ کے سرداروں، موہن داس یادو، راجہ مونیا بھٹی، تاکت پور کے جاٹ راجہ نے شرکت کی۔ اور بلوچ فوج نے بھی جنگ آزادی کا رہبر بیسل دیو کو تسلیم کر کے بہادری کے جوہر دکھائے تھے۔

انہلواڑہ کے سولنکیوں کو بھی اس جنگ میں مدعو کیا گیا تھا مگر انہوں نے چوہانوں کی سرداری تسلیم نہ کرتے ہوئے اس جنگ میں شرکت نہیں کی تھی۔

انگریزوں کے زمانہ میں ایک کتبہ اجمیر کی جامع مسجد میں سے نکلا تھا جس سے یہ معلوم ہوا کہ بیسل دیو ہر کلی

ناٹک کا مصنّف تھا، اور گرجریشور کہلاتا تھا، اور سنگ مرمر کی چھ تختیوں پر اس کے حالات درج تھے۔

راجہ اپر گنگے چوہان (۱۱۶۴ء تا ۱۱۶۷ء)

واگراہ راجہ چہارم کے بعد اس کا لڑکا راجہ اپر گنگے چوہان تخت نشین ہوا۔ یہ راجہ بذات خود سنسکرت کا عالم تھا، اور اسی لئے عالموں کی قدرومنزلت کیا کرتا تھا۔ اس راجہ نے صرف تین سال حکومت کی اور ۱۱۶۷ء میں انتقال کر گیا۔ اس نے اسی مختصر عرصہ میں ملک تاج الدین غزنوی کو شکست دی، اور پشاور تک کا علاقہ دوبارہ چھین لیا۔

راجہ پرتھوی بھٹ یا پرتھوی راج دوم (۱۱۶۷ء تا ۱۱۷۰ء)

پرتھوی راج دوم راجہ اپر گنگے کا چچا زاد بھائی یعنی راجہ جگ دیو کا لڑکا تھا جو بہت ہی تھوڑے عرصہ بعد انتقال کر گیا۔

راجہ سومیشور چوہان (۱۱۷۰ء تا ۱۱۷۷ء)

راجہ سومیشور چوہان راجہ ارنو راج چوہان کی دوسری رانی کانچنا دیوی کے بطن سے تھا جس کا ذکر پہلے گزر چکا ہے۔ اور پھر آخری چوہان مہاراجہ ادھیراج پرتھوی راج گرجریشور تھا جس کا تفصیلی ذکر آپ پہلے پڑھ چکے ہیں۔

چوہان مہاراجہ ادھیراج پرتھوی راج گرجریشور

آریہ ورت پر حکمرانی کرنے والے چوہان راجگان

چوہان خاندان (شکامبھری)

ویکیپیڈ یا دائرۃ المعارف میں "چوہان خاندان (شکامبھری)" یاشا کمبھری کے چاہمان (چوہان) (Cāhamāna:IAST): ، جسے بول چال میں سامبھر کے چوہان یا اجمیر کے چوہان کے نام سے جانا جاتا ہے، کا ذکر اس طرح کیا گیا ہے کہ یہ ایک ہندوستانی گجر راجپوت خاندان تھا جس نے 6ویں اور 12ویں صدی کے درمیان موجودہ دور کے کچھ حصے راجستھان اور ہندوستان کے پڑوسی علاقے پر حکومت کی۔ان کے زیر اقتدار علاقہ سپادلکشا کے نام سے جانا جاتا تھا۔ وہ چاہمانا (چوہان) راجپوت قبیلے کے سب سے نمایاں حکمران خاندان تھے۔

چاہمانوں (چوہانوں) کی اصل راجدھانی ساکمبھری (موجودہ سامبھر جھیل ٹاؤن) میں تھی۔ 10ویں صدی تک، انھوں نے پر تیہارا جاگیردار کے طور پر حکومت کی۔ سہ فریقی جدوجہد کے بعد جب پر تیہار کی طاقت میں کمی آئی تو چاہمان (چوہانوں) کے حکمران سمہاراجہ نے مہارادھی راجہ کا لقب اختیار کیا۔ 12ویں صدی کے اوائل میں، اجے راج دوم نے بادشاہی کا دارالحکومت اجے میر (جدید اجمیر) منتقل کر دیا۔اس وجہ سے، چاہمان (چوہان) حکمرانوں کو"اجمیر کے چوہان" کے نام سے بھی جانا جاتا ہے۔

چاہمانوں (چوہانوں) نے اپنے پڑوسیوں کے ساتھ کئی جنگیں لڑیں، جن میں گجرات کے چالوکی (سولنکی)، دہلی کے تومار (تنوار)، مالوا کے پارمار (پنوار) اور بندیل کھنڈ کے چندیل شامل ہیں۔آرکیالوجیکل سروے آف انڈیا کے مطابق یہ سب حکمران خاندان بھی راجپوت قبیلے سے تعلق رکھتے تھے۔

11ویں صدی کے بعد سے، انھوں نے مسلمانوں کے حملوں کا سامنا کرنا شروع کیا، پہلے غزنویوں کی طرف سے اور پھر غوریوں کی طرف سے۔ 12ویں صدی کے وسط میں چاہمانا (چوہان) سلطنت وگرہاراجہ چوہان چہارم کے تحت اپنے عروج پر پہنچی۔ خاندان کی طاقت مؤثر طریقے سے 1192ء عیسوی میں ختم ہوئی، جب غور کے غوری حملہ آور محمد نے وگرہاراجہ چوہان چہارم کے بھتیجے پرتھوی راج چوہان Prithviraj Chauhan کو دھوکے سے شکست دی اور اسے قتل کر دیا۔ شکست کے بعد غوریوں نے پرتھوی راج کے بیٹے گوند راج کو اپنے ماتحت حاکم کے طور پر تخت پر بٹھایا لیکن غوریوں کے واپس جاتے ہی چوہانوں نے فیصلہ کیا کہ چونکہ گوند راج ماں کی طرف سے

راجپوت نہیں ہے اس لیے وہ تخت پر نہیں بیٹھ سکتا اور پرتھوی راج چوہان کے بھائی ہری راج نے گوندراج کو معزول کر کے خود تخت سنبھال لیا۔ جسے غوریوں نے 1194ء میں شکست دے کر دوبارہ حکومت حاصل کر لی۔

شروعات:(Origin)

1170ء عیسوی میں سومیشور چوہان کے بیجولیا چٹان کے نوشتہ کے مطابق، ابتدائی چاہمانا(چوہان) بادشاہ سمنتا راجہ چوہان بابا وتسا کے گوترا اہچھتر پور میں پیدا ہوا تھا۔

(R.B.Singh,1964 P,11)

مؤرّخ آر بی سنگھ کا نظریہ ہے کہ چاہمانوں(چوہانوں) کا آغاز شاید اہچھتر پور کے چھوٹے حکمرانوں کے طور پر ہوا تھا (جس کی شناخت ناگور سے کی گئی ہے)، اور اپنی راجدھانی کو، شاکمبھری (سامبھر) منتقل کر دیا۔ پہلے پہل وہ پرتہاروں کے زیر اثر تھے۔ جیسے جیسے ان کی سلطنت بڑھتی گئی۔ بعد میں وہ پرتہارا کے جاگیردار بن گئے۔

(آر۔بی۔ سنگھ 1964، ص89)

خاندان کی ابتدا کے بارے میں کئی افسانوی بیانات بھی موجود ہیں۔۔ خاندان کے ابتدائی نوشتہ جات اور ادبی کاموں میں بتایا گیا ہے کہ اس خاندان کا پیشوا ایک افسانوی ہیرو تھا جس کا نام چاہمانا(چوہان) تھا۔ وہ مختلف طریقے سے بیان کرتے ہیں کہ یہ ہیرو اندرا کی آنکھ سے، بابا وتسا کے نسب میں، شمسی خاندان میں اور یا برہما کی طرف سے کی گئی رسمی قربانی کے دوران پیدا ہوا تھا۔

(آر۔بی۔ سنگھ 1964، ص10_12)

قرون وسطیٰ کا ایک مشہور اکاؤنٹ چار اگنی ونشی گرجر قبیلوں میں خاندان کی درجہ بندی کرتا ہے۔ جن کے آباؤ اجداد کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ قربانی کے آگ کے گڑھے سے نکلے تھے۔ اس لیجنڈ کا ذکر کرنے کے ابتدائی ذرائع پرتھوی راج راسوPrithviraj Raso کی 16ویں صدی کی تجدید ہیں۔ نوآبادیاتی دور کے کچھ مؤرّخین نے اس افسانہ کی تشریح خاندان کی غیر ملکی اصل بتانے کے لیے کی، یہ قیاس کرتے ہوئے کہ غیر ملکی جنگجوؤں کی ابتدا ہندو معاشرے میں آگ کی رسم کے ذریعے کی گئی تھی۔

(آر۔بی۔ سنگھ 1964، ص25_26)

تاہم، پرتھوی راج راسو کی قدیم ترین موجودہ نقل میں اس افسانے کا بالکل ذکر نہیں ہے۔ اس کے بجائے،

اس میں کہا گیا ہے کہ خاندان کا پہلا حکمران مانکیا رائے چوہان تھا، جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ برہما کی قربانی سے پیدا ہوا تھا۔ پرتھوی راج راسو میں پرتھوی راج چوہان اور اس کے والد سومیشور کے بارے میں لفظ گرجر کا ذکر ملتا ہے۔

(p,447,Hiltebeitel 1999)

علاقہ

چاہمانوں کا بنیادی علاقہ موجودہ راجستھان میں واقع تھا جو کہ پہلے گجرات کا حصہ تھا۔ اسے سپادلکشا (Sapādalakṣa:IAST) یا جنگلا دیش (Jangaladeśa:IAST) کے نام سے جانا جاتا تھا۔

(Har Bilas Sarda 1935 ہر بیلز سردا، ص220_221)

جنگل دیش ("کھردرا اور خشک ملک") کی اصطلاح پرانی معلوم ہوتی ہے، جیسا کہ مہابھارت Mahabharata "میں مذکور ہے۔ متن میں خطے کے صحیح مقام کا ذکر نہیں ہے۔ بعد کے سنسکرت متون، جیسے Bhava Prakasha and Shabdakalpadruma Kosha بتاتے ہیں کہ یہ ایک گرم، خشک خطہ تھا، جہاں بہت کم پانی کی ضرورت والے درخت اگتے تھے۔ اس علاقے کی شناخت بیکانیر Bikaner کے آس پاس کے علاقے سے ہوتی ہے۔

(Har Bilas Sarda 1935 ہر بیلز سردا، ص214)

Sapadalaksha کی اصطلاح (لفظی طور پر"ایک اور چوتھائی لاکھ" یا 125,000) علاقے کے دیہات کی بڑی تعداد کو کہتے ہیں۔ یہ اصطلاح چاہمان (چوہان) کے دور حکومت میں نمایاں ہوئی۔ ایسا لگتا ہے کہ یہ اصطلاح اصل میں بیکانیر کے قریب جدید ناگور Nagaur کے آس پاس کے علاقے کا حوالہ دیتی ہے۔ یہ علاقہ 20ویں صدی کے آخر میں ساولک (سپادلکشا کی مقامی شکل) کے نام سے جانا جاتا تھا۔ ابتدائی چاہمانا بادشاہ سمنتا راج Samantarajaاہچھتر پورہ میں مقیم تھا، جس کی شناخت جدید ناگور سے کی جاسکتی ہے۔ ناگور کا قدیم نام ناگاپورہ تھا۔ جس کا مطلب ہے"سانپ کا شہر"۔ اہچھتر پورہ کا ایک ہی معنی ہے:"وہ شہر جس کا چھتر یا محافظ سانپ ہے"۔

(Har Bilas Sarda 1935 ہر بیلز سردا، ص223)

جیسے جیسے چاہمانہ(چوہانوں) کا علاقہ پھیلتا گیا، ان کے زیر اقتدار پورا علاقہ سپدلکش کے نام سے جانا جانے لگا۔ اس میں بعد میں چاہمانا(چوہانوں) کی راجدھانی اجیے میرو (اجمیر)(Ajmer) اور شکم بھری (سامبھر)(Sambhar) شامل تھے۔ ۔اس اصطلاح کا اطلاق چاہمانوں (چوہانوں) کے زیر قبضہ بڑے علاقے پر بھی ہوا۔قرون وسطیٰ کے ابتدائی ہندوستانی نوشتہ جات اور معاصر مسلم مؤرخین کی تحریروں سے پتہ چلتا ہے کہ مندرجہ ذیل شہر بھی سپدلکش میں شامل تھے:

ہانسی (اب ہریانہ میں(Hansi(now in Haryana)، مندور Mandore(اب مارواڑ کے علاقے میں)(now in Marwar region) اور منڈل گڑھ Mandalgarh(اب میواڑ کے علاقے میں)(Mewar region)۔

(ہر بیلز سردا،ص225 Har Bilas Sarda 1935)

تاریخ

قدیم ترین تاریخی چاہمانا(چوہان) بادشاہ چھٹی صدی کا حکمران واسودیو چوہان Vasudeva ہے۔ پرتھویراج وجئے Prithviraja Vijaya کے ایک افسانوی بیان کے مطابق، اس نے ایک ودیادھرا (ایک مافوق الفطرت وجود(a supernatural being vidyadhara)) سے تحفہ کے طور پر سمبھر نمک جھیل Sambhar Salt Lake حاصل کی تھی۔ اس کے فوری جانشینوں کے بارے میں بہت کم معلوم ہے۔

آٹھویں صدی کے چاہمانا(چوہانوں) کے حکمران درلا بھاراجہ چوہان اول Durlabharaja, اوران کے جانشینوں کے بارے میں جانا جاتا ہے کہ انھوں نے گرجرا پرتیہاروں Gurjara-Pratihara کے ماتحت حکمران سرداروں کے طور پر فرائض سرانجام دیے۔

10 ویں صدی میں، وکپتی راجا چوہان Vakpatirajal نے گرجارا پرتیہارا Gurjara-Pratihara حکومت کو ختم کرنے کی کوشش کی، اور مہاراجا Maharaja("عظیم بادشاہ" (great king)) کا لقب اختیار کیا۔

(آر بی سنگھ 1964 ص 100)

اس کے چھوٹے بیٹے لکشمن چوہان Lakshmana نے نڈولہ چاہمانا(چوہان) Naddula

Chahamana branch شاخ قائم کی۔

☆ وکپتی راجہ چوہان کے بڑے بیٹے اور جانشین سمہاراجا چوہان Simharaja نے مہارادھیراجا ("عظیم بادشاہوں کا بادشاہ")(Maharajadhiraja(great king) کا لقب اختیار کیا، جس سے پتہ چلتا ہے کہ وہ ایک خودمختار حکمران تھے۔

☆ سمہاراجا چوہان Simharaja کے جانشینوں نے اپنے پڑوسیوں کے ساتھ جنگوں میں مشغول ہوکر چاہمانا(چوہانوں) کی طاقت کو مضبوط کیا۔ جن میں گجرات کے چاؤلوکیہ Chaulukya اور دہلی کے تومراس Tomaras شامل ہیں۔ خاندان کا قدیم ترین موجودہ نوشتہ (973 عیسوی) وگرہاراجہ چوہان دوم Vigraharaja II کے دور کا ہے۔

☆ ویراما Viryarama کے دورحکومت میں (1040 عیسوی) پرمارا (پنوار Paramara بادشاہ بھوجا Bhoja نے چاہمانا کی سلطنت پر حملہ کیا، اور غالباً ایک مختصر مدت کے لیے ان کی راجدھانی شکمبھری Shakambhari پر قابض رہے۔ چامنڈا راجا چوہان Chamundaraja نے ممکنہ طور پر نڈولا چاہمانوں (چوہانوں) کی مدد سے چاہمانا کی طاقت بحال کی۔

(دشھرا تھا شرما، 1959ص 34_35)

اجے راج چوہان دوم

اس کے بعد کے چوہان بادشاہوں کو کئی غزنوی Ghaznavid حملوں کا سامنا کرنا پڑا۔ اجے راج چوہان دوم (Ajayaraja II(r,c1110-1135) نے غزنویوں کے حملے کو پسپا کیا اور پارمارا (پنوار) بادشاہ نارادرمن Naravarman کو بھی شکست دی۔ اس نے بادشاہی کے دار الحکومت کو شکم بھاری سے اجے میرو (اجمیر)(Ajmer) میں منتقل کیا، ایک شہر جسے اس نے یا تو قائم کیا یا بہت زیادہ پھیلایا۔

ارنوراجہ چوہان

اس کے جانشین ارنوراجہ چوہان Arnoraja نے تومارا (تنوار) کے علاقے پر چھاپہ مارا اور غزنویوں کے حملے کو بھی پسپا کر دیا۔ تاہم، اسے گجرات کے چالوکیا بادشاہوں جے سمھا سدھاراجا،[Jayasimha

Siddharaja] اور کمار پال Kumarapala کے خلاف ناکامی کا سامنا کرنا پڑا اور اس کے اپنے بیٹے جگدیوا چوہان Jagaddeva کے ہاتھوں مارا گیا۔

ویگرہاراجہ چوہان چہارم

ارنوراج کے چھوٹے بیٹے ویگرہاراجہ چوہان چہارم Vigraharaja IV نے چاہمانا (چوہانوں) کے علاقوں کو بہت وسیع کیا۔ اور تو ماروں (تنواروں) Tomaras سے دہلی Delhi پر قبضہ کر لیا، اس کی سلطنت میں موجودہ راجستھان، ہریانہ اور دہلی کے کچھ حصے شامل تھے۔ اس میں شاید پنجاب Punjab کا ایک حصہ (دریائے ستلج کے جنوب مشرق میں) Sutlej river اور شمالی گنگا کے میدان Gangetic plain کا ایک حصہ (یمونا کے مغرب میں) Yamuna بھی شامل تھا۔

1164ء عیسوی دہلی۔ شیوالک ستون کا نوشتہ دعویٰ کرتا ہے کہ اس نے ہمالیہ Himalayas اور وندھیاس Vindhyas کے درمیان کے علاقے کو فتح کیا اور اس طرح آریاورت Aryavarta میں آریوں Aryans کی حکمرانی کو بحال کیا۔ جبکہ یہ مبالغہ آرائی ہے، مگر یہ مکمل طور پر بے بنیاد نہیں ہے۔ یہ نوشتہ اصل میں شیوالک پہاڑیوں Shivalik Hills (ہمالیہ کے دامن) کے قریب ٹوپرا گاؤں میں پایا گیا تھا۔ نیز، مالوا Malwa (وندھیان خطہ) کے جلاوطن حکمران نے ممکنہ طور پر اس کی بالادستی کو تسلیم کیا۔ اس طرح ویگرہاراجہ چوہان کا اثر ہمالیہ سے وندھیاس تک پھیلا ہوا تھا۔

امراگنگیہ چوہان

وگرہاراجا چوہان کا جانشین اس کا بیٹا امراگنگیہ چوہان Amaragangeya بنا، اور پھر اس کا بھتیجا پرتھویراج چوہان دوم Prithviraja II ۔ اس کے بعد اس کا چھوٹا بھائی سومیشور چوہان Someshvara تخت پر بیٹھا۔ ascended the throne۔

(آر بی سنگھ 1964ء ص 156)

پرتھویراج سوم

خاندان کا سب سے مشہور حکمران سومیشور کا بیٹا پرتھویراج سوم تھا۔ پرتھوی راج چوہان Prithviraj

Chauhan کے نام سے مشہور ہیں۔ اس نے 1182-83 میں چندیلا Chandela حکمران پرمارڈی Paramardi سمیت کئی ہمسایہ بادشاہوں کو شکست دی، حالانکہ وہ چندیلا کے علاقے کو اپنی سلطنت میں شامل نہیں کر سکا۔ 1191ء میں، اس نے ترائین first Battle of Tarain کی پہلی جنگ میں غور Ghurid Empire کی سلطنت کے بادشاہ محمد Muhammad of Ghor کو شکست دی۔ تاہم، اگلے سال، وہ ترائن second Battle of Tarain کی دوسری جنگ میں غور کے محمد کے ہاتھوں شکست کھا گیا اور بعد میں مارا گیا۔

گووندراجہ چوہان چہارم

غور کے محمد نے پرتھوی راج چوہان Prithviraj Chauhan کے بیٹے گووند راجہ چوہان چہارم Govindaraja IV کو ماتحت حکمران کے طور پر مقرر کیا۔ پرتھویراج چوہان کے بھائی ہریراج چوہان Hariraja نے اسے تخت سے ہٹا دیا اور اپنی آبائی سلطنت کے ایک حصے پر دوبارہ کنٹرول حاصل کرلیا۔ ہری راجہ کو غوریوں نے 1194 عیسوی میں شکست دی، گووندراجا چوہان کو غوریوں نے رنتھم بور Ranthambore کی جاگیر عطا کی تھی۔ وہاں اس نے خاندان کی ایک نئی شاخ new branch قائم کی۔

(آر بی سنگھ 1964، ص221)

ثقافتی سرگرمیاں

چاہمانوں (چوہانوں) نے متعدد ہندو مندر بنائے، جن میں سے کئی کو پرتھویراج چوہان سوم Prithviraja III کی شکست کے بعد غوری Ghurid حملہ آوروں نے تباہ کر دیا۔

ہرشناتھ مندر Harshanatha کی تعمیر میں متعدد چاہمانہ (چوہان) حکمرانوں نے تعاون کیا، جسے غالباً گووندراجہ چوہان اول Govindaraja I نے بنایا تھا۔

پرتھویراج وجے Prithviraja Vijaya کے مطابق:

☆ سمہاراجا چوہان Simharaja نے پشکار Pushkar میں ایک بڑا شیو مندر بنایا۔

☆ چامنڈاراجا چوہان Chamundaraja نے نارا پورہ (ضلع اجمیر میں جدید ناروار Ajmer)

district میں وشنو Vishnu مندر کا قیام عمل میں لایا۔

☆ پرتھویراج چوہان اول Prithviraja I نے یاتریوں کے لیے سومناتھ مندر Somnath temple کی سڑک پر خوراک کی تقسیم کا مرکز (انا سترا)(anna-satra) بنایا۔

☆ سومیشورا Someshvara نے کئی مندروں کو بنایا، جن میں اجمیر کے پانچ مندر بھی شامل ہیں۔

☆ وگرہاراجہ چوہان چہارم Vigraharaja IV فن اور ادب کی سرپرستی کے لیے جانا جاتا تھا، اور خود ہی ہرکیلی ناٹک Harikeli Nataka ڈرامے کی تشکیل کی۔ جو ڈھانچہ بعد میں آدھی دن کا جھونپرا Adhai Din Ka Jhonpra مسجد میں تبدیل کر دیا گیا وہ ان کے دور حکومت میں تعمیر کیا گیا تھا۔

☆ چاہمنہ کے حکمرانوں نے بھی جین مت Jainism کی سرپرستی کی۔ وجۓ سمہا سوری کی اپدیشامالا وریتی (1134 عیسوی) اور چندر سوری کی مونیسوورتا- چریت (1136 عیسوی) بیان کرتی ہے کہ پرتھویراج چوہان اول نے رنتھم بور کے جین مندروں کے لیے سنہری کالاش (کپولاس) عطیہ کیے تھے۔

☆ کھراتارا- گچھا- پتاوالی Kharatara-Gachchha-Pattavali بیان کرتا ہے کہ اجے راج چوہان دوم Ajayaraja II نے جینوں کو اپنی راجدھانی اجیامیرو (اجمیر) (Ajmer) میں اپنے مندر بنانے کی اجازت دی اور ایک پارشوناتھ مندر کو سنہری کلاش بھی عطیہ کیا۔

☆ سومیشور چوہان نے ریونا گاؤں کو ایک پارشوناتھ Parshvanatha مندر کے لیے عطا کیا۔

Coin of the Chahamana ruler Vigraharaja IV

چوہان حکمرانوں کا سکّہ رائج الوقت

شکم بھری اور اجمیر کے چوہانوں کی حکومتوں کا دورانیہ

ذیل میں شکمبھری اور اجمیر کے چاہمن حکمرانوں کی ایک فہرست ہے، جس میں ان کے دور حکومت کا دورانیہ ہے، جیسا کہ آر بی سنگھ نے اندازہ لگایا ہے۔

نمبر شمار	Ruler	Reign
1	چاہمانا/چوہان	(افسانوی)
2	واسودیوا چوہان	(CE disputed551.
3	سمنتا راجہ چوہان	709-684
4	نردیوا چوہان	709-721
5	اجے راجہ چوہان اول	721-734
6	وگیرہاراجہ چوہان اول	734-759
7	چندرراجہ چوہان اول	759-771
8	گوپیندرراجہ چوہان	771-784
9	دُرلبھاراجہ چوہان اول	784-809
10	گووندا راجہ چوہان اول alias Guvaka I	809-836
11	چندرراجہ چوہان دوم	836-863
12	گووندا راجہ چوہان دوم alias Guvaka II	863-890
13	چندنا راجہ چوہان	890-917
14	وکپتی راجہ چوہان اول	917-944
15	سمہا راجہ چوہان	944-971
16	وگیرہاراجہ چوہان دوم	971-998

17	دُرلبھا راجہ چوہان دوم	998-1012
18	گووندا راجہ چوہان سوم	1012-1016
19	وکپتی راجہ چوہان دوم	1026-1040
20	ویراما چوہان	(few months) 1040
21	چامنڈا راجہ چوہان	1040-1065
22	دُرلبھا راجہ چوہان سوم alias Duśala	1065-1070
23	ویگرہارا جہ چوہان سوم alias Visala	1070-1090
24	پرتھوی راج چوہان اول	1090-1110
25	اجے راجہ چوہان دوم	1110-1135
26	ارنو راجہ چوہان alias Ana	1135-1150
27	جگد دیوا چوہان	1150
28	ویگرہارا جہ چوہان چہارم alias Visaladeva	1150-1164
29	اپارا گنگیا چوہان	1164-1165
30	پرتھوی راج چوہان دوم	1165-1169
31	سومیشور چوہان	1169-1178
32	پرتھوی راج چوہان سوم (Rai Pithora)	1178-1192
33	گووندا راجہ چوہان چہارم	1192
34	ہری راجہ چوہان	1193-1194

(آر۔بی۔ سنگھ، 1964، ص 51_70)

چوہانانِ رنتھم بھور (۱۱۹۲ء تا ۱۳۰۱ء)

راجہ ہری راج چوہان

جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے کہ پرتھوی راج چوہان کے بھائی ہری راج چوہان نے رنتھم بھور میں آزاد حکومت قائم کی ، اور بیرونی حملہ آوروں کے ساتھ برسر پیکار رہا۔لیکن قطب الدین ایبک کے ساتھ لڑائیوں میں اس کا سپہ سالار جھٹ رائے چوہان دہلی پر حملہ میں مارا گیا۔ اور اس کے تھوڑے دنوں بعد ہیم راج کا بھی انتقال ہو گیا۔

ہری راج (یا ہیم راج) نے اجمیر پر حملہ کر کے راجہ رین سی کو قطب الدین کی ماتحتی قبول کرنے کے جرم میں ختم کر دیا تھا۔ بعد میں اجمیر پر بیرونی حملہ آوروں کا قبضہ ہو جانے کے بعد تمام چوہان رنتھم بھور ہی آ گئے تھے، اور ہری راج چوہان کے انتقال پر "گو بند راج" تخت نشین ہوا۔

راجہ گو بند راج چوہان

راجہ گو بند راج چوہان نے انہلواڑہ کے راجہ بھیم دیو ثانی کے ساتھ قطب الدین ایبک کا مقابلہ کیا۔ قطب الدین شکست کھا کر اجمیر میں محصور ہو گیا۔لیکن غزنی سے نئی کمک اور فوج آ جانے سے آزادی کے پروانوں کو شکست ہوئی۔لیکن قطب الدین نہ تو رنتھم بھور لے سکا، اور نہ ہی گجرات پر قبضہ کر سکا۔

راجہ بلہم دیو چوہان اور راجہ پر ہلاد چوہان

راجہ گو بند راج کے بعد راجہ بلہم دیو چوہان اور راجہ پر ہلاد چوہان یکے بعد دیگرے تخت نشین ہوئے ،اور انہوں نے اپنی آزادی برقرار رکھی۔

راجہ ویر نارائن چوہان

راجہ "پر ہلاد" کے بعد راجہ" ویر نارائن چوہان" تخت نشین ہوا۔جلال الدین خلجی نے اس پر دو مرتبہ حملہ کیا لیکن قلعہ رنتھم بھور فتح نہ ہو سکا۔جلال الدین واپس دہلی آیا۔سرداروں نے مشورہ دیا کہ ان واقعات سے ویر نارائن کے حوصلے بلند ہو جائیں گے،لہٰذا اس کا مداوا کرنا ضروری ہے ۔ چنانچہ جلال

الدین خلجی نے ۱۲۹۵ء میں دیر نارائن کو صلح و آشتی کا پیغام دے کر دہلی بلایا، اور اُسے دھوکہ سے قتل کرا دیا۔
اس کے قتل کے بعد ۱۲۹۹ء میں علاؤالدین خلجی نے رنتھم بھور پر حملہ کر کے اسے تباہ کر دیا۔ گوجر ہاتھوں میں تلواریں لئے نکل پڑے۔ چوہان گوجروں کی شاخ کھینچی کا سردار " کٹارو راج " ایک جمعیت کے ساتھ پنجاب میں آیا اور شوالک کی پہاڑیوں کو پناہ گاہ بنا کر اُس کی اولاد صدیوں بیرونی حکومتوں پر حملے کرتی رہی۔
دیر نرائن کا چھوٹا بیٹا " دیپہ راج " گنگا کے کھادر میں پناہ گزیں ہوا، اور ایک وسیع رقبہ پر قبضہ کر لیا، جہاں اُس کی اولاد آج تک خاص اعزازات کی مالک ہے۔
چوہانوں کی ایک شاخ دیورا کے ایک سردار نے ایک گروہ کے ساتھ پناہ لی اور " ٹپرانا " آباد کر کے اُسے فوجی مرکز بنالیا، جہاں سے اس کی اولاد اکبر کے زمانہ تک دلّی کے حکمرانوں کے لئے دردسر بنی رہی۔
دیر نرائن راج کا بڑا لڑکا کلشہ راج پنجاب کے جنوبی علاقہ (نروک بانگر) سے گزرتا ہوا پانی پت سے دس میل دور جمنا کے بائیں کنارے کے شہر " کرانہ " پر قابض ہوا۔ سرفروشوں کی یہ جماعتیں سب جگہ " رانا " کہلائیں۔ رانا بمعنی جنگجو۔

کلشہ راج چوہان

کلشہ راج نے ڈنڈوکھیرہ سے لے کر شمال میں بڑولی تک اور مشرق میں کرشنا ندّی، مغرب میں جمنا تک کے تمام علاقے کو اپنے زیرنگین کر لیا۔ اس علاقہ میں جتنے بھی لوگ بیرونی آباد تھے سب کو نکال دیا۔ کلشہ راج چوہان نے ایک لڑکے " رانا تیج راؤ چوہان " کی شادی " دیوبن " موجودہ دیوبند کے پنوار راجہ رام کی لڑکی سے کی تھی۔ یہ دونوں خاندان مضبوط سے مضبوط تر ہوتے گئے۔ دیوبند کا یہ خاندان بھی التمش کے زمانہ میں دھارانگری اور اُجین سے یہاں آ کر ایک سلطنت کا بانی ہوا تھا، جس میں موجودہ روہیل کھنڈ بھی شامل تھا۔ کلشہ راج چوہان کی اولاد کلشان یا کلشانہ چوہان بھی کہلاتی ہے۔

رانا شہزا

راجہ کلشہ راج چوہان کی وفات پر اس کا بڑا بیٹا رانا شہزا علاقہ کا سردار ہوا۔ کلشہ راج کی بابت یہ مشہور ہے کہ اس نے ہمیشہ زمین پر بستر لگایا۔ اور بجائے شہر کرانہ کے اس نے پنجیٹ کی بستی میں درویشانہ حالت میں زندگی

کے دن گزارے۔ یہ رتھم بھور واپس جانے کا عہد نامہ تھا جو کبھی پورا نہ ہوا۔ اس کے لڑکے نے کرانہ کو ہی پایۂ تخت بنایا اور بقایا بھائیوں کو تیتر واڑہ اور بڈولی کی جاگیریں دے دیں۔ رانا شہزا کا ایک بھائی "رانا باج عرف باجا" قسمت آزمائی کے لئے ایک کثیر جمعیت کے ساتھ پنجاب کی طرف روانہ ہوا۔

رانا کُمبھا

"رانا شہزا" کے بعد اس کا لڑکا "رانا کمبھا" "کرانہ" کا رانا تسلیم کیا گیا۔ پنجاب کے علاقہ کوہنڈ، باپا نلی، اور نامنڈ کے راناؤں سے اس کے تعلقات از قسم رشتہ داری مضبوط تھے۔ ان راناؤں نے محمد تغلق کے زمانہ میں دلّی کی جاگیروں پر حملے شروع کئے۔ ہر چہار طرف سے دلّی کی فوجوں نے ان پر یلغار کی۔ اکثر لوگوں کو مطیع یا زیر وزبر کیا گیا، اور کرانہ کو تباہ کر دیا گیا۔

کھنڈراولی کی تعمیر

کرانہ کی تباہی کے بعد "رانا کمبھا" نے، ۱۳۶۴ء میں پرتھوی راج چوہان کے بہادر بھائی سپہ سالار کھانڈے راؤ کے نام "کھانڈے راؤ والی" کو آباد کیا، جسے آج کھنڈراولی یا کھندراولی کہتے ہیں۔

رانا کمبھا کی وفات پر رانائی خاندان کا شیرازہ منتشر ہو گیا۔ اور اس خاندان کے لوگ ہر جگہ الگ الگ ہو کر گوریلہ لڑائی لڑنے لگے۔ رانا کے بیٹے "بیپا راؤ" نے بلواہ کو آباد کیا، اور بڑا لڑکا "رانا شری پال" کھندراولی پر قابض رہا۔ شری پال کا بیٹا "چندر پال" تھا جس کے دو بیٹے "ارسال اور دیر سال" تھے۔ دیر سال از خود مسلمان ہو گیا۔ اس کے بڑے بھائی ارسال نے اس کے لئے مسجد بنوائی۔ یہ مسجد ۱۹۴۵ء میں وسیع کی گئی، اور آج تک موجود ہے۔

رانا دلیپ

رانا دلیپ" رانا دیر سال کا پوتا اور" ہردیو" کا بیٹا تھا۔ یہ بھی مسلمان تھا، اس نے ۱۵۲۷ء میں کانوہ کے میدان میں بابر کی فوجوں کا مقابلہ کیا۔ کانوہ کی لڑائی میں پٹھان اور گوجر متّحد ہو کر مغلوں سے لڑے تھے۔ اس متّحدہ فوج کا سردار "رانا سانگا" والئی چتّوڑ تھا۔ جو گوجروں کے خاندان "سسو ریہ گہلوٹ" سے تعلق رکھتا تھا۔

رانا مالھا راؤ

رانا مالھا راؤ" رانا دلیپ" کا پوتا تھا۔ اور رانا "کنور علی" کا بیٹا تھا، جس نے اپنے علاقہ سے خلجیوں کو نکال کر

اپنے نام پر موضع مالھی پور آباد کیا۔ اس کے بعد اس خاندان کے لوگ مقامی سرداروں کی حیثیت سے مغلیہ دور میں زندگی بسر کرنے لگے۔

راجہ واگھ بھٹ چوہان

راجہ ویر نارائن چوہان دلّی میں دھوکہ سے مارا گیا تو رنتھم بھور پر اس کے چچا واگھ بھٹ نے قبضہ کر لیا، اور اپنی آزادی کو برقرار رکھا۔

راجہ جیتر سمھ چوہان

واگھ بھٹ کے انتقال کے بعد جیتر سمھ چوہان علاقہ رنتھم بھور کے تخت پر بیٹھا۔ اس نے اپنی حدود سلطنت کو وسعت دینے کے لئے مالوہ کے راجہ کو شکست دی، اور اس کا کچھ علاقہ اپنی حکومت میں شامل کر لیا۔

راجہ ہمیر دیو چوہان

راجہ جیتر سمھ چوہان کے انتقال کے بعد راجہ ہمیر دیو چوہان سریر آرائے تخت ہوا۔ اس کے زمانہ میں محمد شاہ مغل سلطان علاؤالدین سے خائف ہو کر اس کے پاس پناہ گزین ہونے کے لئے آیا۔ راجہ ہمیر دیو کو انجام کا پتہ تھا، لیکن اس نے کھشتری خون کی عظمت برقرار رکھنے کے لئے اسے اپنی پناہ میں لے لیا۔ سلطان علاؤالدین سے اس کی سخت جنگ ہوئی۔

سلطان نے اسے بہت لالچ دیئے، اور اپنا دشمن واپس مانگا۔ اور ساتھ ہی یہ دھمکی بھی دی کہ بصورت انکار رنتھم بھور کی اینٹ سے اینٹ بجا دی جائے گی۔ لیکن اس نے جواب دیا کہ بیشک میری جان چلی جائے، لیکن میں نے ایک غریب انسان کو پناہ دی ہے، میں اس کی حفاظت میں سب کچھ قربان کروں گا۔

نتیجہ یہ ہوا کہ ۱۳۰۱ء میں رنتھم بھور فتح ہو گیا، اور ہمیر دیو چوہان نے دشمن کے ہاتھوں میں پڑنے کے بجائے خودکشی کر کے اپنی جان ختم کر دی۔ اس طرح اجمیر کی قائم مقام یہ حکومت چند سالوں کے لئے ختم ہو گئی۔

☆☆☆☆☆

ریاست آسیر کے چوہان رانا

خاندان ھرا

گوجروں کی بڑی بڑی حکومتیں اور سلطنتیں ختم ہوگئیں تو پسماندگان نے بادشاہی سلطنت کے دار الخلافہ سے دور اپنی چھوٹی چھوٹی ریاستیں قائم کر لیں ، اور آزادانہ طور پر ملک کے دشمنوں سے جنگ کرتے رہے ۔ انہیں ریاستوں میں سے ایک ریاست آسیر گوجروں کے چوہان خاندان کے شہزادوں کی تھی ،جس کی مختصر تاریخ حسب ذیل ہے:

۱۰۲۵ء میں اشت پال چوہان نے آسیر پر قبضہ کر کے وہاں اپنی جداگانہ ریاست کی بنیاد ڈالی تھی ۔اور یہ ریاست اجمیر و دہلی کے چوہان خاندان کی ماتحت ووفادار تھی ۔ چوہانوں کا یہ خاندان "ہراگوت" کہلاتا تھا ۔اشت پال کے بعد "چندکرن" اور "لوک پال" نے اس ریاست پر بالترتیب حکومت کی ۔

لوک پال کے بیٹے ہمیر اور گھمبیر دلّی کے مہاراجہ پرتھوی راج چوہان کے ہم عصر تھے ،جنہوں نے پرتھوی راج چوہان کے لئے بہت سی لڑائیوں میں ناموری حاصل کی ۔

جب پرتھوی راج چوہان اور جے چند میں لڑائی ہوئی تو تیسرے روز کی لڑائی میں یہ دونوں بھائی پرتھوی راج چوہان کا عقب سنبھالے ہوئے تھے ۔اور اسی دن اس لڑائی میں یہ دونوں بھائی کام آئے ۔

دہلی اور اجمیر پر حملہ آوروں کا قبضہ ہوگیا ،لیکن ریاست آسیر کے شہزادے آزاد وخودمختار رہے ۔ جب بھی ان پر حملہ ہوا یہ خوب لڑے ۔ اگر شکست کھا گئے تو جنگل کی پناہ لی ،اور جوں ہی دشمن کی فوج علاقہ سے نکلتی یہ دشمن کے مقرر کردہ سردار کو مار کر پھر ریاست پر قبضہ کر لیتے ۔اسی طرح یکے بعد دیگرے پانچ شہزادوں نے گدّی سنبھالی جن کے نام یہ ہیں:

(1) کل کرن ۔۔۔(2) مہا مگد۔۔۔(3) دھوم چند۔۔۔(4) راؤ چند۔۔۔(5) دیوا

دیوا سے آسیر کا علاقہ چھن گیا ،اور اُس نے پھر "بوندی" کو آباد کیا۔

(تاریخ گرجر ،ج۱،ص ۶۰۳)

پَن جیٹھ وکیرانہ کے چوہان رانا

رتھم بھور کے مفتوح ہو جانے کے بعد چوہان ملک کے اطراف میں منتشر ہو گئے۔ ویر نرائن کا لڑکا کلشہ راج جمنا کے مشرقی علاقہ پر قابض ہوا۔ اس کے ساتھ دیورا خاندان کے لوگ بھی تھے جنہوں نے ایک مقام "ٹپ رانا" آباد کیا۔ بادشاہ نے فوج کا ایک دستہ پنجیٹھ بھیجا، اور اس شہر کو تباہ و برباد کرا دیا۔ اب اس شہر کے قصبہ کیرانہ کے پاس ایک گاؤں اسی نام کی یادگار باقی ہے۔ کلشہ راؤ چوہان کی اولاد کا گوت اب کلشان ہے۔ وہ اپنے آپ کو صرف چوہان کہتے تھے۔

آئین اکبری حصّہ اوّل جلد دوم باب صوبہ دہلی سرکار سہارنپور کے ضمن میں علاقہ جھنجانہ کی آبادی کو راجپوت لکھا ہے، اور کیرانہ و کاندھلہ کی آبادی کو گوجر لکھا ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اکبر کے زمانہ میں علاقہ جھنجانہ کے لوگ اپنے آپ کو یا تو راجپوت کہنے لگے تھے، یا ان کی گوت چوہان سے مؤرخ نے اندازہ کر کے ان کو راجپوت لکھا۔ حالانکہ آج تک جھنجانہ، کیرانہ اور کاندھلہ کے علاقوں کے چوہان اپنے کو صرف گوجر کہتے آرہے ہیں۔

اسی طرح شمال میں پنوار خاندان کے یکجا تین علاقے اپنے کو بڑ گوجر کہتے آرہے ہیں، اور اسی وجہ سے اس علاقہ کا نام ۱۸۵۷ء تک گجرات تھا۔

(ملاحظہ ہو ڈائری دہلی، مصنفہ سر میٹکاف)

حالانکہ ان کا گوت ایک ہی تھا، اور ان کا سردار ہمیشہ کیرانہ میں رہتا تھا۔ چنانچہ اب تک یہ تمام علاقہ اپنے کو گوجر ہی کہتا ہے، اور یہ تمام علاقہ چوہانوں کی "چوراسی" کہلاتا ہے، کیونکہ کسی زمانہ میں یہاں چوراسی (84) گاؤں آباد تھے۔ جبکہ اب گاؤں کی تعداد زیادہ ہے۔

(تاریخ گرجر، ص۶۰۷، ج۱)

علاقہ گرجر دھار کے چوہان

گرجر دھار کا علاقہ جو اکبر کے زمانہ میں گوجروں کی پناہ گاہ بنا ہوا تھا اس نے آہستہ آہستہ اپنی حدود کو وسیع کیا۔اس علاقہ میں گوجروں کی عظمت آج تک باقی ہے۔

یہ علاقہ مرہٹوں کے زمانہ میں گوالیار میں شمار ہوا، آج کل صوبہ متوسط (مدھیہ پردیش) میں شامل ہے۔اور اس میں اضلاع مورینہ، بھنڈ اور دھولپور شامل ہیں۔گوجر دھار میں گوجروں کے مختلف خاندان الگ الگ وسیع رقبہ کے مالک ہیں۔

علاقہ گوجر دھار کے رانا شرن دیو چوہان

کرنل جیمس ٹاڈ

1811ء میں جب "کرنل جیمس ٹاڈ" زمین کی پیمائش کے سلسلہ میں وسطِ ہند میں دریائے چمبل کی گھاٹیوں میں پہنچے تو انہیں پتہ چلا کہ ایک بڑے وسیع رقبہ پر گوجر آباد ہیں، اور پورا علاقہ ہی گوجر دھار کہلاتا ہے۔
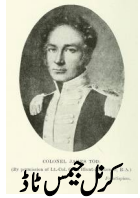
۱۸۱۱ء میں کرنل جیمس ٹاڈ نے جب گوجر دھار کی پیمائش کا کام کیا، تو قوانین اراضی کے نئے قانون کے تحت اس ریاست کے بہت سے حصے چھین لئے گئے۔اور جیسا کہ مذکور ہوا، ریاست اندھورہ کی طرح انہیں صرف تعلقہ دار کر دیا گیا۔ ۱۹۴۷ء میں ان سے یہ تعلقہ بھی چھن چکا، اور اب یہ معمولی زمیندار بلکہ کاشتکار ہیں۔البتہ سرکاری ملازمتوں میں ان کا خاص مقام ہے۔

یہ گوجر یہاں کیسے پہنچے؟ یہ سب بیرونی حملہ آوروں کی مہربانیاں ہیں جنہوں نے گوجروں سے سب کچھ لوٹ کر انہیں دریاؤں کے کھادر، ریگستانوں اور پہاڑوں کی گھاٹیوں میں ہزار ہا سال تک پناہ لینے پر مجبور کیا۔

گوجروں کا اخراج گوالیار سے ہوا تو انہوں نے چمبل کی گھاٹیوں میں ڈیرے ڈال کر وہاں ایک نئی حکومت قائم کی۔اکبر کی نگاہ سے یہ علاقہ کیسے بچ سکتا تھا۔جب نرور گڑھ پر حملہ ہوا تو اس فتح کے بعد اکبر، شکار کے بہانے فوج لے کر اس علاقہ میں آیا۔بہادر گوجروں نے اسے اپنی توہین سمجھا کہ ان کی حکومت میں بیرونی قوم کا کوئی شخص آ کر شکار کھیلے۔

اکبر ابھی گوالیار ہی میں تھا کہ اس کا میرِ شکار اس علاقہ میں آیا۔ گوجروں نے اسے تنبیہ کی کہ یہ مغلوں کی جاگیر نہیں ہے یہاں سے نکل جاؤ، میر شکار نے انکار کرتے ہوئے فوج کو حملہ کا حکم دے دیا۔ مگر رانا شرن دیو چوہان نے بہادر گوجروں کا لشکر لے کر اس کا مقابلہ کیا۔ لڑائی میں میر شکار ہزاروں فوجیوں کے ساتھ مارا گیا، اور باقی بھاگ گئے۔

اکبر نے جب اس واقعہ کو سنا تو فوج لے کر اس طرف کوچ کیا، رانا شرن دیو چوہان مقابلہ کو نکلا۔ اکبر نے صلح کا پیغام دیا، اور کہا کہ اگر رانا شرن دیو ہماری ماتحتی قبول کر لے اور آگرہ آکر دربار میں حاضری دے تو اُسے یہ تمام علاقہ بطور جاگیر دے دیا جائے گا۔ مگر شرن دیو اور اس کی قوم نے اسے بہادری اور اپنے قومی ضمیر کے خلاف سمجھا۔ لڑائی ہوئی جس میں گوجروں کو شکست ہوئی۔ اور انہوں نے چمبل کی گھاٹیوں میں پناہ لے لی۔ اکبر ان کو ان کے حال پر چھوڑ کر واپس چلا گیا۔

یہی چمبل کا علاقہ بعد میں گوجر دھار کہلایا۔ اور چوہان خاندان کی تین پشتوں کا اقتدار اس علاقہ پر رہا۔

علاقہ "کُرہ بن کا" مشہور "سنت آشرم" اسی دور کی یادگار ہے۔ اس کی حفاظت و مرمت اسی خاندان کے ہاتھوں میں رہی۔

گوجر دھار کے چوہان سردار "رانا" کہلاتے ہیں، ور گوجروں میں شمار ہوتے ہیں۔ اس علاقہ میں تمام شیکھر وار (شیکھراوت) گوجر کہلاتے ہیں۔۔ اسی طرح علاقۂ اٹاولی کے تمام گوجر رانا کہلاتے ہیں۔ جہاں یہ دوسری ہر قوم سے ممتاز ہیں۔ اور خود کو تعلیم و ترقی سے سرفرازی رکھتے ہیں۔

(تاریخ گر جر، ج۲ص۳۰۶)

گوجر دھار میں چوہانوں میں سے کوئی شخص بھی راجپوت نہیں کہلاتا۔ نہ انہوں نے مغلوں کی ماتحتی قبول کی اور نہ انہوں نے دربار میں حاضری دی۔ اس لئے نہ ان کو کسی نے جاگیر یا راجپوتوں کا خطاب دیا۔ نہ یہ راجپوت بنے۔ بلکہ اپنی قوم گوجر پر ہی قائم رہے۔

لیکن گوالیار اور راجستھان کے وہ چوہان جو "میدانی رائے" کے ساتھ اکبر کے دربار میں پہنچے، انہیں جاگیریں دی گئیں، اور میدانی رائے چوہان کو ہفت صدی کا رُتبہ ملا۔ ان سب کی اولاد آج راجپوت کہلاتی ہے۔ مگر

جن چوہانوں نے ماتحتی قبول نہ کی وہ آج بھی رانا چوہان گوجر کہلاتے ہیں۔

(تاریخ گرجر ج ۳ ص ۳۷۰)

راجہ جن دیو چوہان

اورنگ زیب کے زمانہ میں جب ملک کے شمال میں سکھ، اور جنوب میں مرہٹے نمودار ہوئے تو اسی زمانہ میں گوجر دھار کے گوجروں نے شمال کی طرف بڑھنا شروع کیا۔ اور ایک وسیع رقبہ پر قبضہ جما لیا۔ اس زمانہ میں رانا جن دیو چوہان نے بڑا نام پیدا کیا۔ اور مرہٹوں سے سیدھی ٹکّر لی۔

گوجروں پر حملہ کرنے والا دکن کا مرہٹہ سردار سندھیا تھا۔ گوجروں نے اُسے ہر مرتبہ شکست دی۔ آخر کار اُس نے گوجر دھار کو فتح کرنے کا ارداہ دل سے نکال دیا۔ اور گوجروں کو اُن کے ہی حال پر چھوڑ دیا۔

چوہانوں کی ایک دوسری شاخ نے بھرت پور اور دلّی کے علاقوں تک بڑھ کر سرسود علاقہ پر اپنا اقتدار قائم کیا۔

رانا جن دیو چوہان ایک سازش کے تحت اپنے خالہ زاد بھائی کے دھوکہ میں مارا گیا۔ مگر اس کی بہادری نے گیتوں میں جگہ پائی۔ اس کی بہادری کی تعریف میں مقامی زبان میں ایک شعر بہت مشہور ہوا۔

ماتا ایسو پُوت جَن، جَس جن دیو سری ہوئے

اٹھارہ صوبے کھلبلی پری نِت اٹھ کمر بندی ہوئے

ماں! ایسے بیٹے کو جنم دے، جو رانا جن دیو چوہان جیسا ہو

اور جس کی وجہ سے اٹھارہ صوبوں (یعنی تمام ملک) میں شہرت ہو جائے، اور جو ہمیشہ کمر بستہ رہے۔

علاقہ کاندھلہ ضلع مظفر نگر کا چوہان خاندان

محمود تغلق کے زمانہ میں گوجروں پر علاقۂ تیتر واڑہ میں جب حملہ ہوا تو اس میں موضع "آندی" کے سردار "ہر شارائے چوہان" کے پوتوں نے کاندھلہ کا نام زندہ جاوید کر دیا۔ رانا ہر شارائے چوہان کی اولاد نے اٹھارہویں صدی میں پھر عروج حاصل کیا، اور موضع آندی، ملک پور، بھارسی، ایلم، چڑھاؤ، فضل پور وغیرہ متعدد دیہات پر قبضہ کر کے ریاست کی داغ بیل ڈالی اور قصبہ کاندھلہ کو اپنا دار الخلافہ بنایا۔

اکبر کے زمانہ میں بھی کاندھلہ کو گوجروں کا مرکز سمجھا جاتا تھا۔ چنانچہ آئین اکبری میں سرکار کاندھلہ میں گوجر قوم کا تذکرہ موجود ہے۔ انگریزوں کے اقتدار کے زمانہ میں ان سرداروں نے ملک کو غلامی سے نجات دلانے کے لئے ۱۸۵۷ء اتحاد پیدا کر کے اعلان جنگ کیا۔ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں اس خاندان کے دو سرداروں کا نام صفحۂ تاریخ میں محفوظ ہو گیا۔ ان میں سے ایک سردار رانا فتح جنگ چوہان مرحوم تھے، دوسرے سردار رانا جیت سنگھ چوہان سور گباشی تھے۔

جنگ آزادی ناکام ہونے پر ان دونوں کو گرفتار کر لیا گیا، مگر کئی انگریز عورتوں نے گواہی دی کہ انہوں نے ہمارے مردوں کے ساتھ چاہے جو کچھ کیا ہو، مگر انہوں نے ہم عورتوں کی عزت وتکریم میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ چنانچہ اس بنا پر ان کی جان بچ گئی۔ مگر ان سے تمام علاقہ چھین لیا گیا۔ اور کاندھلہ کے متولی شیخوں کو، آندی، ملک پور، اور فتح پور وغیرہ مواضع دے دیئے گئے۔ اور ان کے پاس صرف فضل پور وغیرہ میں تھوڑی سی زمین بچ گئی۔

انگریزی دور ۱۸۵۷ء تا ۱۹۴۷ء میں بھی ان خاندانوں کو خاص اعزاز حاصل رہا۔ چنانچہ رانا عبدل جنگ چوہان، اور شمش الدین چوہان گوجر برادری میں اپنا خاص مقام رکھتے تھے۔ اور ہندو گوجروں میں رانا ہربنس سنگھ چوہان خاص عزت کے مالک تھے۔ ان دونوں خاندانوں کا اتحاد آج تک قابل رشک ہے۔

رانا شمش الدین چوہان مرحوم کی اولاد میں صوفی اشرف جنگ مرحوم صوفی منش آدمی تھے۔ اور رانا اصغر جنگ صاحب کو دینیات میں مناظرہ کا شوق تھا۔ ان کے صاحب زادے حکیم محمود جنگ مسلّمہ طبیب حاذق تھے۔ دوسرے صاحبزادے محبوب جنگ ہیں۔ رانا شمش الدین کے ایک صاحبزادے رانا مشرف جنگ ہیں۔ رانا فتح

جنگ کی اولاد میں رانا وکیل جنگ ، اور رانا امیر جنگ ہیں آخر الذکر، محکمہ پولیس بھارت میں ملازم تھے۔ان کے ایک صاحبزادے حیدر جنگ کراچی چلے گئے، جبکہ دوسرے افسر جنگ کاندھلہ ہی میں رہائیش پزیر رہے۔

۱۹۴۷ء میں نئے قانون کے تحت کاندھلہ کے مذکورہ بالا خاندانوں کی جائدادوں میں بے حد تخفیف ہو چکی ہے، اور اب یہ کاشتکاری اور زمینداری تک محدود رہ گئے ہیں۔

قابل غور نکتہ

کاندھلہ، جھنجھانہ اور کیرانہ کے علاقے جو آج کل ضلع مظفر نگر (یو، پی) میں شمار ہوتے ہیں ان میں چوہان گوجروں کے چوراسی دیہات وقصبات تھے جن کی تعداد آج ایک ہی جگہ سینکڑوں میں ہے۔زمانۂ قدیم سے آج تک یہ صرف گوجر کہلاتے ہیں، اور یہ ایک ہی خاندان ہے۔علاقہ جھنجھانہ میں جاٹ تو ہیں مگر راجپوت قوم کا نام و نشان نہ تھا، اور اب بھی نہیں ہے۔چونکہ گوجروں کا گوت چوہان تھا اس لئے آئین اکبری کے مصنف نے انہیں بھی راجپوت لکھ مارا۔کیرانہ کے علاقہ میں بھی کوئی گاؤں راجپوتوں کا نہیں تھا اور نہ اب ہے۔موجودہ علاقہ کاندھلہ میں آج بارہ گاؤں اپنے کو راجپوت کہتے ہیں، مگر آئین اکبری میں علاقہ کاندھلہ میں راجپوتوں کا کہیں ذکر نہیں ہے، بلکہ ان کو بھی گوجر ہی لکھا گیا ہے۔یہ راجپوت بھی چوہان گوت سے تعلق رکھتے ہیں۔

چوہان گوجروں کے یہ تمام چوراسی گاؤں کلشہ راؤ چوہان کی اولاد کہلاتی ہے، مگر ان بارہ گاؤں کا پتہ نہیں کہ یہ کون سے چوہان کی اولاد ہیں۔مؤلف تاریخ گرجر لکھتے ہیں کہ میرا تعلق بھی چونکہ اسی علاقہ سے ہے، میں نے راجپوتوں کے کئی تعلیم یافتہ افراد سے اس ضمن میں تفصیلی بحث کی ہے۔ان کی باتوں سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کلشہ راؤ چوہان کا ایک بھائی اور بھی تھا جس کا نام چاہیا تھا، اس چاہیا راؤ کی اولاد یہ بارہ گاؤں ہیں جن میں سے تین گاؤں مسلمان راجپوتوں کے ہیں اور بقیہ نو گاؤں ہندو راجپوتوں کے ہیں۔

گوجروں کی چوراسی میں چالیس فیصدی گوجر ویدک مذہب سے تعلق رکھتے ہیں، اور ساٹھ فیصدی گوجر مسلمان ہیں۔چوہان گوجروں کے یہ سینکڑوں گاؤں اور راجپوتوں کے یہ بارہ گاؤں زمانۂ قدیم سے آج تک رسم و رواج، رہن سہن اور اتحاد میں اس طرح منسلک ہیں کہ یہاں گوجروں اور راجپوتوں میں کوئی امتیاز نہیں برتا جاتا۔

(تاریخ گرجر ج۵ ص۳۷۵)

علاقہ دست گاؤں (موجودہ ضلع مظفر نگر) کے چوہان

علاقہ دست گاؤں موجودہ ضلع مظفر نگر میں شمار ہوتا ہے۔ اور گزٹ ایر و آئین اکبری سے واضح ہوتا ہے کہ یہ تمام علاقہ بشمول کاندھلہ، دہرہ دون، تک گجرات کہلاتا تھا، اور اسے "سرکار سہارنپور کہتے تھے۔ ست گاؤں کا رقبہ اٹھارہویں صدی میں وسیع تھا، اور آس پاس کے جاٹوں کے مواضع پر ان کا اقتدار تھا۔ گوجروں کے ان خاندانوں کی آبادی نہایت قدیم ہے، کسی زمانہ میں ست گاؤں کی سرداری موضع کھنڈراولی میں تھی۔ جب کہ یہ صرف فوجی زندگی بسر کرتے تھے، اور تمام علاقہ ان کا ماتحت تھا۔

کھنڈراؤلی میں رانا کمبھا چوہان مشہور ہستی تھی۔ اس کی چھٹی پشت میں رانا مالھا رائے چوہان تھا۔ جس نے اپنے نام پر موضع "مالہی پور" لودھی خاندان کے زمانہ میں آباد کیا۔ رانا مالھا رائے مسلمان تھا۔

رانا نعمت علی چوہان

سلطنت مغلیہ کے زوال کے بعد جب ہر جگہ گوجروں نے اپنا کھویا ہوا اقتدار حاصل کرنے کی جدو جہد کی تو ست گاؤں کے علاقہ نے بھی آزادی کا جھنڈا بلند کیا۔ اٹھارہویں صدی کے شروع میں رانا نعمت علی چوہان اپنے علاقہ کی مقتدر ہستی تھی۔

راجہ جیون علی چوہان

رانا نعمت علی چوہان کے انتقال پر اس کا بیٹا رانا جیون علی چوہان ست گاؤں کے سرداروں میں شمار ہوتا تھا۔ ان سرداروں نے دلّی سے اپنا تعلق منقطع کر لیا اور مکمل آزاد ہو گئے۔ سلطنتِ مغلیہ میں اتنی سکت نہ تھی کہ وہ گوجروں کا کہیں بھی مقابلہ کر سکتے۔ خود دہلی سو دو سو سال تک گوجروں کے نرغے میں رہی۔

رانا گلاب علی چوہان

رانا گلاب علی چوہان نے اپنے خاندان کا نام تاریخ میں روشن کر دیا۔ اس زمانہ میں انگریزوں کے خلاف ہر جگہ آوزیں بلند ہو رہی تھیں۔ اور ہیجان پھیلا ہوا تھا۔ رانا گلاب علی نے عملی قدم اٹھایا، اور شاملی کی تحصیل کے سرکاری خزانہ پر حملے شروع کر دیئے۔ مگر آزدی کی جنگ ناکامیاب ہوگئی۔ اور رانا صاحب پانی پت کے علاقہ میں

چلے گئے۔فروری ۱۹۵۸ء میں دوبارہ وہ اپنے علاقہ میں آئے ،اور انتقال کر گئے ۔ مابعد زمانہ میں شاملی کی تحصیل قصبہ کیرانہ میں منتقل کر دی گئی ۔

رانا نادرعلی چوہان

رانا نادرعلی چوہان ایک برد بار اور سنجیدہ شخص تھے ، اور ست گاؤں کے مسلّمہ سردار مانے جاتے تھے ۔ رانا نادرعلی چوہان ہندو گوجروں اور مسلمان گوجروں میں ذرا سا بھی امتیاز نہیں کرتے تھے ۔ ان کو اپنی قوم سے بے حد محبت تھی ۔ وہ ہر قوم کی لڑکی کو اپنی بیٹی سمجھتے تھے ۔اُن کے واقعات علاقہ میں زبان زد عام ہیں ۔

کہا جاتا ہے کہ جب بھی وہ کہیں دوسرے ضلع میں جاتے ،اور اپنے علاقے کی کسی بھی قوم کی لڑکی کا سسرال اگر وہاں ہوتا تو وہ اُس لڑکی کے پاس جاتے ،خیریت دریافت کرتے ،اور بطور بزرگ اور باپ کے کچھ نہ کچھ رقم اُسے بطور ہدیہ ضرور دے کر آتے ۔

رعایا کے لوگ ان کے اخلاق و عادات کی وجہ سے ان کے بے حد وفادار تھے ۔ ان کی بابت ایک ہندو گوجر کے یہ الفاظ ہیں : رانا نادرعلی چوہان اس گاؤں ہی کیا ؟ علاقہ بھر کے ہندو و مسلمان گوجروں میں باعزّت سردار تھا۔مسلمان ہوتے ہوئے بھی وہ اپنی گوت کی ہندو لڑکیوں کو بہو ، بیٹی مانتا تھا ۔ اور شادیوں میں انہیں وہ رقم دیتا تھا، جو خوشی کے موقع پر دی جاتی ہے ۔

(جوہدری قابض سنگھ جوہان،اخبار دیر گرجر ،ماہ اکتوبر ۵۷سنۂ، ص،۲۰)

رانا نادرعلی چوہان کو گوجر قوم کے وقار کا بے حد خیال تھا ، چنانچہ ان کے جیتے جی گوجروں کی طرف کسی قوم کو آنکھ اٹھا کر دیکھنے کی ہمت نہیں ہوئی ۔

رانا نادرعلی چوہان کے تین بھائی اور تھے ۔ ان چاروں بھائیوں میں” رانا اُدی چوہان“ سب سے بڑا تھا ، اس سے چھوٹا علی تھا، تیسرے نمبر پر خود رانا نادرعلی چوہان تھے اور چوتھے نمبر پر الحاج رانا سمیر علی تھے ۔مگر خاندانی رانائی ،رانا نادرعلی چوہان کے حصّہ میں قدرت نے دی ۔

ان چاروں کی اولاد آج سینکڑوں افراد پر مشتمل ہے ۔۱۹۲۶ء میں رانا نادرعلی چوہان کا انتقال ہوا ۔ان کی قبر کے چاروں طرف ایک ہندو سنار ہیرا نامی نے جوان کا حکیم و جراح تھا انار کے درخت لگائے ۔رانا نادرعلی چوہان

کے چار صاحب زادے تھے۔رانا عبدالقادر چوہان ،لکمیر علی، رسال یا احمد اور دلیر علی۔

رانا رحیم الدین چوہان

رانا عبدالقادر کے بعد ان کے بڑے صاحبزادے رحیم الدین چوہان اپنے گاؤں کے مُکھیا (سردار) اور موضع کے نمبر دار تسلیم کئے گئے۔آپ کا انتقال عین جوانی میں ۱۹۳۶ء میں ہوگیا۔آپ کے بڑے لڑکے محمود حسن کا انتقال بھی جوان ہوتے ہی ۱۹۴۵ء میں ہوگیا۔

رانا رحمت علی چوہان

رانا رحمت علی چوہان رانا رحیم الدین چوہان کے حقیقی چچا زاد بھائی تھے۔یعنی رانا لکمیر علی کے اکلوتے فرزند تھے۔آپ "محکمہ نیشکر" میں عوام کی طرف سے ڈیلیگیٹ (نمائندے) چنے گئے، اور تا حیات عوام کے نمائندہ رہے۔ آپ کا انتقال 11 اپریل ۱۹۵۱ء میں ہوا۔

اسی طرح اس خاندان اور علاقہ کی دوسری مشہور شخصیات میں سے۔۔۔رانا قطب الدین چوہان۔۔۔رانا ناظر حسین چوہان۔۔۔الحاج رانا نیک محمد چوہان۔۔۔رانا معز الدین چوہان۔۔۔ریاست علی۔۔۔۔مجنون احمد۔۔۔اکرام علی۔۔۔۔۔اسمٰعیل۔۔۔۔شمش الدین۔۔۔فرزند علی۔۔۔۔محمد تقی۔۔۔فتح جنگ۔۔۔۔امراؤ علی۔۔۔۔دوست احمد۔۔۔۔جعفر علی۔۔۔منصب علی۔۔۔اشرف علی۔۔۔ پھول محمد۔۔۔مقصود علی۔۔۔وغیرہ وغیرہ ہیں۔

علاقہ رست گاؤں کے موضع جسالہ میں رانا عجب سنگھ چوہان۔۔۔ رسول پور میں رانا دلے رام چوہان۔۔۔موضع بلوا میں الحاج رانا منصب علی چوہان۔۔۔رانا دیش راج چوہان۔۔۔رانا قابض سنگھ چوہان۔۔۔رانا دُلی چند چوہان وغیرہ مقتدر و معزز ہستیاں ہیں۔

اس علاقہ میں چوہانوں کے چوراسی 84 گاؤں ہیں، جن میں قصبہ کاندھلہ، کیرانہ، قصبہ بڑولی، اور قصبہ جھجانہ شامل ہیں۔ یہ تمام گاؤں قومی تنظیم میں بلا لحاظ مذہب اس طریقہ سے منسلک ہیں کہ دوسری اقوام ان کے اتحاد کو قابل تقلید سمجھتی ہیں۔صرف سیاسی و قومی اتحاد نے ان کی عزت کو چار چاند لگا دیئے ہیں۔

(تاریخ گرجر ،ج۲،ص۳۴۰)

گرجر سلطنت الور کے چوہان

بادشاہ کوکا چوہان

بادشاہ کوکا چوہان نے محمد تغلق شاہ والئی دہلی کے آخری زمانہ میں زور پکڑا اور دلّی تک دھاوے مار کر سلطنت کی بنیاد ڈالی ۔لیکن جب اس نے خان جہاں کو جو محمد خان بن تغلق کا دشمن تھا پناہ دی تو اس میں مارا گیا۔ تفصیل اس کی یہ ہے کہ جب بادشاہ محمد تغلق شاہ نے اپنے شہزادے محمد خان کو حکم دیا کہ وہ اس کے وزیر خانجہاں کو قتل کر کے ظفر خان کو رہائی دلائے ،تو شہزادہ محمد خان نے گھوڑے اور ہاتھی تیار کرانے کے بعد دس ہزار کی فوج لے کر آدھی رات کے وقت خان جہاں کے مکان کا گھیراؤ کر لیا۔

اسے جب اس کا علم ہوا تو اس نے قیدی ظفر خان کا سر قلم کر دیا۔اور اپنے حمایتیوں کو ساتھ لے کر خوب مقابلہ کیا ،لیکن آخر کار زخمی ہو کر بھاگ نکلا اور میوات کے علاقہ میں پہنچ کر کوکا چوہان کے سامنے پناہ کے لئے ہاتھ جوڑے ۔سردار کوکا چوہان کو اس پر رحم آیا اور اسے اپنے ہاں پناہ دے دی ۔

جب شہزادہ محمد خان کو اس بات کا علم ہوا تو اس نے ملک یعقوب کو ایک لشکر دے کر میوات بھیجا ،اور اس کی حوالگی کا مطالبہ کیا ،لیکن کوکا چوہان کے انکار پر لڑائی ہوئی اور اس میں گوجروں کا بادشاہ کوکا چوہان مارا گیا۔ اور خان جہاں زندہ گرفتار ہوا۔

بادشاہ ناہر چوہان

بادشاہ فیروز تغلق کی وفات کے بعد دلّی کی حکومت میں کمزوری کے آثار نمودار ہوئے تو ناہر بن کوکا چوہان کی سر براہی میں موجودہ علاقہ میوات اور الور کے بہادر گوجر یکبارگی نمودار ہوئے ۔ناہر بن کوکا چوہان نے آزادی کا جھنڈا بلند کیا ،اور تمام علاقہ کو ماتحت کر کے بادشاہ بن گیا۔

رہتک اور پانی پت کے علاقوں کے گوجروں نے دلّی کے پاس کوٹلہ تک مار دھاڑ شروع کر دی ۔محمد شاہ اور ابوبکر شاہ والیان دہلی کے مختصر زمانہ میں دلّی کے چاروں طرف یہی حالات رہے ۔ جب محمود شاہ تغلق کا زمانہ آیا تو اس نے بہادر ناہر گوجر کو الور کا بادشاہ تسلیم کر لیا۔ بہادر ناہر سلطان محمود شاہ والئی دہلی کا حلیف و مددگار قرار پایا۔

جب تیمور نے دہلی پر حملہ کیا تو گوجر بادشاہ نے سرحد اور پنجاب کے حالات کا مشاہدہ کر کے محمود شاہ کو مقابلہ کرنے سے روکا تھا، یہی وجہ تھی کہ جب دہلی میں قتل عام ہو چکا تو تیمور نے بادشاہ ناہر چوہان کو دلّی بلایا، اور اُسے الور کا بلا شرکت غیرے بادشاہ تسلیم کر لیا۔ اور جب خضر خان دلّی کا بادشاہ بنا تو اس نے بھی بہادر ناہر چوہان کے ساتھ دوستی کا عہد و پیمان قائم رکھا۔

بادشاہ طاہر چوہان

بادشاہ ناہر کی وفات کے بعد" الور" کی حکومت اس کے بیٹے بادشاہ طاہر چوہان کو ملی۔ چند ماہ کے بعد جب خضر خان نے علاقہ کھنتیر (موجودہ روہیلکھنڈ) کے راجہ نرسنگھ گوجر پر حملہ کر کے اسے پہاڑوں کی طرف دھکیل دیا تو واپسی پر خضر خان چند ہندو مستورات کو قید کر کے لایا۔

بادشاہ طاہر نے دلّی کے دربار میں بیٹھے بیٹھے یہ گمان کیا کہ غالباً یہ عورتیں اس کی قوم سے تعلق رکھتی ہیں۔ چنانچہ جب بادشاہ طاہر نے خضر خان سے اس بارے میں پوچھا تو اس نے انکار کیا۔ اور جب مقیّد عورتوں سے پوچھا گیا تو یا تو صداقت سے کام لے کر یا پھر اپنی رہائی کے خیال سے انہوں نے اپنے آپ کو گوجر قوم سے ظاہر کیا۔ اس پر بہادر طاہر نے ان کی واپسی کا مطالبہ سخت غصّہ کے عالم میں کیا، جس کی بنا پر اُسے دربار ہی میں قتل کر دیا گیا۔

بادشاہ جلو چوہان

طاہر کے دو بیٹے جلو چوہان اور قدو چوہان تھے۔ جب انہیں اپنے باپ کے اس طرح قتل ہونے کا پتہ چلا تو انہوں نے علاقہ میوات اور الور میں نقارۂ جنگ بجا دیا۔ حسن پور، بہادر گڑھ اور روہتک وغیرہ قصبات میں جتنے بھی بیرونی مسلمان تھے، ان سب کے گھر بار لوٹ لئے گئے اور ان کے زن و فرزندوں کو گرفتار کر لیا گیا۔ ان واقعات کی بنا پر خضر خان نے ان کی سرکوبی کے لئے فوج بھیجی۔ یہ فوج ابھی ان علاقوں میں قتل و غارت میں مشغول تھی کہ خضر خان کا انتقال ہو گیا، اور دہلی کا تخت مبارک شاہ کو ملا۔

مبارک شاہ نے اپنی فوج کے لئے مزید کمک الور کی طرف بھیجی جس کا بہادر گوجروں نے ڈٹ کر مقابلہ کیا اور شاہی فوج کی رسد اور کمک کی لائن کاٹ دی۔ چنانچہ اسی بنا پر شاہی سپاہ پسپا ہو کر دلّی پہنچی، گوجروں نے" مہرولی" تک ان کا تعاقب جاری رکھا۔

بادشاہ قدو چوہان

جلو چوہان کے بعد اس کا چھوٹا بھائی قدو چوہان "الور" کے تخت پر بیٹھا۔ ہزیمت خوردہ مبارک شاہ نے کچھ مدّت کے بعد دوبارہ لشکر تیار کرلیا، اور آندھی وطوفان میں چل کر علاقہ الور میں داخل ہوا۔ گوجر کھلے میدان میں مقابلے کی طاقت نہیں رکھتے تھے اس لئے انہوں نے پہاڑیوں میں پناہ لے کر گوریلا جنگ شروع کردی۔

انہیں دنوں دلّی پر حملہ کرنے کے لئے بادشاہ جسرت کھوکھر علاقہ روپڑ تک پہنچ گیا، اور مبارک شاہ کو الور کے گوجروں کو اپنے حال پر چھوڑ کر فوج بادشاہ جسرت کھوکھر کے مقابلہ میں روانہ کرنی پڑی۔ بادشاہ جسرت کی شکست کے بعد مبارک شاہ نے ایک بھاری غلطی یہ کی کہ ملک سکندر کو لاہور کی سرداری سے معزول کر کے اس کی جگہ پہ سرور الملک کو مقرر کر دیا، اور بسرعت تمام دلّی واپس چلا آیا۔

سرور الملک نے اپنی سرداری میں ملک کمال الدین کو شامل کرلیا۔ ملک کمال الدین بے حد سنجیدہ اور قابل شخص تھا، اس نے سرور الملک سے سب کچھ چھین لیا، اور اس کی جاگیریں بھی ضبط کرلیں۔ سرور الملک نے بادشاہ کی خدمت میں اس امر کی شکایت تحریر کی لیکن بادشاہ نے اس کو بے وقوف سمجھتے ہوئے کوئی توجہ نہ دی، اور اسی عدم توجہی کی بناء پر سرور الملک کے دل میں بادشاہ کے خلاف انتقام کی آگ بھڑک اٹھی۔

سرور الملک کے دو ہندو کھتری بنام سدارن ولد کانکوی، اور اس کا پوتا گنجوی کھتری پروردہ تھے، جو اس کی جاگیروں کا انتظام کیا کرتے تھے۔ اس نے ان دونوں کو اپنے احسانات کا واسطہ دے کر ان سے قسم لی کہ وہ مبارک شاہ کو قتل کریں گے۔ چنانچہ یہ لوگ مبارک شاہ کو قتل کرنے دہلی کی طرف روانہ ہوئے۔

بادشاہ مبارک شاہ نے اپنے نام پر ایک شہر مبارک آباد، آباد کرایا تھا، اور وہ وہیں مقیم تھا۔ سرور الملک میران صدر، اور قاضی عبد الصدر کو ساتھ لے گیا، اس کے علاوہ بہت سے مسلمان اس کے ساتھ تھے۔ بادشاہ جمعہ کی نماز پڑھنے گیا، سرور الملک کے آدمی مسلّح ہو کر اندر گئے، سدارن کھتری تلوار لے کر دروازے پر کھڑا ہو گیا تا کہ بادشاہ کے حمائتی اندر داخل نہ ہو سکیں۔

نماز ختم کر کے مبارک شاہ نے جب ان مسلّح لوگوں کو دیکھا تو مسجد سے باہر نکلنے کے بجائے اپنے بچاؤ کی تدبیر کرنے لگا، اور دیوار پھاند کر بھاگنے ہی والا تھا کہ سدپال کھتری نے دوڑ کر اس کے سر پر تلوار دے ماری، اور

اس کے بعد میران صدر نے بادشاہ مبارک شاہ کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے۔

میران صدر اور قاضی عبد الصدر بادشاہ کو قتل کر کے سرور الملک کے پاس پہنچے۔سرور الملک نے دلّی کے تخت پر مبارک شاہ کے چچا زاد بھائی محمد شاہ کو بٹھا دیا۔اور سد پال کھتری،اور سدارن کھتری کو بیانہ، امروہی، نارنول اور کہرام میں جا گیریں دیں۔میرانِ صدر کو معین الملک کا خطاب دے کر جا گیر عنایت کی، اور سیّد عالم کے فرزند کو خانِ اعظم سیّد خان کا خطاب دے کر خوش کر دیا۔

اس طرح دلّی کے جھگڑے کے دوران الور کے گوجر عوام اور ان کا حکمران قدو چوہان محفوظ و مامون ہو کر اپنے علاقہ پر حسب سابق حکمرانی کرتا رہا۔انہی گوجروں نے اکبر کے زمانہ میں ہانسی میں قلعہ بنایا تھا۔

(تاریخ گوجر،ج ۳،ص ۱۴۲ تا ۱۴۴)

زمانۂ بابر میں دفاعِ وطن

اسی طرح بابر کے زمانہ میں اپنے ملک کے دفاع کے لئے چندیری میں میدنی رائے چوہان نے بابر کا مقابلہ کیا اور شکست کھائی۔ چندر بھان چوہان نے کسیرانہ کے علاقہ میں،رانا دلیپ چوہان جو کہ مسلمان تھا اور مانک چند چوہان نے پے در پے شکست کھا کر بھی اپنے اپنے علاقوں میں حملہ آوروں کو داخل نہیں ہونے دیا۔

چوہان راجگان کے زمانہ میں علوم وفنون

گوجروں کی آخری بڑی اور مشہور سلطنت دلّی اور اجمیر تھی ۔اس سلطنت کی حدود مشرق میں دریائے گنگا کے پار رام پور تک، شمال میں شواک سے لے کر جنوب میں وندھیا چل پہاڑ تک پھیلی ہوئیں تھیں۔اس میں شک نہیں کہ ان حکومتوں نے آریہ ورت کو دوسو (200) سال تک بیرونی حملوں سے محفوظ رکھا۔

راجگان چوہان نہ صرف جنگجو، بہادر اور تلوار کے دھنی تھے بلکہ علوم وفنون کے مربی اور سرپرست بھی تھے۔ لاہور، نگرکوٹ اور تھانیسر وغیرہ سب شہر اُن کے زمانۂ اقتدار میں دوبارہ عروج پر پہنچے ۔راجہ اجے راج چوہان نے اپنے نام پر شہرِ اجمیر آباد کیا، اور وہاں ایک مستحکم قلعہ بنایا تھا جس کا ذکر آپ پہلے اس کتاب میں پڑھ چکے ہیں ۔

قطب الدین ایبک نے اجمیر کے محلّات کو توڑ کر ان پتھروں کو مسجد میں لگایا۔

اور جب بعد کے زمانہ میں اجمیر کی جامع مسجد کی مرمّت کے موقعہ پر سنگ مرمر کے چھ تختے برآمد ہوئے تو ان پر سنسکرت زبان میں عبارتیں درج تھیں، اور وہ "واگراہ راجہ چہارم" کے زمانہ کی تختیاں تھیں۔

☆ اسی طرح چوہانوں نے شہر تاراگڑھ اور قلعہ تاراگڑھ تعمیر کرائے جس کے بازار دیکھنے کے قابل تھے۔

☆ اجمیر کے پاس "انوراج یا آنا چوہان" نے اپنے نام پر ایک بہت بڑا پختہ تالاب بنوایا جو آج تک موجود ہے، اور آنا ساگر کے نام سے پکارا جاتا ہے، اور زمانۂ قریب میں اس کی پھر مرمت ہوئی ہے۔

☆ شاکمبھری کے علاقہ میں قلعہ سانبھر تعمیر کیا گیا۔

قلعہ چتوڑ
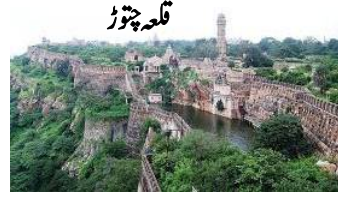
☆ مارواڑ کے علاقہ میں قلعہ چتوڑ بھی راجگان چوہان کا تعمیر کردہ ہے۔

قلعہ گولکنڈہ

☆ دکن بعید میں قلعہ گولکنڈہ (قدیم) اور دریائے چنبل کے کنارے قلعہ دھنیر بھی چوہانوں کے حسن ذوق کا پتہ دیتا ہے۔ قلعہ دھنیر آج کل کے قصبہ شاہ آباد کے پاس واقع ہے۔

☆ شہر ندوّل تو اب نہیں رہا البتہ قلعہ ندوّل شکستہ حالت میں آج بھی اپنی شان وشوکت کا مظاہرہ کرتا ہے۔

☆ راجہ اشب اچھت نے ضلع میرٹھ میں ایک شہر اچھت پور آباد کیا تھا، جو بعد میں بیرونی حملہ آوروں نے تباہ وبرباد کردیا۔ البتہ اب اس کی جگہ اچھت پور گاؤں آباد ہے۔

قلعہ پتھورا رائے

☆ دہلی میں پرتھوی راج چوہان کا قلعہ "پتھورا رائے کا قلعہ" کے نام سے آج بھی موجود ہے۔ جس کا کچھ حصّہ شاہ جہان نے لال قلعہ میں شامل کیا تھا۔ جبکہ شمالی حصّہ آج تک موجود ہے۔ جس کے اوپر سے ریلوے لائن گزرتی ہے۔ اس کی دیواریں سابقہ حالت میں موجود ہیں، ان کی چاروں طرف خندق ہے۔

قطب مینار

☆ پرتھوی راج چوہان نے مستورات کے لئے اونچا مندر تعمیر کرایا تھا جس پر چڑھ کر شہزادیاں اور رانیاں جمنا کا درشن (نظارہ) کرتی تھیں۔

بعد میں قطب الدین ایبک نے اس کی اوپر کی منزل گرا کر ایک اونچا مینار انہی پتھروں سے تعمیر کروایا جسے قطب مینار کہا جاتا ہے۔ اس کی نچلی منزلیں وہی پرانی تعمیر شدہ ہیں۔

☆ موجودہ قصبہ مہروالی (نزد دہلی) کے پاس منہدم شدہ دیواریں آج بھی زمانۂ ماضی کی یاد دلاتی ہیں۔

☆ چوہان دور حکومت کے عروج کے زمانہ میں راجہ گھگ چوہان یا گھگے راؤ چوہان کے قبیلہ میں سے دو شخص وجّے راؤ اور اوتّر یہ چوہان بحیثیت نجات دھندہ داخل ہوئے اور انہوں نے غزنویوں کو نکال کر شہر بھیڑہ واقع جہلم، اور شہر گجرات کو دوبارہ تعمیر کرایا۔ اور شہر پشاور کے منہدم شدہ مندروں کی از سر نو تعمیر کی۔

☆ چوہانوں کی کھینچی شاخ نے شمالی پنجاب میں ایک نیا شہر کھیچوا آباد کیا۔

☆ چوہانوں کی شاخ پاڑہ نے مشرقی پنجاب میں شہر ہانسی، اور قلعۂ ہانسی تعمیر کیا۔ ۱۹۴۷ء میں ہانسی کے مسلمان گوجر خاص اعزازات کے مالک تھے۔

☆ راجہ بھرتری ودھ چوہان اور راجہ مہیش وردام چوہان عالم تھے، اور عالموں کی قدر کیا کرتے تھے۔ علاقہ لاٹ کو انہوں نے اپنی قابلیت سے علوم وفنون کے معراج پر پہنچایا۔

☆ راجہ دھاول چوہان جس نے اپنے نام پر دھاول پور (موجودہ دھول پور) آباد کیا، علماء وفضلا کی بڑی قدر کرتا تھا، اور خود بھی عالم تھا۔

☆ چوہانوں کے کتبہ جات جو آج محکمہ آثار قدیمہ کے تصرّف میں ہیں، ان سے پتہ چلتا ہے کہ چوہان راجاؤں نے متعدد جگہوں پر مذہبی عالموں کو گزارہ کے لئے جائیدادیں دی ہوئی تھیں۔

☆ راجہ وگراہ چہارم یا بیسل دیو چوہان نہ صرف یہ کہ بہادر تھا بلکہ شاعر بھی تھا، اور کئی کتابوں کا مصنّف بھی تھا۔ اس کی لکھی ہوئی کتابوں میں "ہرکلی ناٹک" سب سے زیادہ مشہور ہے۔ بہادری وعلمی قابلیت کی وجہ سے اس کا لقب "مہاراجہ ادھیراج گرجر پرمیشور" تھا۔

☆ گرجر اعظم مہاراجہ پرتھوی راج چوہان زبردست عالم تھا، شاعری سے خاص شغف رکھتا تھا۔ اس کے دربار میں علماء وفضلا اور شعراء کا جمگھٹا لگا رہتا تھا۔ یہ ادیبوں کی قدردانی میں شہرۂ آفاق تھا۔

(تاریخ گرجر۔ج۱،ص۴۹۵ تا ۴۹۸)

علاقہ مظفرنگر کے چوہان

مظفرنگر کے علاقہ میں اکثریت چوہان گوجروں کی ہے ،جن کی تین شاخیں کلشان، دیورا،اور دیپہ زیادہ مشہور ہیں ۔اور ان کے الگ الگ سینکڑوں مواضع ہیں۔ہندو گوجروں میں میسونہ کے دیپہ چوہان زمانۂ قدیم سے مقتدر رہتے رہے ہیں، اور مسلمان گوجروں میں کیرانہ کے کلشان چوہان ۱۲۹۰ء سے لے کر ۱۹۳۰ء تک برسر اقتدار رہے۔ ہندو گوجروں میں چند گھروں کے سوا بقیہ کی تعلیمی حالت اچھی نہ تھی مگر پھر بھی ان میں سے کچھ ہستیاں تعلیم حاصل کر کے اعلیٰ عہدوں پر جا پہنچیں۔

مسلمان گوجروں میں رانا شفقت جنگ چوہان نے اس زمانے میں ایف ، اے تک تعلیم حاصل کر کے اپنے قصبہ کاندھلہ میں رئیسانہ زندگی بسر کرنا شروع کی ،اوران کے وجود سے قصبہ میں گوجر قوم کی ساکھ قائم ہوئی ۔

ضلع مظفرنگر میں مجموعی طور پر قوم کی تعلیمی حالت اچھی نہیں رہی ،لیکن انہیں الیکشن لڑنے کا بے حد شوق ہے جس میں وہ اتحاد کر کے ہمیشہ دوسروں کے مقابلہ میں کامیاب ہوجاتے ہیں ۔

(تاریخ گرجر ،ج ۴،ص ۳۲)

شجرہ خاندان چوہان

قارئین کرام اس سے قبل میں اس کتاب میں چوہان خاندان کے شجرہ نسب کی ایک سو چوبیسویں (124) پیڑھی راجہ چاہیا رائے تک کا تذکرہ کر چکا ہوں۔مگر اب میں چاہتا ہوں کہ پورا شجرہ دوبارہ آپ کے سامنے پیش کیا جائے۔تا کہ آپ کو دوبارہ پیچھے جا کر دیکھنے کی زحمت نہ کرنی پڑے۔یہ بھی یاد رہے کہ اس شجرہ میں چوہان گوجروں کے ان راجاؤں کے نام ہیں جو صاحب اقتدار رہے۔اور ان میں سے بھی جو مشہور ہوئے ان کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ان کے پورے خاندان کا شجرہ نہیں ہے۔

مہاراجہ اکشواکو

اس کے دو بیٹے تھے(1) حضرت دشرت"پیغمبر آریہ ورت" ان کی اولاد"گھوکل" کہلائی۔

(2) حضرت رام چندر جی۔جو شری رام چندر جی کہلاتے ہیں۔ان کے پھر دو بیٹے تھے۔

(1) شری رام چندر جی

(1) حضرت لو-----------------(2) مہاراجہ کُش (کرشن جی)

حضرت کُش کا اصل نام کرشن ہے۔ان کی اولاد کا گوت کُشان ہوا۔اور اس کے بعد کی اکانوے (91) پشتوں کے بعد بانویں پشت (یعنی 92 پیڑی) میں جو شخصیت تھی اس کا نام کور تھا۔

(92) کور

اور پھر ایک سو ایک (101) ویں پشت میں"مہاراجہ بھرت دوم" نام کی شخصیت تھی جن کے نام پر تمام ملک کا نام بھارت پڑا تھا۔ورنہ عام طور پر اس ملک کو افغانستان سے لے کر بنگال تک ہمیشہ آریہ ورت کہا گیا۔

ایک سونویں پشت میں (109) چتر بجھ تھے

اور پھر چتر بھج کے تین بیٹے تھے،

دھرت راشٹر، یا کورود پانڈو، اور الیان

(1) کوروؤں میں راجہ کرن کی اولاد کا گوت کرنہ، یا کرانہ ہے۔اس کی اولاد نے گُوجر لقب اختیار کر

کے گجرات میں علاقہ کرنال کو آباد کیا۔(2) پانڈو کی اولاد قدیم گوت کُشان سے منسوب ہے،

(110) الیان

راجہ الیان کی نسل میں پھر (111) پیڑھی میں رائے میّا۔

(112) کیرتی رائے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔(113) بھیم رائے

(114) ترلوک رائے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔(115) دیورائے

(116) نرپتی رائے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔(117) جھج رائے

(118) مکندرائے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔(119) تیرتھ رائے

(120) بکرم رائے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔(121) پرتاپ رائے

(122) مل رائے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔(123) گیان رائے

(124) راجہ چاہیارائے

(125) راجہ جاجارائے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔(126) بھون پتی رائے

(127) پورن رائے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔(128) سورن رائے

(129) پدم رائے

125 تا 129) یہ تمام راجہ مکاوتی نگر کے حکمران تھے۔ مکاوتی نگر کا شہر دریائے نربدا کے کنارے آباد کیا گیا تھا۔ دکن بعید کا علاقہ ان کے ہاتھ سے نکل گیا تھا۔

(130) مہابلی انہل رائے

یہ راجہ دسویں صدی قبل مسیح میں دھن جی پنوار پر ماں کا ہم عصر تھا۔ انہلو اڑہ (واقع گجرات کاٹھیاواڑ) اسی کا آباد کردہ ہے۔

(131) کرشن رائے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔(132) درلبھ رائے

(133) چتر مکٹ رائے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔(134) وجے رائے

(135) گووند رائے ــــــــــــــــــــــ(136) ہردیو رائے

(137) گوپال رائے ــــــــــــــــــــــ(138) وکرم رائے

یہ راجگان وسط ہند (موجودہ گوالیار) سے کرنال تک کے حکمران تھے۔

(139) اشب اَچھت رائے

500ء قبل مسیح میں اس راجہ نے اپنے نام پر شہر اچھت پور آباد کیا تھا جو موجودہ ضلع میرٹھ میں اب ایک معمولی قصبہ ہے۔

(140) یم اچھت رائے ــــــــــــــــــــ(141) لم اچھت رائے

(142) کدم اچھت رائے ــــــــــــــــــــ(143) کلپ اچھت رائے

(144) باگ رائے ــــــــــــــــــــــ(145) پلتان رائے

(146) سورج پال رائے ــــــــــــــــــــ(147) بھوپال دیورائے

(148) ملان دیورائے ــــــــــــــــــــ(149) سورسین رائے

(150) امرپال رائے

یہ راجگان صرف دوسری حکومتوں کے سپہ سالار تھے، اور اپنا وطن مکاونتی نگر کو جانتے تھے، جہاں ان کی آبائی سلطنت ابھی تک موجود تھی۔

(151) اجے پال رائے ــــــــــــــــــــ(152) مودت پال رائے

(153) رے پال رائے ــــــــــــــــــــ(154) ادنتی پال رائے

(155) بین پال رائے ــــــــــــــــــــ(156) گووند پال رائے

اجے پال رائے نے ۷۷ء میں اپنی بیوی تارادیوی کے نام پر تاراگڑھ کا قلعہ تعمیر کرایا، اور اپنے نام پر اجے میر شہر آباد کیا (جسے آج اجمیر کہتے ہیں)۔ جس کا ذکر آپ پیچھے پڑھ آئے ہیں۔ اجمیر کا علاقہ اس سے پہلے گورسی خاندان کے گرجر کھشتریوں کے پاس تھا، اور گورمنڈل کہلاتا تھا۔

اجے پال اور اس کی اولاد کئی پشتوں تک گپت خاندان کے برہمن راجاؤں سے ٹکر لیتی رہی۔ گپتوں نے مکاوتی نگر کو تباہ کر دیا، مگر اجمیر اور شاکمبھری کے ریگستانوں میں چوہانوں نے اپنی شمعِ حریّت روشن رکھی۔

گووند پال

گووند پال کے دو بیٹے تھے۔۔۔۔۔(1) ویسلد یو چوہان۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔(2) واسدیو

گپت حکومت کے زوال پر گووند پال کے بڑے بیٹے ویسلد یو چوہان نے اجمیر میں آزاد حکومت کی داغ بیل ڈالی، اور چھوٹے بیٹے واسدیو نے شاکمبھری میں آزاد راجہ ہونے کا اعلان کیا۔

اجمیر کے راجہ

(157) ویسلد یو۔۔۔۔۔بانی شاخ اجمیر۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔(158) واک پتی رائے

(159) تاہر دیو۔۔۔۔۔۔۔ ۔۔۔۔(160) دولہ رائے

(161) مہاراجہ مانک رائے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

مہاراجہ مانک رائے کے مندرجہ ذیل چار بیٹے تھے۔

(162) ۱) لچھمن رائے۔۔۔۔۔۲۔کالس رائے۔۔۔۳۔تلک رائے۔۔۔۴۔راجکمار لوٹ

(163) لچھمن رائے: کی اولاد میں پھر۔۔۔لوہت پال۔۔۔وگراہ پال۔۔۔مہندر پال۔۔۔شری انہولہ۔۔۔۔۔شری پال۔۔۔۔۔جیت راج۔۔۔۔۔

(163) کالس رائے: کی اولاد میں۔۔۔بھوپال داس۔۔۔گنگ سین۔۔۔کنھو۔۔۔مہی کرن۔۔۔۔امبر داؤ۔۔۔۔۔جیوراؤ۔۔۔۔موہو۔۔۔۔چال۔۔۔۔۔

(163) تلک رائے: کی اولاد میں۔۔۔کشکند رائے۔۔۔۔۔امر رائے۔۔۔۔۔گھا گھا رائے۔۔۔کیشو راج۔۔۔۔۔۔۔۔ہرّہ راج۔۔۔۔۔ہروراج یا ہرش راج۔۔۔

☆ موہو کی اولاد کا گوت کالس ہی رہا، اور کالس چوہان ناڑول کے راجہ تھے۔

☆ چال کی اولاد چال گرجر یا چالے گرجر کہلاتی ہے۔

شاکمبھری کے راجہ

(157) واسودیو۔۔۔۔۔۔۔۔۔واگراہ راج اوّل۔۔۔۔۔۔کھیم راج۔۔۔۔گودک راج اوّل۔۔۔چندراج۔۔۔۔۔۔۔ہیم راج اوّل۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔واگراہ راج دوم۔۔۔۔۔۔سہنا راج۔۔۔۔گودک راج دوم۔۔۔۔۔۔واک پتی راج دوم۔۔۔۔۔۔درلبھ راج۔۔۔۔۔۔پرتھوی راج اوّل۔۔۔۔۔اجے راج

راجہ اجے راج نے اجمیر اور شاکمبھری کو ملا کر ایک حکومت قائم کر دی تھی ،اور اپنا دارالخلافہ اجمیر کو بنایا تھا۔جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔

(۱٦۷) مہاراجہ ہرّہ راج یا ہرش راج

مہاراجہ ہرّہ راج یا ہرش راج کے مندرجہ ذیل دو بیٹے تھے۔

(۱٦۸) جگن دیو (سلطان گیر)۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔(۱٦۸) وچراج عرف واچا

جگن دیو (سلطان گیر) کی اولاد میں (۱٦۹) بیسلدیو۔۔۔۔(۱۷۰) درلبھ راج۔۔۔۔۔۔ (۱۷۱) گووندراج۔۔۔۔(۱۷۲) واک پتی۔۔۔۔۔۔(۱۷۳) واگراہ راج سوئم اناراج۔۔۔۔۔جگدیوراج۔۔۔۔۔دیاگراہ راج چہارم۔۔۔۔اپرگنگیے راج۔۔۔۔۔پرتھوی بھٹ یا پرتھوی راج دوم۔۔۔۔(۱۸۰) سومیشور راج۔

سومیشوراج

سومیشور راج کے پھر تین بیٹے تھے،

ا۔پرتھوی راج سوئم (رائے پتھوڑا)۔۔۔۔۲۔۔ہمیراج۔۔۔۔۳۔۔کھانڈے رائے۔

پرتھوی راج سوئم (رائے پتھوڑا)

کی اولاد میں رین سی۔رین سی کے دو بیٹے۔۔۔۔۱۔گوبندراج۔۔۔۔۲۔بلہم دیو۔۔۔۔۔۔

ا۔گوبندراج: کی اولاد میں۔۔ پرہلا راج۔۔۔ویرنرائن راج۔۔۔۔کلشہ راج۔۔۔دیپ راج

جبکہ بلہم دیو کی اولاد میں۔۔۔۔داگھ بھٹ۔۔۔۔جیتر سنگھ۔۔۔۔۔۔۔ہمیر

نوٹ

مندرجہ بالا شجرہ میں صرف ان راجاؤں کے نام ہیں جو اپنے اپنے علاقوں کے راجے بنے ہیں یہ راجاؤں کے حساب سے شجرہ پورا خاندانی شجرۂ نسب نہیں ہے۔

چوہانوں کی چوراسی

کیرانہ ضلع مظفر نگر اتر پردیش

راجہ کلشہ راؤ چوہان (والئی پنجیٹ کیرانہ

رانا جاجا (۱۲ گاؤں) رانا شہزا (۷۲ گاؤں) رانا امبھا (۴ گاؤں)

(1) رانا تیج راؤ۔۔۔۔۔۔(۲) رانا بجے راؤ (۳) رانا بلیہ۔

(۴) جونا۔۔۔۔۔۔(۵) ہرشا۔۔۔۔۔۔۔(۶) کمبھا۔

(۷) بھبو۔۔۔(۸) شردا۔۔(۹) تھمبو۔۔۔(ساکن موضع آندی)

رانا کھمبا چوہان

رانا کھمبا چوہان کے دو بیٹے تھے۔۔۔رانا چندر پال۔۔۔۔۔۔۔۔۔رانا بیبا

رانا چندر پال

رانا ارسال۔۔۔۔۔رانا دیر سال۔۔۔۔رانا ہر دیو۔۔۔۔۔رانا دلیپ۔۔۔۔۔۔رانا کنور۔

رانا مالھا راؤ۔۔۔۔سکھراج۔۔۔۔۔۔۔ہرچندراج۔۔۔۔۔کھیتہ راج۔۔۔۔۔سو ہرراج

بارودین۔۔۔۔۔۔۔۔۔دُرگا دین۔۔۔۔۔۔رائے دین۔۔۔۔۔چاند

دین۔۔۔۔۔۔۔نتھو۔۔۔۔۔۔۔نعمت علی۔۔۔۔۔جیون علی۔۔۔۔۔۔۔گلاب علی

☆☆☆

(۱۹۳) گلاب علی

اودی۔۔۔۔۔علی عرف علیا۔۔۔۔۔۔رانا نادر علی۔۔۔۔۔سمیر علی۔۔۔۔قادر علی۔۔۔۔لکمیر علی

دل میر رسال علی۔۔۔رحموں۔۔۔۔ناظر۔۔۔۔۔منصب۔۔۔۔۔اشرف۔

قطب الدین۔۔۔۔۔۔مقصود۔۔۔۔۔۔۔پھول محمد۔۔۔۔۔نیک محمد۔۔۔۔۔۔۔جعفر

رحمت علی

علی حسن۔۔۔۔۔لیاقت علی۔۔۔۔شوکت علی۔۔۔۔قاسم علی۔۔۔ناظم علی

عدال حسن۔۔۔جاوید۔۔۔۔۔اسلم

خاندان کٹاریہ چوہان

راجہ کٹارو راج چوہان۔۔۔۔۔راجہ سورج راج کٹاریہ۔۔۔۔راجہ گلاب راج کٹاریہ۔۔۔۔

راجہ کرن راج کٹاریہ۔۔۔۔۔راجہ لی راج کٹاریہ۔۔۔۔۔راجہ سورج راج کٹاریہ۔۔۔۔

راجہ چالک راج کٹاریہ۔۔۔۔۔راجہ بیون راج کٹاریہ۔۔۔۔راجہ لال راج کٹاریہ۔۔۔۔

راجہ سوہڑ راج کٹاریہ۔۔۔راجہ پدم راج کٹاریہ۔۔۔۔۔راجہ وتنا راج کٹاریہ۔۔۔۔۔

راجہ اجے راج کٹاریہ۔۔۔راجہ بھیجے راج کٹاریہ۔۔۔۔۔راجہ ہری راج کٹاریہ۔۔۔۔۔

راجہ تام راج کٹاریہ ۔۔۔۔۔راجہ نگ راج کٹاریہ۔۔۔یہ اکبر کے زمانہ میں مسلمان ہوا

نوٹ

مندرجہ بالا شجرۂ نسب مختصر کر کے لکھا گیا ہے اس سے یہ مراد نہ لی جائے کہ صرف ایک ایک لڑکا ہی زندہ رہا حالانکہ ان خاندانوں کے سینکڑوں دیہات آباد ہیں۔ جو مختلف مذاہب کے پیروکار ہیں۔

☆☆☆

راجہ دھیر راج کٹاریہ

چوہدری رانا۔۔۔۔چوہدری مانا۔۔۔۔۔چوہدری سہارنا۔۔۔چوہدری لالہ۔۔۔

چودھری پڑھانا۔۔۔چوہدری شہباز۔۔۔۔چوہدری یار محمد۔۔۔۔۔چوہدری گاموں

چوہدری دلیل۔۔۔۔۔چوہدری عزیز الدین۔۔۔۔چوہدری محمد اسماعیل

ضلع جہلم و گجرات کے چند چوہان خاندانوں کا شجرہ

راجہ گوگ

سم چھت۔۔۔۔۔جیوراؤ۔۔۔۔اشت پال۔۔۔چندکرن۔۔۔۔لوک

پال۔۔۔۔۔ہمیر۔۔۔۔گھمیر۔۔۔

کل کرن

رانا مہا مگد۔۔۔۔۔۔رانا دھوم چند۔۔۔۔رانا راؤ چند۔۔۔۔۔رانا دیوا

رانا متھرا

رانا لکھ میر۔۔۔رانا اگبیر ۔۔۔۔رانا جودھ۔۔۔۔۔رانا ہیکیاں۔۔۔۔رانا اسلم۔۔۔۔۔رانا رائے

بان۔۔۔۔رانا ول۔۔۔۔۔رانا ٹھکر۔یا ٹھاکر۔۔۔یہ رانا مسلمان ہوا اس کے بارہ بیٹے تھے۔

(تاریخ گر جر ج۵ ص۵۱۰ تا ۵۲۱)

ضلع بٹگرام علاقہ نندھیاڑ کے چوہان

قبل اس کے کہ میں علاقہ نندھیاڑ بٹگرام کے چوہانوں کے بارے میں لکھوں مناسب سمجھتا ہوں کہ ضلع بٹگرام کے جغرافیائی خدوخال آپ کے سامنے پیش کردوں:

ضلع بٹگرام

بٹگرام سنسکرت زبان کا لفظ ہے۔ جس کا نام پتھروں کی نسبت سے پڑا۔ لفظ بٹ کے معنی ہے قیمتی پتھر، اور گرام کے معنی گاؤں کے ہیں۔

فروری 1831ء میں جب سید احمد شہید جہاد کی غرض سے کشمیر جارہے تھے تو ان کا استقبال ناصر خان نامی شخص نے کیا جو کہ بٹگرام کا رہائشی تھا۔ انھوں نے ناصر خان کے ساتھ دو روز تھاکوٹ اور چار روز بٹگرام میں قیام کیا۔

جون 1955ء میں بٹگرام سے متصل تمام علاقوں، ٹکری، وادئی نندھیاڑ اور، دیشان، کوزہ بانڈہ، ترند، وغیرہ کو ہزارہ میں شامل کیا گیا۔ جبکہ 1955ء سے پہلے یہ علاقہ قبائلی تھا اور 1971ء میں آلائی کو بھی ہزارہ میں شامل کیا گیا۔ اکتوبر 1976ء میں جب مانسہرہ کو ضلع کا درجہ ملا تو بٹگرام کو تحصیل کا درجہ دیا گیا۔ اور یکم جولائی 1993ء تک یہ علاقہ ضلع مانسہرہ، ہزارہ ڈویژن کی تحصیل تھا۔۔ اس کے بعد یکم جولائی 1993ء میں بٹگرام کو ضلع کا درجہ دے دیا گیا۔ یہ ضلع دو سب ڈویژن بٹگرام اور الائی پر مشتمل ہے۔

خوبصورتی

ضلع بٹگرام

یہ ضلع اپنی خوبصورتی بلند و بالا چوٹیوں، گھنے جنگلات، زرخیز میدانی علاقوں، گنگناتی چشموں اور ندیوں کے بدولت دُنیا بھر میں مشہور ہے۔ ضلع بٹگرام ہزارہ ڈویژن میں واقع ایک ایسی خوبصورت وادی کا نام ہے جن کے چاروں اطراف میں آسمان کو چھونے والے بلند و بالا، سرسبز و شاداب اور ساروں سال برف سے ڈھکے پہاڑ ہیں۔ یہ ضلع 40*34* عرض بلد اور *73.41 طول بلد کے درمیان واقع ہے۔ سطح سمندر سے اسکی بلندی 1500 میٹر سے لیکر 4690 میٹر (1538 فٹ) تک ہے۔

رقبہ و آبادی

بٹگرام کا رقبہ 1301 مربع کلومیٹر ہے جس میں سے تحصیل بٹگرام کا رقبہ 497 مربع کلومیٹر جبکہ تحصیل آلائی کا رقبہ 804 مربع کلومیٹر ہے۔سال 2017ء کی مردم شماری کے مطابق ضلع بٹگرام کی آبادی 47,6612 نفوس پر مشتمل ہے۔

محل وقوع

محلِ وقوع کے لحاظ سے بٹگرام کو یہ انفرادیّت حاصل ہے کہ اس کی سرحدیں ضلع کوہستان، کالا ڈھاکہ کے قبائلی علاقہ جات اور ضلع شانگلہ، مالاکنڈ ڈویژن سے ملتی ہیں۔

اس ضلع کے شمال میں کوہستان کے خوبصورت اور بلندوبالا پہاڑ، مشرق میں ضلع مانسہرہ، جنوب میں ضلع تورغر (کالا ڈھاکہ) اور مغرب میں ضلع شانگلہ واقع ہیں۔ضلع بٹگرام زیادہ تر پہاڑی علاقہ ہے۔ اس کی چوٹیاں 6000 میٹر تک بلند ہیں۔

خاپیرو جھیل

اس علاقے کی سب سے بلند ترین چوٹی کا نام دروازئی سر (سوکئ سر یا خاپیروسر) ہے جو تحصیل آلائی میں واقع ہے۔اس چوٹی کی سطح سمندر سے بلندی تقریباً 4680 میٹر ہے۔ اس کے علاوہ دوسرے بلندوبالا پہاڑوں میں چیل غر، گنجا غر، بلیجا غر، کوپرا سر، اور وادئی چوڑ کے خوبصورت پہاڑ قابل ذکر ہیں۔

ان پہاڑوں میں وادئی چوڑ، چیل غر، اور کوپرا سر کی خوبصورتی اپنی مثال آپ ہے تاہم حکومت کی لاپرواہی کے باعث سیاحوں کی وہاں تک رسائی ممکن نہیں۔

میدانی علاقے

بٹگرام کے میدانی علاقوں میں وادئی نندھیاڑ (بٹگرام)، علاقہ ٹکری (کوزہ بانڈہ، ٹکری، بانیاں وغیرہ)،

علاقہ دیشان (گجبوڑی، شنگلی بالا، شنگلی پائیں، اوغز بانڈہ، پشوڑہ وغیرہ) جبکہ آلائی میں بٹہ اور وادی راشنگ پر مشتمل ہیں۔

ندیاں (خوڑ)

ندّی کو مقامی زبان میں خوڑ کہتے ہیں۔ضلع بٹگرام کے تین ندیاں (خوڑ) بہت مشہور ہیں جن میں نندھیاڑ خوڑ، آلائی خوڑ اور لنڈے خوڑ قابل ذکر ہیں۔نندھیاڑ خوڑ بٹگرام کے بلندوبالا پہاڑوں چیل غر، گنجا غر اور بلیجا غر پر جمی

ہوئی برف کے بڑے بڑے تودوں سے پگھلتی ہوئی صاف وشفاف پانی اور قدرتی چشموں سے نکل کر بٹگرام سے گزرتی ہوئی تھاکوٹ کے مقام پر اباسین (دریائے سندھ) میں جا ملتی ہے۔جبکہ دوسری بڑی ندی آلائی خوڑ جو تحصیل آلائی کے بلندوبالا اور بل کھاتی ہوئی پہاڑوں جن میں سب سے بڑی پہاڑی چوٹی دروازئی سر (سوکئ سر یا خاپیرو سر) اور وادئی چوڑ کے خوبصورت اور دلکش پہاڑوں پر ساروں سال پڑی برف اور ٹھنڈے، میٹھے اور صحت افزا پانیوں سے شروع ہو کر بیاری، نوگرام، بٹیلہ، بٹہ اور تیلوس سے ہوتے ہوئے کنڈ کے مقام پر اباسین (دریائے سندھ)

میں جا ملتی ہے جبکہ تیسری بڑی اور مشہور ندی لنڈے خوڑ گڑنگ بٹیاں، بلند کوٹ اور پیرھاڑی کے پہاڑوں سے نکل کر صوفیاں (کوزہ بانڈہ) سے ہوتے ہوئے کس پل (شنگلی بالا) کے مقام پر نندھیاڑ خوڑ میں جا ملتی ہے۔

آب وہوا

ضلع بٹگرام کی آب و ہوا معتدل ہے۔جنوری اور فروری کے مہینوں میں پہاڑوں پر بہت زیادہ سردی ہوتی ہے۔تحصیل بٹگرام میں چیل غر، شملائی، ہل، بن سیر، ڈھن، گھٹ سیری، بھیڑ بالا، توت بانڈہ، صم بانڈہ، حبیب بانڈہ، بلند کوٹ، گڑنگ بٹیاں، پیر ھاڑی، چیلار، کنشئ، ڈھیری ملنگ خان، شبورے غر اور تحصیل آلائی میں گھنگوال، راشنگ، گھن تھڑ، بٹیلہ، پاشتو اور بٹنگی میں بہت زیادہ سردی پڑتی ہے۔

اور بعض پہاڑوں پر عام کے اندازے کے مطابق 12 سے 15 فٹ تک برف پڑتی ہے۔ جبکہ میدانی علاقوں میں جون اور جولائی کے مہینوں میں سخت گرمی ہوتی ہے۔ گرمیوں میں مون سون ہوائیں بارش برسانے میں اہم کردار ادا کرتی ہیں۔ جون میں بارشیں شروع ہوتی ہیں اور تین ماہ تک جاری رہتی ہیں۔

تحصیل بٹگرام میں بٹگرام خاص، کوزہ بانڈہ، علاقہ دیشان، تھاکوٹ جبکہ تحصیل آلائی میں بنّہ، کرک، سکرگاہ، کنئ، بتکول اور جمبیڑہ میں سخت گرمی ہوتی ہے۔ ستمبر، اکتوبر اور نومبر کے مہینے خشک رہتے ہیں۔

جنگلات

ضلع بٹگرام کے جنگلات 1246840 ایکڑ اراضی پر محیط ہیں۔ ان جنگلات میں بٹگرام خاص، وادئی ہل، چیل، بن سیر، نیلی شنگ، راج دھاری، بلند کوٹ، وادی چوڑ، گھن تھڑا اور پاشتو کے جنگلات بہت مشہور ہیں۔ ان جنگلات میں بیاڑ، چیڑھ، دیار اور کچھل کے درخت کثیر تعداد میں پائے جاتے ہیں۔

جنگلی جانور

ضلع بٹگرام کے گھنے جنگلات میں چیتا، بھورا بندر، سفید بندر، بھورا ریچھ، سفید ریچھ، کالا ریچھ، گیدڑ، لومڑی، مور، تیتر اور برفانی بدمانت (برمانڑو) وغیرہ کثیر تعداد میں پائے جاتے ہیں۔

کاشتکاری

چونکہ بٹگرام قلمرو کی اکثریت دیہاتی ہے لہٰذا لوگوں کا زیادہ تر دارو مدار زراعت اور جنگلات پر ہے۔ کُل قابل کاشت رقبہ 24170 ہیکٹرز ہے، جس میں سے زیادہ تر رقبہ بارانی ہے جن میں سے 5792 ہیکٹر سیراب ہوتا ہے۔ بٹگرام میں سب سے زیادہ کاشت کی جانے والی پیداوار میں گندم اور مکئی پہلے نمبر پر جبکہ دوسرے نمبر پر چاول کی کاشت سب سے زیادہ ہوتی ہے۔ بٹگرام چاول کی پیداوار کے لئے بہت مشہور ہے۔ اس کے علاوہ سرسوں، جو، مونگ پھلی اور سبزیاں کثیر تعداد میں اگائی جاتی ہیں۔

اس ضلع کے مشہور میوا جات میں املوک، اخروٹ اور خوبانی شامل ہیں۔

قومیں

ضلع بٹگرام میں مختلف قومیں آباد ہیں جن میں گُوجر،اعوان، خانخیل،سواتی، یوسفزئی، سید،قریشی، مداخیل، شیرازی،دیشان،پنجغول،اخونخیل، دودال،ارغوشال،اور دیگر کئی قابل ذکر ہیں۔

زبانیں

ضلع بٹگرام میں سب سے زیادہ بولی جانے والی زبانوں میں پشتو، گوجری، ہندکو اور کوہستانی وغیرہ ہیں۔

(تاریخ بٹگرام، حکومت صوبہ خیبر پختونخوا کا سرکاری موقع جال آرکائیو شدہ بذریعہ http//www.nwfp.gov.pk)

ضلع بٹگرام کے چند خوبصورت مناظر

شجرۂ نسب چوہان خاندان(۱) علاقہ بھیڑ،توت ڈنّہ،صُم ،جوز بٹگرام

خاندان (1)

قارئین کرام!

اب میں آپ کے سامنے چوہان گُوجر جوضلع بٹگرام کے علاقہ نندھیاڑ گاؤں: بھیڑ بالا، توت بانڈہ،صم بانڈہ،ولاڑ گٹ، جوز، پٹیاں، گھٹ سیری،اور دکھن، وغیرہ میں آباد ہیں ان کا ذکر کروں گا۔ان چوہانوں میں بعض تو کالے چوہان کے نام سے مشہور ہیں اور بعض رتّے چوہان کے نام سے،اس کی وجہ تسمیہ کیا ہے اس کے بارے میں مجھے معلوم نہیں، میرے نزدیک تو ایک باپ کی اولاد میں یہ امتیاز کرنا کسی طرح درست نہیں ہے، اور یہ ہم نے غلط پروپیگنڈہ کے تحت سیکھا ہے،ورنہ چوہان چوہان ہے، چاہے اس کا تعلق کسی بھی رنگ سے ہو، یا کسی بھی علاقہ سے ہو، یا کسی بھی مذہب سے ۔اس علاقے میں آباد چوہانوں کے خاندان میں سے ایک خاندان کے جدّ امجد کا نام محمد علی ہے، جو محمد علی بابا کے نام سے مشہور ہیں۔

ہمارے خاندان کے یہ بزرگ جن کا نام محمد علی چوہان تھا یہ گجرات سے ہجرت کر کے بٹگرام منتقل ہوئے تھے۔اب یہ معلوم نہیں کہ وہ گجرات پنجاب سے ہجرت کر کے آئے یا گجرات دکن سے آئے تھے۔اس لئے کہ گجرات دکن کی تاریخوں سے معلوم ہوتا ہے کہ وہاں چند دفعہ قحط پڑا۔اور گجرات کے راجاؤں سے ہمیشہ گوجر مقابلہ کرتے رہے ، اور اکثر لوگ قحط سالی اور جنگ وجدل کی مصیبت سے تنگ آکر پنجاب اور شمالی پہاڑوں میں چلے گئے۔اور جہاں انہوں نے سرسبز چراہ گاہ دیکھی وہیں ڈیرے ڈال دیئے۔لیکن میں نے اپنے بزرگوں سے سنا کہ وہ پنجاب گجرات سے ہجرت کر کے آئے تھے۔

ان کے ساتھ ان کے دو بھائی اور بھی تھے ایک کُنڈ کے علاقہ میں آباد ہو گئے ،جس کا نام احمد علی بابا تھا اور ان کی اولاد میں پھر جمال الدین بابا، غلام رسول یا شاہ رسول وغیرہ تھے۔اور دوسرا بٹگرام کے علاقہ دکھن میں جس کا نام مبین یا مومین تھا جو اکثر روشن خان ،خان آف آلائی کے پاس جایا کرتا تھا۔

اُس وقت یہ علاقہ غیر تھا، اور انگریز اور پھر سکھ حکومتوں کی رسائی سے باہر تھا۔ ہمارے اس جدّ امجد کے پاس کہا جاتا ہے کہ بہت سی گائیں، بیل اور دیگر مویشی تھے، اس لئے یہ اپنے مال مویشیوں کے لئے سرسبز اور کھلے علاقے کی تلاش میں علاقۂ نندھیاڑ کی طرف منتقل ہوئے تاکہ وہ ایسے علاقے میں زندگی بسر کرسکیں جہاں ان کے لئے کوئی روک ٹوک نہ ہو۔

کچھ دنوں تک ان کا قیام جبسول کے قریب "کھڑا" ایک مقام ہے وہاں رہا، اور پھر یہ وہاں سے اپنے مال مویشیوں کے ساتھ علاقہ بھیڑ بالا نندھیاڑ میں جا کر آباد ہو گئے۔ اور اب ان کی اولاد بٹگرام کے مشہور اور خوبصورت پہاڑ "چیل غر" کے دامن میں واقع بھیڑ بالا، توت بانڈہ، صم بانڈہ، ولاڑ گٹ، جوز، پٹیاں، گھٹ سیری، اور ڈھن وغیرہ میں آباد ہے۔

یہاں چوہان گوجروں کے ساتھ ساتھ گوجروں کی دوسری گوتوں کے لوگ بھی آباد ہیں، مثلاً بھلیسر (جنہیں تاریخ میں چوہانوں ہی کی ایک شاخ ذکر کیا گیا ہے) باگڑی۔ بجیران۔ جھیندر۔۔۔ بھوملہ۔۔۔ بانیاں۔۔۔ چیچی سانگو۔۔۔ کھٹانہ، وغیرہ اور دوسری قوموں میں سواتی، اور کچھ گھرانے سیّدوں کے بھی آباد ہیں۔

محمد علی بابا کے بیٹے لال دین بابا کے مندرجہ ذیل پانچ بیٹے تھے،

گل دین۔۔۔ جلال دین۔۔۔ مبین۔۔۔ سید میر۔۔۔ اور عبدالرحمٰن

اور چار بیٹیاں تھیں: بیٹیوں میں ایک بیٹی باگڑی خاندان میں بائی خان کی اہلیہ تھیں، جو ماولی حاجی کے پر دادا تھے۔ دوسری بجران خاندان میں محمود بابا کی والدہ اور یعقوب استاد کی دادی تھیں۔

تیسری سرخ چوہانوں میں کریم بابا کی اہلیہ اور بہرام بابا اور سلام دین بابا کی والدہ تھیں۔

اور چوتھی کالے چوہانوں میں جمال دین بابا کی والدہ تھیں۔

اب آئندہ صفحات میں آپ تفصیل کے ساتھ محمد علی بابا کے بیٹے لال دین بابا کے مندرجہ ذیل پانچ بیٹوں گل دین، جلال دین، مبین، سید میر اور عبدالرحمٰن بابا کی اولادوں کا شجرۂ نسب ملاحظہ فرمائیں گے، اور ان کے ساتھ ساتھ علاقہ میں رہنے والے دیگر چوہانوں کا بھی۔

❁❁❁❁❁❁❁

شجرۂ نسب چوہان خاندان علاقہ نندھیاڑ بٹگرام
محمد علی چوہان
لال دین چوہان
مبین
جلال الدین
گل دین
سید میر
عبد الرحمان
لاولد
شیریا
غلام نور
مولوی
میرباز
عبد اللہ
میرداد
مرزا
سید نور
جمعہ
طوطا
رام دین
نوردین
نامعلوم
لاولد
سید گل
لاولد
باغی
اللہ داد
عبد القیوم
لاولد
لاولد
عراق چلا گیا
عبد اللہ بابا کے پانچ بیٹے تھے جن کا شجرہ مندرجہ ذیل ہے
نصیر الدین
خان جی
حضرت جی
علام دین
وہاب دین
شاہ سید
غلام ہادی
بدریامان
قاری فقیر محمد
غلام محمد
محمد زمان
گل رحمان
محمد قاسم
محمد عثمان
محمد حمزہ
محمد منصور
محمد راشد
محمد زبیر
مولانا عبد الرشید
غنڈو
حفیظ اللہ
محمد احسان
سبحان
ذیشان
ریحان
فرحان
عبد اللہ
عباد اللہ
محمد مجاہد
صادق
فاروق
ماروف
محمد بلال
محمد اسد
عرفان
محمد حسن
محمد عارف
محمد حسین
عبد الخالق
محمد یوسف
محمد عامر
عبد اللہ
مصطفیٰ
محمد عمر
محمد فیضان
سیف الرحمٰن
شاہ رحمٰن
محمد رضوان
محمد حارث
محمد انس
اسماعیل
انزر
پردوس
خالد
اسحاق
ابراہیم
فیروز
عبد الخالق
عبد الرزاق
عبد الحق
محمد گلاب
عبید اللہ
مطیع الرحمان
عتیق
سعید الرحمٰن
عامر
عمیر
انوار
زلفران
حفیظ
حبیب
محمد شعیب
مستجاب
اعجاز
سیف اللہ
سمیع اللہ
محمد سیام
میرے دادا نصیر الدین چوہان کی اولاد کا
شجرہ اس صفحہ پر نہیں آسکا، اسے اگلے صفحہ
پر ملاحظہ فرمائیں۔
فضل ربی
فضل الرحمٰن
فضل الرحیم
احسان اللہ
سعید اللہ
محمد بلال
عمر
حق نواز
انس
یونس

عبداللہ بابا چوہان کے پانچ بیٹوں میں سے چار بیٹوں خان جی، حضرت جی، علام دین، اور وہاب دین، کا شجرہ گذشتہ صفحہ پر لکھ چکا ہوں اب سب سے بڑے بیٹے نصیرالدین چوہان کی اولاد کا شجرہ پیش خدمت ہے، جن کے چار بیٹے تھے۔ شاکرؔ
محمد علی چوہان
لال دین چوہان
گل دین چوہان
عبداللہ بابا
نصیرالدین چوہان
حاجی حضرت میر
میر سید
جمسید
مولانا خانِ زمان
لا ولد
حاجی محمد قاسم
محمد عظیم
قاری محمد داؤد
مولانا محمد موسیٰ شاکر
محمد یوسف
محمد یاسین
محمد ہارون
انعام اللہ
عبداللہ
حذیفہ
فضل حق
مولانا سیف اللہ
عنایت اللہ
قاری عزیز الرحمٰن
بدرِ زمان
صحبت خان
میر نواز
محمد طیب
مولانا عاصم
مولانا رضوان
سمیع الحق
احسان اللہ
رضوان
اجمل
طلحہ
زکریا
یوسف
عبیدالرحمٰن
ابوبکر صدیق
عمر فاروق
عمر ابوبکر
محمد عمر
محمد اویس شاکر
ابوبکر صدیق
محمد عمار شاکر
محمد عامر شاکر
محمد عمیر شاکر
محمد سعد شاکر
علی عبید
حسن عبید
حسین عبید
عبداللہ عبید
عبدالعزیز
عبدالرحمان
عبداللہ
سمیع اللہ
احسان اللہ
ابوذر
عبدالباسط
محمد عاصم
حنیف اللہ
سیف اللہ
محمد عامر
محمد انیس
حبیب
محمد یاسر
محمد ساجد
محمد فہد
محمد انس
ادریس
حسنین
فضل الرحمٰن
گل رحمٰن
خان فقیر
عبدالمجید
عبدالحکیم
عبدالعزیز
عبدالحمید
عبدالباسط
ضیاء الحق
ظہیر اللہ
فاروق
معروف
سلیم خان
تالی زر
ریاض
فاروق
ساجد
ماجد
یاسر
ابوبکر
علی حیدر
انس
مدثر
نیاز محمد
محمد انس
امیر حمزہ
امیر معاویہ
محمد عمر
رضوان
مزمل
ادریس
نسیم
زبیر
ریاض
محمد بلال
جانا سر
تالی زر
گلزار
ظفر
امرین
ابراہیم
نظیر
آصف
امجد
طفیل
عبید

گل دین چوہان کے تین بیٹوں میں سے دو بیٹوں عبداللہ بابا اور مرزا بابا کا شجرہ گزشتہ صفحات پر آپ پڑھ چکے ہیں اب منجھلے بیٹے میر داد چوہان کی اولاد کا شجرہ پیش خدمت ہے، جن کے چار بیٹے تھے۔ شاکر
محمد علی چوہان
لال دین چوہان
گل دین چوہان
میر داد بابا
پینڈیا
وجیا
خوشحال
یٰسین
لاولد
طور
راج ولی
عبدالعزیز
برہ خان
خستہ مان
محمد اسحاق
پالس
طاؤس
عیسیٰ خان
جہانزیب
جانس
اعظم
شاہ زیب
اعجاز
نعیم
احسان
سیف اللہ
عبدالصمد
احمد
محمد
حسن
شبیر احمد
تمروز
اکبر
یوسف
مزمل
حبیب اللہ
بخنواز
شاہ نواز
عبدالقادر
شاہ رند
نور حسین
فاروق
ہارون
زبیر
عزیز
جان محمد
عبداللہ
صادق
تاج محمد
جاوید
انور
سعید نواز
رحیم اللہ
ریاض اللہ
فیروز
امروز
بہادر
عبدالمالک
اختر نواز
خترزیب
دلبر
عثمان
رضوان اللہ
محمد ریاض
محمد اعجاز
عبدالرحمٰن
سردار
مدثر
مبشر
آصف
شریف
زر محمد
نسیم
اعظم تاز
تاج محمد
امتیاز
زعفران
شیر خان
امداد اللہ
شہزاد
دلشاد
الیاس
اکرم
بابو
ملک جان
اسلم
نصیب
طالب
نیاز
فیاض
ارشاد
کامران
شہزاد
ارشاد
دلشاد
عابد
مولانا عبدالرحمٰن
مولانا عبدالخالق
باز ولی
محمد فقیر
حاجی طورہ باز
قاری عبدالاکبر
زیب اللہ
سعید اللہ
مطیع اللہ
رحیم اللہ
نعیم اللہ
قاری محمد سلطان
محمد سلیمان
محمد عثمان
قاری محمد شریف
سمیع اللہ
حمید اللہ
ابراہیم
شاہ زیب
عبدالرحیم
عامر
قاری عبدالحق
مولانا عطاء الحق
احسان الحق
مولانا عبداللہ
فاروق
محمد ابوبکر
محمد عمر
علی
محمد عثمان
محمد عفان
محمد حسن
محمد حسنین
محمد سعید
وجیا بابا کا شجرہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں
محمد زبیر
جہانزیب
غلام مصطفیٰ
نزیر
تاج الرحمٰن
عمران
حماد
حذیفہ
عمیر
معاویہ
محمد جنید
محمد عبداللہ
امیر حمزہ
عبدالباسط
محمد قاسم
محمد بلال

وجیا
خان ولی
سید شاہ
گوہر آمان
سرباز
مولانا محمد یوسف
ملوک خان
جان باز
تالی زر
قاری محمد شریف
جھنگڑ
مولانا محمد اکبر
محمد صدیق
گل عمر
عبداللہ جان
گل زار احمد
دلدار
یعقوب
محمد
محمود
آصف
محمد عثمان
نعمان
محمد ابوبکر
خویداد
بلال احمد
عبداللہ
عبیداللہ
گل محمد
تاج محمد
اویس
جاوید
عبدالحکیم
محمد نعیم
عبداللہ
وسیم اللہ
لال دین
نمتیار احمد
میانداد
مستجاب
سجاد احمد
لال دین چوہان کے تیسرے بیٹے جلال الدین
جلال الدین
بابا کی اولاد کا شجرہ پیش خدمت ہے
شیریا
غلام نور
مولوی گم شدہ
میر باز
عبدالحلیم
مبین
شاہ گل
احمد گل
باز گل
الف دین
لاولد
نامعلوم
نیام دین
باز ولی
ملکیا مان
عبدالرحمان
لاولد
یاسین
گل زمان
مستقیم
ہاشم علی
جانس
محمود
خزان
عبدالمجید
لاولد
مصطفیٰ
مولانا نذیر
محمد نصیر
عبدالبصیر، محمد یوسف
عبدالماجد، محمد ساجد
عبدالواجد، عبدالوارث
محمد بلال، محمد امجد
احمد بن یوسف
عامر بن عبدالماجد
لاولد
عبدالرزاق
قاری مظفر
رضوان
عبداللہ
محمد انس
محمد
محمد عمر
محمد عمیر
ناصر
ساجد
عدنان
فیضان
ذیشان
منیر احمد
تنویر احمد
عبدالحسیب
پالس
مسکین
مولانا عبدالمتین
محمد سفیان
محمد ریحان
محمد فرحان
عبدالحمید
عبدالرشید
عبدالمالک
خوئیداد
عماد
معاذ
مدثر
عبداللہ
ابراہیم
حسن
ہاشم
قاری اسداللہ
عبیدالرحمٰن
عزیز الرحمٰن
زاہد الرحمٰن
صابر الرحمٰن
سیف اللہ
رفیع اللہ
عبداللہ
مطیع اللہ
رحیم اللہ
حذیفہ
خزیمہ
شریف
مولانا بشیر
جہانزیب
نواز خان
ثناء اللہ
عطاء اللہ
عمر فاروق
سیف اللہ
شکیل
منیب
حبیب
محمد معاذ
مبشر
معاویہ
محمد معیذ
رایان
یاسر
مرتضیٰ
حبیب
محمد حاشر
قاری نعمان
مولانا عبدالحق
قاری مطیع الرحمٰن
محمد لقمان
محمد زمان
عثمان
عرفان
بلال
ابوبکر
محمد علی
عبداللہ
عمر
عمیر
عذیر
ریحان
سید خان
بدر
گل میر
طوریا
لاولد
عبدالحکیم
محمد یوسف
قاری غلام یوسف
محمد ایوب
محمد امین
محمد اکبر
ابراہیم
عبداللہ
امجد
محمد عامر
حبیب اللہ
محمد
حمزہ
عمیر
احسان اللہ
نعیم اللہ
حسن یوسف
بشیر
عبدالرشید
نذیر محمد
محمد امجد
محمد بلال
ریحان
ابرار
سعیداللہ
عاطف
عرفان
صدیق
سیف اللہ
اسد
محمد علی
عبدالرحمٰن

لال دین چوہان کے چوتھے بیٹے سید میر بابا کا شجرہ
پیش خدمت ہے
لال دین چوہان
سید میر چوہان
سید نور چوہان
جمعہ
طوطا
باج
لعل
مولوی جمعہ دین
لکھ میر
تاج بابا
باغی
داد اللہ
عبدالقیوم
لاولد
لاولد
عراق چلا گیا
لاولد
محمد شاہ
سید شاہ
لاولد
عبدالخلیل
عبدالکریم
حاجی محمود
قاری محمد الیاس
عبید الرحمٰن
جمیل الرحمٰن
عبدالرحمان
گوہر یا مان
عزیز الرحمٰن
سیف اللہ
حنیف اللہ
غلام رسول
غلام محمد
حبیب الرحمٰن
عبدالمقیت
محمد مصطفیٰ
عبداللہ
رفیع اللہ
محمد احسان
علی
مولانا شیخ ہارون
محمد اسحاق
محمد ایوب
عبدالغفار
فضل الرحمٰن
شفیع الرحمٰن
عبیداللہ
عبیداللہ
عرفان
مولانا محمد طیب
اسد اللہ
محمد بلال
محمد عبداللہ
محمد ولید
محمد انس
احمد
محمد
محب اللہ
شفیق الرحمٰن
سعید الرحمٰن
محمد حسان
محمد عفان
عبداللہ
یونس
طارق
محمد رضوان
عثمان
ریحان
ابوبکر
حبیب اللہ
محمد
احمد
انوار الحق
شمس الحق
محمد ہشام
محمد ابتسام
سیف الرحمٰن
عنایت الرحمٰن
کفایت الرحمٰن
ہدایت الرحمٰن
نسیم اللہ
محمد عیان
ابوبکر
حماد
مجیب اللہ
عطاء الرحمٰن
محمد عدنان
محمد فرحان
عثمان
مزمل
ریحان
فرحان
محمد موسیٰ
محمد یوسف
قاری محمد عمر
عبدالصمد
سعید الرحمٰن
بشیر
سمیع اللہ
حمزہ
ابراہیم
حفیظ اللہ
حنیف اللہ
عادل
محمد طیب
محمد عامر
محمد فاروق
احمد
محمد
اسماعیل
محسن
محمد حیات
محمد معاویہ
محمد حماد
محمد معروف
عبداللہ
معاذ
عبدالباسط
عبدالواجد
حسن
محمد عثمان
حاجی ملک آمان
حاجی عبدالستار
سرفراز خان
مولانا عبدالوہاب
عبدالغفار
حبیب اللہ
مولانا حمید اللہ
قاری عبدالباقی
سمیع اللہ
سلیم اللہ
احسان الحق
عطاء الحق
احسان اللہ
انعام اللہ
امین اللہ
نعیم اللہ
سعید اللہ
حامد
عبدالباسط
محمد عثمان
محمد ریحان
محمد فیضان
حسن
حسنین
حیدر
رحیم اللہ
نصیر
احمد
امیر حمزہ
محمد نعمان
محمد ریان
عبداللہ
نیاز اللہ
حماد
طلحہ
مولانا عبید اللہ
فیض اللہ
ثناء اللہ
سمیع اللہ
محمد ساجد
حفیظ اللہ
معاویہ
محمد
حذیفہ
مولانا محمد صابر
محمد علی
معاذ
سعد
طلحہ
عرفان
رفیع اللہ بن نعیم اللہ
عمر
ابتسام
انس
شعیب
شمس الرحمٰن
قاری محمد نذیر
محمد فاروق
محمد بشیر
خالد الرحمٰن
زین
عمیر
بلال
عمر
عثمان
مجیب اللہ
خطیب الرحمٰن
حسیب الرحمٰن
بلال
محمد عمر
محمد علی
زاہد
عثمان
فیضان
معاویہ

سید میر چوہان کے بڑے بیٹے سید نور بابا کا شجرہ
پیش خدمت ہے
سید میر چوہان
سید نور چوہان
خان جی
مولانا حبیب الرحمٰن
مولانا سراج الدین
مولانا بنی اسرائیل
عبدالغفور
مولانا حضرت نور
حضرت جی
عبدالحلیم
حاجی عبدالحئی
دوست محمد
براہ خان
مولانا عبدالمتین
عبدالمنان
مولانا حضرت عمر
راشد
یوسف
ضیاء الرحمٰن
مقبول الرحمان
عبدالرشید
عمران
صادق
عبدالمالک
امین
حارث
آصف
علی
عمر
ساجد
عمیر
حسن
ابراہیم
سعد
خالد
مولانا عبدالقادر
داؤد
قاری زکریا
طلحہ
محمد علی
حبیب الرحمٰن
عرفان
معاویہ
طارق
ابوبکر
لقمان
نعمان
عثمان
اسامہ
محمد عمر
سعید الرحمٰن
عبدالرؤف
عبدالوکیل
عبدالغفار
حاجی عبدالستار
مولانا عبدالماجد
محمد یحییٰ
قاری عبدالرشید
محمد مسعود
ابوبکر
وحید الرحمٰن
حماد
مجیب الرحمٰن
زبیر
عبدالوحید
زاہد
حذیفہ
جنید
سیف الرحمٰن
شعیب
فواد
حبیب الرحمٰن
شہزاد
عمر
وقاص
بلال
شاہد
ارشد
امجد
شمس الرحمٰن
شمس الحق
فرحان
عاطف
عثمان
نوید الرحمٰن
مطیع الرحمٰن
عزیر
انس
عمر
اسد
حماد
صدیق
سہیل
عبدالباسط
عبدالحلیم
محمد اکبر
قاری عبدالحمید
قاری عبداللطیف
محمد یاسین
مولانا عبدالعزیز
عمیر
عبدالواجد
محمد ساجد
مولانا عبدالاالرؤف
محمد عکاشہ
عبدالوہاب
عبداللہ
عبدالباقی
شمس الدین
عامر
محمد عابد
محمد معاویہ
عبدالوحید
محمد ابوبکر
محمد حسنین
محمد احسن
قاری شمس الاسلام
طاہر
محمد ناصر
محمد حسن
عبدالواحد
عبدالسمیع
عبدالبصیر
عبدالصمد
عبدالباسط
محمد فیضان
محمد حسن
صدام
عارف علی
اعجاز اللہ
عبدالقدیر
عبداللہ
عمیر
اسعد
یاسر
نصیر
نصراللہ
شمس الدین
صلاح الدین
عبدالکریم
عبدالحفیظ
محمد طلحہ
عبدالواجد
عزیر
اویس
حنظلہ
حمزہ
سعد کریم
اسامہ
عبدالتواب
عنایت الرحمٰن
حفیظ الرحمٰن
عزیز الرحمٰن
عتیق الرحمٰن
عطاء الرحمٰن
خذیمہ
امجد
عکاشہ
احسان اللہ
محمد عدنان
محمد عارف
محمد ابوبکر
محمد رحمان
آصف
اویس
عامر
محمد عرفان
محمد حیدر
حسان رحمان
محمد مصطفیٰ
صائم رحمان

مولانا حبیب الرحمٰن
مولانا حضرت نور
مولانا محمد نبی
مولانا عبدالرزاق
حاجی عبدالخالق
ماسٹر عبدالحق
مفتی فضل الرحمٰن
ڈاکٹر حفظ الرحمٰن
وجیہ اللہ
عطاء الرحمٰن
عزیز الرحمٰن
ضیاء الرحمٰن
شمس الرحمٰن
عتیق الرحمٰن
سلیم اللہ
مولانا کفایت اللہ
عنایت اللہ
محمد
محمد حماد
محمد جواد
محمد طلحہ
طاہر
محمد
محمد عادل
نصیر
مفتی انعام الحق
محمد طلحہ
محمد عمر
محمد عمار
رحیم اللہ
فرحان
عامر
محمد شاکر
محمد زعیم
ضیاء الحق
عبدالغفار
عبدالرؤف
فضل حق
قاری فضل ربی
عبدالوہاب
عبدالتواب
محمد
عدنان
محمد عاقل
محمد ریان
عطاء الحق
عمر
عطاء اللہ
سمیع اللہ
احسان اللہ
سیف اللہ
اسد اللہ
امان اللہ
فرمان اللہ
فداء الحق
عامر
احمد
حماد
محمد عمر
عنایت اللہ
خالد
محمد
اسامہ
حنیف اللہ
حسن
عثمان
عفان
ثناء الحق
عادل
حامد
رفیع اللہ
مطیع اللہ
رحیم اللہ
اسد
کفایت اللہ
معاویہ
انس
حیدر
سید نور چوہان کے بیٹے مولانا حبیب الرحمٰن کی اولاد کا شجرہ پیش کیا جا چکا، اب دوسرے بیٹوں کا پیش خدمت ہے
مولانا سراج الدّین
عبدالجلیل
عبدالرحیم
عبدالحمید
عبدالخالق
عبدالمالک
حاجی سید غلام
حضرت میر
عبدالجبار
عبدالحکیم
عبدالستار
عبدالصادق
قاری محمد عبداللہ
عبدالقدوس
مولانا سعید الحق
مولانا ضیاء الحق
مفتی انوار الحق
عزیز الرحمٰن
سید ولی
سعید الرحمٰن
حبیب اللہ
عبید اللہ
انعام اللہ
عبدالرحمٰن
مولانا سمیع الحق
عبداللہ
ابوبکر صدیق
سیف اللہ
عبداللہ
معاذ
معذ
محمد ثاقب
حمزہ
محمد ایان
عبدالجواد
عبدالباسط
احمد عبدالرحمٰن
عمر فاروق
عبدالاکبر
عبدالمتین
محمد زرین
عبدالرزاق
زبیر
محمد عمر
حامد الحق
عبدالکفیل
عبدالقیوم
عبدالبشیر
عبدالباقی
خلیل الرحمٰن
سیف اللہ
سیف الاسلام
حسن
علی
عبدالحق
فضل حق
عبدالقیوم
اسد اللہ
شمس الحق
آصف
محمد فیاض
حبیب الرحمٰن
شمس الرحمٰن
زاہد
احسان اللہ
احسان الحق
عطاء الحق
محمد حسن
محمد حسین
معاویہ
عادل
محمد عمر
عثمان
ذاکر اللہ
عبدالباسط
حفیظ اللہ
راشد
محمد یونس
صدیق
کفایت اللہ
وجیہ اللہ
محمد ریاض
عباد اللہ
غلام اکبر
فاروق
عبدالقادر
غلام یوسف
محمد راشد
محمد عمیر
محمد علی
حامد علی
محمد احمد
محمد عدنان
محمد افنان
عمر فاروق
محمد سفیان
محمد سعد
عکاشہ
محمد بلال
محمد حماد

خان جی
ملکیا مان
عبدالرحمٰن
عبدالمجید
محمد شبیر
اسماعیل
ابراہیم
سعید الرحمٰن
محبوب الرحمٰن
محمد بشیر
مولانا محمد ایوب
عبدالصمد
حضرت آمان
عبدالقہار
کلیم اللہ
عبداللہ
عبیداللہ
بلال
ہلال
نعیم
فرید
نوید
نذیر
احمد
محمد عمر
محمد عثمان
محمد عامر
محمد عمر
قدیر
صدیق
رفیق
جنیذہ
ہریرہ
حذیفہ
عبدالباری
عبدالودود
آنس
عابد
عادل
ثناء اللہ
امان اللہ
ولی اللہ
رفیع اللہ
احسان اللہ
سمیع اللہ
محمد احتشام
محمد مدثر
محمد عرفان
محمد آصف
محمد عاطف
محمد جواد
محمد پرویز
محمد اسامہ
محمد عامر
محمد عارف

محمد علی چوہان
لال دین
عبدالرحمٰن
لال دین چوہان کے پانچویں بیٹے عبدالرحمٰن
بابا کا شجرہ پیش خدمت ہے
نوردین
رام دین
محمد ہارون
عبدالجبار
عبدالقہار
گل محمد
مولانا حضرت عمر
محمد عمر
عمر
پاس خان
محمد اکبر خان
گل عامر
معتبر خان
حاجی افسر
سردار خان
محمد اجون
محمد عثمان
حنظلہ عمر
سمیع اللہ
زاہد
زبیر
اعجاز
انعام
ریاض
تاج بر
لاولد
لاولد
سلیمان
محمد احمد
عنایت اللہ
جواد
فواد
عرفان
ابرار
لقمان
محمد طلحہ
ولی اللہ
معتز
وحید
نوید
ذاکر
اختر زیب
انورزیب
محمد انور
عبیدالرحمٰن
ریحان
عثمان
محمد حنیف
فیاض
رستم
مؤمن خان
ہاشم خان
احمد
فرمان اللہ
عطاء اللہ
عبداللہ
انورزیب
عمران
شیرین جان
قاری عبدالوارث
ثناء اللہ
محمد حسن
محمد حسین
رفیع اللہ
ثناء اللہ
ذاکراللہ
سیف اللہ
عبیداللہ
سعیداللہ
محمد عبداللہ
مولانا اشرف علی
نعیم خان
یوسف خان
عابد
حمزہ
محمد بلال
نعمان
لقمان
عبدالرحمٰن
فضل ربی
محمد احمد
حسن
شیر زمان
گل زمان
غازی بابا
قاری گلزار احمد غازی
محمد اکبر
نور محمد
فردوس
محمد عتیق الرحمٰن
مولانا عزیز الرحمٰن
مفتی فضل الرحمٰن
مولانا شفیع الرحمٰن
قاری عبدالباسط
قاری احمد
قاری پیر محمد
ملنگ خان
حاجی فیروز
محمد ابوبکر
محمد ابوبکر
عنایت الرحمٰن
مولانا ولی الرحمٰن
سیف الرحمٰن
محمد ابوبکر
منیر احمد
عبیداللہ
محمد عمر
زاہد اللہ
محمد عثمان
محمد حسن

شجرۂ نسب چوہان خاندان (۲) علاقہ، بھیڑ، گھٹ سیریاں بٹگرام وشنکیاری

قارئین کرام: اب میں جو شجرہ لکھنے جا رہا ہوں، اس خاندان کے بزرگ بھی ہمارے دادا محمد علی بابا کے ساتھ (بطور ''مانجھی'' خدمت گار کے پنجاب سے آئے تھے، اور ساری زندگی انہی کے ساتھ رہے۔ ان بزرگوں کا نام اور ان کے بعد کی تین پیڑھیوں کے بارے میں معلومات حاصل نہیں کر سکا، اگر کسی ذریعہ سے مجھے معلومات مل گئیں تو اس میں اندراج کرلوں گا انشاء اللہ۔ اس شجرہ میں مولانا عبداللہ جان مرحوم نے اپنی باقاعدہ رہائش شنکیاری ضلع مانسہرہ میں اختیار کرلی تھی۔ شاکرؔ

شجرۂ نسب چوہان خاندان (۳)
المعروف کالے چوہان
نور بابا
نور بابا کی ایک بیٹی تھی جو شیریا
بابا کی زوجہ تھیں
محمد رسول
شاہ رسول
گل زمان
غازی
باغی
اسماعیل
یعقوب
اسرائیل
غلام رسول
مستقیم
برہ خان
لاولد
باج دین
جمال دین
گل زرین
قاسم
ممتاز
ملک آمان
سراج دین
آمردین
گل
پھٹو
طالب
لاولد
لاولد
اللہ دین
شکرو
رام دین
بہرام دین
خان ولی
تیمبر
جعفر
تالی زر
افسر
پایاب

شجرۂ نسب چوہان خاندان (۴) علاقہ بھیڑ بٹگرام
بھیڑ کے چوہان (المعروف رتّے چوہان)
نوٹ:- بھیڑ اور الائی کے رتّے
چوہان آپس میں چچا زاد ہیں
کریم بابا
بہرام
سلام دین
مبین
خان ولی
سید رسول
ملک آمان اللہ
حضرت ولی
ہاشم علی
سید ولی
نور ولی
محمد سراج
الف گل
گل رحمٰن
رسولیو
چرابی
عبداللہ جان
سیب جی
لال دین
غلام بابا
نبیا بابا
مستری
جھنڈو
شاہ میر
گل
مبین
خان جی
امام جی
احمد جی
محمد جی
جمعہ دین
خان زمان
شیر زمان
لاولد
وزیر
صالحین
لاولد
لاولد
عبدالرحمٰن
عبدالستار
عبدالرشید
عبدالتواب
عبداللہ
شاہ زمان
عبدالہادی
شریف
یوسف
حسن دین
مولانا ضیاء الدین
شبیر
عبدالوحید
نذیر

شجرۂ نسب چوہان خاندان علاقہ آلائی بٹگرام

الائی کے چوہان (المعروف رتّے چوہان)

شجرۂ نسب چوہان خاندان علاقہ کُنڈ بالا
امام دین
جمال دین
یہ شجرہ نسب مجھے جناب محمد یونس چوہان صاحب چیئرمین کُنڈ بالا
کی وساطت سے حاصل ہوا ہے۔
لاولد
مصری
نورا
باز
صوبہ
غازی
ماہ ولی
ولیا
وزیر
شبیر
مرتضیٰ
مصطفیٰ
راج ولی
شاہ ولی
میاں داد
ولی خان
علی داد
علی حیدر
عبدالقیوم
محمد حسین
عبدالغنی
بابو
عبدالقادر
ابوبکر
صابر
افتخار
ذوالفقار
عارف
سہیل
طفیل
سبیل
حامد
جواد
منصور
وسیم
احمد حسین
ذیشان
احسان
عمر
فیضان
سراج
منیر
مبین
عابد
عدیل
خان ولی
ہاشم علی
غلام عیسیٰ
محمد شریف
نظیر
نثار
فیض
عبدالرزاق
ریاض
زبیر
یاسر
ادریس
صدیق
ابرار
محمد یونس
نصراللہ
معاذ
حارث یونس
ارسلان یونس
عبیداللہ یونس
حمزہ یونس
گل زار
مسکین
میاں خان
محمد خان
راج محمد
عامر
عمر
آصف
خالد
بابو

عبداللہ بابا رحمۃ اللہ علیہ

میرے پر دادا عبداللہ بابا ایک دین دار اور صالح انسان تھے، نماز و روزہ کے پابند تھے، اور قرآن کریم کی تلاوت کثرت سے کرتے تھے، اور بچوں کو قرآن کریم کی تعلیم دیتے تھے، بھیڑ زیریں میں قادر خیل قبیلہ کے اکثر لوگ ان کے شاگرد تھے۔ جبار بابا، عباس بابا، محمد حسن، میر حسن بابا وغیرہ سب نے ان سے قرآن پڑھا تھا۔ اسی طرح بھیڑ بالا کے لوگوں نے بھی ان سے قرآن کی تعلیم حاصل کی تھی۔ جمال دین بابا، نصیر الدین چوہان، خان جی بابا، علام دین بابا سمیت اپنے سب بچوں، بھتیجوں اور اہل علاقہ کو قرآن مجید کی تعلیم انہوں نے دی تھی۔

تلاوت قرآن کے اتنے دلدادہ تھے کہ ہر وقت قرآن مجید اُن کے پاس رہتا تھا، اور دن کو مال مویشیوں کے ساتھ جب ہوتے تو چٹانوں پر بیٹھ کر قرآن کریم کو اپنے دستی بیگ سے نکال کر تلاوت شروع کر دیتے تھے۔

تلاوت قرآن سے فارغ ہوتے تو ذکر اللہ میں مشغول ہو جاتے۔ اور اکثر اُن کی زبان پر ذکر اللہ کے جو الفاظ ہوتے تھے اُن میں سے ایک ذکر یہ تھا:

أَنْتَ الْهَادِيْ أَنْتَ الْحَقُّ، لَيْسَ الْهَادِيْ إِلَّا هُوْ، لَآ إِلٰهَ إِلَّا هُوْ، لَآ إِلٰهَ إِلَّا هُوْ، اور لَآ إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ لَآ إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ۔

اور یہی ذکر پھر میرے والد ماجد کی زبان پر بھی ہر وقت جاری رہتا تھا۔ میرے چچا مرحوم قاری فقیر محمد صاحب نے ایک دن والد صاحب سے پوچھا کہ بھائی آپ نے یہ ذکر کس سے سیکھا ہے تو والد صاحب نے بتایا کہ دادا مرحوم عبداللہ بابا سے۔

عبداللہ بابا کے پانچ بیٹے اور تین بیٹیاں تھیں، میرے دادا نصیر الدین بہن بھائیوں میں سب سے بڑے تھے۔ باقی بیٹوں میں خان جی، حضرت جی، علام دین اور وہاب دین تھے، جن میں سے علام دین بابا کا انتقال کوئٹہ میں ہوا تھا جو مزدوری کے لئے کوئٹہ گئے ہوئے تھے۔ ان ہی کی بیوہ سے پھر میرے والد صاحب نے شادی کی تھی۔

عبداللہ بابا کی بڑی بیٹی کا نام شاہ خیلے تھا جو گل سید، اور جمسید کی والدہ تھیں، اور حبیندر خاندان میں ان کی

شادی ہوئی تھی۔

دوسری بیٹی کا نام بسّو تھا جن کا ایک بیٹا اور دو بیٹیاں تھیں۔ بیٹے اور ایک بیٹی کا چھوٹی عمر ہی میں انتقال ہو گیا تھا جب کہ ایک بیٹی کا رخصتی سے قبل انتقال ہو گیا تھا۔

اور تیسری سب سے چھوٹی بیٹی کا نام مریم بی بی تھا جو حضرت مولانا عبدالحکیمؒ اور محمد یاسین کی والدہ تھیں، اور باگڑی خاندان میں ان کی شادی ہوئی تھی۔ پہلے ان کا نکاح غازی بن حبیب بن بائی خان سے ہوا تھا جن سے ان کا ایک بیٹا محمد یاسین تھا۔ اور غازی بابا کی وفات کے بعد پھر وہ ماولی حاجی کے نکاح میں آئیں جن سے حضرت مولانا عبدالحکیمؒ بانی جامعہ فرقانیہ مدنیہ راولپنڈی پیدا ہوئے۔

عبد اللہ بابا کی وفات "مگری" کے مقام پر بھینسوں کو چراتے ہوئے پہاڑی سے گر کر ہوئی، والد صاحب فرماتے تھے کہ صبح کا وقت تھا میں بھینسوں کے ساتھ تھا باقی سب لوگ گھروں میں بیٹھے ہوئے تھے۔ دادا مرحوم عبداللہ بابا بھی پیچھے سے آ گئے، بھینسیں پڑی میں داخل ہوگئی تھیں تو وہ بھی پیچھے چلے گئے اور ایک بھینس کو ایک دو مرتبہ آوز دی، پھر مجھے پتھروں کے گرنے کی آواز آئی، اُس وقت دُھند چھائی ہوئی تھی میں سمجھا کہ کوئی بھینس گر گئی ہے، میں نے گھر والوں کو آواز دی کی بھینس گر گئی ہے جلدی آئیں، اور خود میں دوڑتا ہوا جب اس مقام پر پہنچا تو دیکھا کہ ایک بھینس تو گر گئی تھی اور دادا جی بھی قبلہ کی طرف رُخ کئے ہوئے پڑے تھے۔ سر میں جہاں زخم تھا وہ جگہ سفید تھی لیکن خون ذرا بھی وہاں سے نہیں نکلا تھا۔ ٹھوڑی سے تھوڑا سا خون نکلا تھا، جو ہاتھ پر بھی لگا تھا۔ گھر کے افراد جو بھینس گر گئی تھی اس کو دیکھ رہے تھے، میں نے والد صاحب کو آواز دی کی دادا جی گر گئے ہیں، بھینس کو چھوڑیں اور جلد یہاں پہنچیں، چنانچہ میرے والد صاحب اور دیگر چچے وہاں پہنچے اور انہیں وہاں سے اٹھا کر "ھولا" کے مقام پر لائے، ان کا انتقال ہو چکا تھا۔

رات کو شیر یا بابا کے گھر میں ان کی میت رکھی گئی اور دوسرے دن کھیت یعنی بھیڑ بالا اُن کا جنازہ لایا گیا، اور جنازہ کے بعد مسجد کے عقب میں ان کی تدفین کی گئی۔ وہاب الدین بابا، اور پینڈیا بابا اس سال مویشی لے کر چوڑ گئے ہوئے تھے، جس کی وجہ سے وہ جنازہ میں شریک نہ ہو سکے۔

رب اغفره ورحمه ونوّر قبره۔

نصیر الدین چوہان رحمۃ اللہ علیہ

میرے دادا مرحوم جن کا نام نصیر الدین تھا، جس طرح میں پہلے لکھ چکا ہوں کہ وہ اپنے بہن بھائیوں میں سب سے بڑے تھے، اور جو حضرت مولانا عبدالحکیمؒ کے سب سے بڑے ماموں تھے، مالی اعتبار سے خوشحال تھے، اور اس وقت اُن کے پاس بیس (20) سے زائد بھینسیں تھیں، دیگر مال جس میں گائے بیل بھیڑ بکریاں، اس کے علاوہ تھا، کسی نے شکایت کردی تو روشن خان کے نوکر آئے اُس وقت دادا مرحوم گھر پر نہیں تھے۔ دادی مرحومہ سے کہنے لگے ہمیں معلوم ہوا ہے کہ تمہارے پاس بہت بھینسیں ہیں، اور ایک بھینس کھول کر اپنے ساتھ لے جانے لگے، دادی مرحومہ نے کافی مزاحمت کی اور انہیں خالی ہاتھ واپس جانا پڑا، لیکن اس انکار کا عبرتناک انجام ظاہر ہوا۔

میرے دادا مرحوم کے گھر پر ڈاکہ

میرے دادا مرحوم کے پاس بھیڑ بالا کے علاقے میں بھی شہید، بڑی بیک، کے علاوہ دو تین پٹے اور بھی تھے، مگر بدقسمتی سے انہوں نے اپنے مویشیوں کے لئے الائی کی طرف ایک پٹہ زمین کا لیا (جہاں گھاس وغیرہ بہت اچھی تھی، زمین بھی کافی تھی، مکان بھی اچھا بنا ہوا تھا)۔ اور مال لے کر اُدھر چلے گئے احمد گل بابا اور شاہ گُل بابا کو بھی انہوں نے بتایا ہوا تھا وہ انہیں رخصت کرنے اور مال مویشی پہنچانے کے لئے ساتھ گئے اور مویشی پہنچا کر واپس آگئے۔ سات پُور کی ایک بانڈی میں ان کا قیام تھا اور اسی مکان میں مال مویشی بھی تھے۔ ابھی ایک دو دن ہی گزرے تھے کہ دن بھر گھاس کاٹنے اور کام کاج کرنے کے بعد رات کو جب سب لوگ سو گئے تو اچانک مکان پر ڈاکوؤں نے حملہ کر دیا اور ایک زلزلہ کی سی کیفیت پیدا ہوگئی۔

عورتوں اور بچوں نے ایک طرف چھپ کر پناہ لی اور مرد دروازے کے پیچھے کھڑے ہو کر اسے سہارا دیتے رہے کہ کھل نہ جائے۔ باہر سے وہ دروازہ کھولنے کے لئے اندر کی طرف زور لگا رہے تھے، اور اندر سے یہ باہر کی طرف دھکیل رہے تھے۔ آخر کار انہوں نے فائر کھول دیا، اور گھر کے دو افراد ایک مرد اور ایک عورت موقع پر گولیوں کا نشانہ بن کر موت کے منہ میں جا گرے، باقی گھر کے افراد نے رات کی تاریکی کا فائدہ اٹھاتے ہوئے چھپ کر جان بچائی، جانی نقصان سے اللہ نے گھر کے دو افراد کے علاوہ باقیوں کو محفوظ رکھا لیکن مالی طور پر کچھ بھی باقی نہ رہا،

جتنا بھی مال مویشی تھا وہ سب اپنے ساتھ لے گئے یہاں تک کہ بستر، کپڑے، آٹا، غلہ اور اناج تک سب کچھ لوٹ کر لے گئے۔ گھر میں اللہ کے نام کے سوا کچھ بھی باقی نہیں تھا۔

والد صاحب اس کے بعد فرمایا کرتے تھے کبھی یہ نہ کہو کہ ہم کل یہ چیز کھائیں گے یا وہ چیز کھائیں گے، کل کیا ہوتا ہے یہ صرف اللہ ہی جانتا ہے۔ اس طرح منٹوں میں ہنستا بستا گھر ایک وقت کی روٹی کا محتاج ہو گیا۔

میرے دادا نصیر الدین چوہان کو ڈاکوؤں نے پکڑ کر باندھ لیا اور اپنے ساتھ لے گئے، راستہ میں ایک بیل بھاگ گیا، کچھ لوگ اس کے پیچھے دوڑ پڑے، ایک آدمی جس نے دادا مرحوم کو پکڑا ہوا تھا، دادا نے اس کو مار کر گرا دیا اور جان چھڑا کر بھاگ گئے، اس طرح اللہ نے ان کی حفاظت فرمائی۔ دادا مرحوم واپس گھر آئے اور گھر کے لوگوں کے بارے میں دادی سے دریافت کیا، انہوں نے بتایا کہ سوائے دو آدمیوں کے کہ وہ مارے گئے ہیں، باقی سب محفوظ ہیں۔ ان کی تدفین کے بعد دادا مرحوم نے اپنے مال کی واپسی کی خاطر بچوں کو آلائی کے کریم بانڈہ میں چھوڑ دیا۔ اور تیس روپے میں ایک دودھ دینے والی بھینس لا کر گھر میں چھوڑ دی اور گھر والوں سے کہا کہ میں احمد جمالدار اور خان آف آلائی روشن خان کے پاس جاتا ہوں اور ان سے کہتا ہوں کہ میرا مال مجھے واپس لوٹا دیں۔

کئی مہینوں تک دادا جان کے بارے میں گھر کے افراد کو کچھ معلوم نہیں تھا کہ وہ کس حال میں ہیں؟ والد صاحب بھی ابھی چھوٹے تھے باقی خاندان کا کوئی فرد بھی نہیں تھا۔ دادی نے والد صاحب سے کہا کہ جاؤ اور والد کو تلاش کرو، والد صاحب کہتے ہیں مجھے کچھ اندازہ نہیں تھا کہ کدھر جانا ہے۔ گھنے جنگلات اور جھاڑیاں تھیں میں ان میں چل پڑا ڈر بھی رہا تھا کہ کہیں کوئی درندہ نہ کھا لے۔ دو تین پہاڑیاں عبور کرنے کے بعد آخر کار ایک مقام پر کچھ بھینسیں نظر آئیں میں ان کی طرف چل پڑا کہ اگر وہاں کوئی آدمی ہو تو اس سے پوچھوں۔ جب وہاں پہنچا تو والد صاحب پر نظر پڑی، میری جان میں جان آئی، والد صاحب اس وقت تک سات بھینسیں واپس لانے میں کامیاب ہوئے تھے۔ وہ گھر پہنچا کر پھر نکل کھڑے ہوئے اور کئی ماہ وسال کی جدو جہد اور منت سماجت، اور دینے دلانے کے بعد ان بھینسوں میں سے دس بھینسیں اور دو بیل واپس لانے میں کامیاب ہوئے، اور ان بیلوں کی واپسی کے بھی چالیس روپے ادا کئے، باقی جو مال تھا گائے بھینسیں، بھیڑیں ان میں سے کچھ ہاتھ نہ آیا۔ اور پھر اس گھر کو دوبارہ آباد کرنے میں عرصہ لگا۔ اس واقعے کے دو سال بعد دادا کا انتقال ہو گیا۔

حاجی حضرت میر چوہان رحمۃ اللہ علیہ

میرے والد صاحب کا نام حضرت میر چوہان تھا آپ کی پیدائیش اندازاً 1900ء کے اوائل میں بھیڑ بالا کے مقام پر نصیرالدین چوہان کے ہاں ہوئی۔ آپ بہن بھائیوں میں سب سے بڑے تھے، اور اسی طرح اپنے چچا زاد بھائیوں میں بھی سب سے بڑے تھے اس لئے بڑا بھائی کے نام سے مشہور تھے اور اسی نام سے اکثر گوجر اور سواتی انہیں مخاطب کیا کرتے تھے۔ آپ سے چھوٹے تین بھائی اور تین بہنیں تھیں۔ بھائیوں کا نام میر سید، جمسید اور مولوی خانِ زمان تھا۔ بہنوں میں ایک بہن بخت جان نامی باگڑی خاندان میں عبدالرحمٰن لالائی کی والدہ تھیں۔ جب کہ دوسری بہن خنم جان نامی کی شادی ڈونگہ میں بلبیسر خاندان کے اندر ہوئی تھی۔

میرے والد صاحب ابھی نوجوانی ہی کی عمر میں تھے کہ ان کے والد کا انتقال ہو گیا۔ اور اس حالت میں انتقال ہوا کہ ڈاکہ زنی کی وجہ سے سال ڈیڑھ کے مصائب برداشت کرنے کے بعد اپنے علاقہ کی طرف لوٹے ہی تھے اور ابھی سنبھلنے بھی نہیں پائے تھے کہ والد کا سایہ سر سے اُٹھ گیا اور نوعمری ہی میں بہن بھائیوں اور گھر کی ساری ذمّہ داری اُن کے کندھوں پر آن پڑی۔ جب آلائی سے سال ڈیڑھ کے بعد واپس اپنے علاقہ میں آئے تو ان کے آلائی جانے کے بعد ان کی زیر کاشت زمینوں پر اور لوگوں نے قبضہ کر لیا تھا۔ اس لئے والد صاحب کو مجبوراً بہن بھائیوں کے ساتھ اپنا علاقہ چھوڑنا پڑا۔

انہوں نے کچھ عرصہ نیلی شنگ میں گزارا، پھر کونش کے علاقہ میں پانچ سال تک رہے۔ اور وہیں پر والد صاحب نے شادی بھی کر لی۔ پھر نخولی میں، اور شنکیاری کے قریب ٹانڈہ گاؤں، میں کچھ عرصہ رہے، اور پھر ہل کوٹ میں تین سال تک زمین داری کرتے رہے۔ اس دوران اپنے دونوں بھائیوں میر سید اور جمسید کو مزدوری کے لئے کوئٹہ بھیج دیا۔ اور خود ملوکڑہ میں زمینداری شروع کر دی۔ ملوکڑہ میں قیام کے دوران اہلیہ کا انتقال ہو گیا۔

سو روپے میں پانچ جانور

☆ جمسید، اور میر سید چچا جو مزدوری کے لئے کوئٹہ گئے ہوئے تھے، وہ ساٹھ 60 روپے کما کر لائے، اس

زمانہ میں سونے کے سکّے (روپئے) ہوتے تھے۔والد صاحب فرماتے ہیں کہ ہم نے ارادہ کیا کہ کچھ جانور خریدیں،اس زمانہ میں ہری پور میں جانوروں کی منڈی لگتی تھی ،منڈی جانے کے لئے مانسہرہ تک پیدل سفر کیا۔

اس زمانہ میں مانسہرہ تک سڑک تھی اس سے آگے بٹگرام وغیرہ کی طرف سڑک نہیں ہوتی تھی ، اور لوگ مانسہرہ تک پیدل سفر کرتے تھے ۔ مانسہرہ سے حویلیوں تک ایک پرانی سی بس چلتی تھی اس میں بیٹھ کر حویلیاں آئے اور پھر حویلیوں سے ہری پور تک کا سفر تانگے میں طے کیا۔ ہری پور میں مویشیوں کی منڈی میں رات گزاری ، کچھ اور لوگ بھی خریداری کے لئے آئے ہوئے تھے۔

فرماتے ہیں کہ صبح کو جب منڈی لگی تو ہم نے اس منڈی سے ایک بھینس،ایک گھڑاپ خوبصورت جھوٹی،دو کٹیاں،اور ایک گائے ،ٹوٹل یہ پانچ جانور ایک سو(100) روپے میں خریدے۔جبکہ دو مزید بھینسیں ایک دوسرے ساتھی نے خریدیں،جن میں سے ایک کی قیمت 28 روپے تھی اور دوسری کی قیمت 29 روپے تھی۔

ہری پور سے مانسہرہ تک پیدل سفر کیا اور واپسی پر مانسہرہ سے ایک آدمی سے 10 روپے میں ایک کٹّی اور 6 روپے میں ایک بچھّی خریدی، جو کٹّی سے بھی زیادہ خوبصورت اور صحت مند تھی۔اس طرح ہری پور سے ملوکڑہ تک کا سفر ان جانوروں کے ساتھ پیدل طے کیا۔

ملوکڑہ میں چار سال گزارنے کے بعد واپس ہل آگئے اور دو سال کا عرصہ ہل کے مقام میں گزارا، وہاں چھوٹے بھائیوں جمسید اور میر سید مرحوم نے خان آف ہل کی نوکری اختیار کر لی۔والد صاحب واپس بھیڑ بالا آگئے، اور وہاں آپ نے بدریامان چچا کی والدہ سے جو بیوہ تھیں دوسری شادی کر لی۔عرصہ سات سال تک وہاں قیام رہا، اور جب دوسری بیوی گُل زادی اماں کا بھی انتقال ہو گیا تو ان کے انتقال کے بعد آپ نے ہماری والدہ صاحبہ سے تیسری شادی کی اور توت ڈنہ کی زمین میں بطور مزارع کے منتقل ہو گئے۔

توت ڈنّہ میں مستقل قیام

اُس وقت ہمارے علاقے کی زمینیں سواتیوں کی ملکیت میں ہوتی تھیں، اور جو زمین کے مالکان ہوتے تھے وہ اپنی زمینوں کو آبادی و کاشتکاری کے لئے مزارعین کو دے دیتے تھے۔ کاشتکاری کرنے والے کو مزارع یا کنڈری کہتے تھے، اور زمین کے مالک کو نیک،اور گھیرتھ کہتے تھے ۔ اکثر زمینوں کے مالک علاقہ کے خوانین ہوتے

تھے۔جس طرح ملک کے دوسرے حصوں میں کہیں خان، کہیں نواب ، کہیں چوہدری، کہیں ملک اور کہیں وڈیرے ہوتے ہیں۔اس طرح صوبہ سرحد، موجودہ کے، پی کے میں خوانین کا زور تھا۔اس زمانہ میں مزارعین پر کئی طرح کے مظالم ڈھائے جاتے تے۔

کاشتکار اور مزارع اس بنجر اور غیر آباد زمین کو آباد کرتا تھا۔ پہاڑی علاقے میں واقع ان پتھریلی زمینوں کو کھود کھود کر ، چٹانیں توڑ توڑ کر ، اور درختوں اور پودوں کی جڑیں نکال نکال کر کاشت کاری کے قابل بنایا جاتا تھا اس کے ڈھلوانوں میں بند بنائے جاتے تھے، اور زمین کو ڈوگوں کی شکل میں ڈھالا جاتا تھا، جسے مقامی زبان میں پٹّی کہا جاتا ہے ۔ برسوں کی محنت اور خون پسینہ بہانے کے بعد وہ زمین اس قابل ہوتی تھی کہ ان میں فصل کاشت کی جائے اس زمین کو قابل کاشت بنانے کے بعد اس میں ہل چلانا، بیج بونا، اس کی کھاد، اس کی حفاظت ،اس فصل کی کٹائی ، اور کٹوائی کے بعد جب یہ فصل تیار ہو جاتی تھی ،تو شروع شروع میں یہ مالکان اس تیار فصل کا چوتھا حصّہ لیجاتے تھے اور تین حصے مزارع کے لئے بچ جاتے تھے۔ پھر ان مالکان نے مل کر نیا قانون بنایا اور اس کے تحت چوتھے حصّے کے بجائے اس ساری فصل کے تین حصے کئے جاتے تھے، اور تیسرا حصّہ مالکان لیجاتے تھے اور دو حصے مزارع اور کاشتکار کے لئے رہ جاتا تھا۔جبکہ یہ فصل بھی برائے نام ہی ہوتی تھی۔

اس کے علاوہ ان غریب مزارعین سے مختلف قسم کی بیگاریں لی جاتی تھیں، جیسے آگ جلانے کے لئے بطور ایندھن جنگل سے لکڑیاں کاٹ کر خان، و مالکان زمین کے ہاں پہچانا، اس کے گھر کی تعمیراتی کاموں میں حصہ لینا، اس کی گھاس کاٹنا، اور فصل کی بویائی اور کٹائی وغیرہ اور دیگر جو کام وہ لینا چاہتا وہ کرنے پڑتے تھے۔

اس قسم کے مظالم اس وقت کے خوانین کی طرف سے ڈھائے جاتے تھے۔اگر کوئی آدمی بیگار کرنے سے انکار کرتا تو اسے گرفتار کر کے اپنے عقوبت خانوں میں بند کر دیا جاتا تھا، جہاں سے کبھی تو ان کی لاش واپس آتی ، اور کبھی ٹارچر سہنے کے بعد آزادی ملتی تھی ،خود میرے والد مرحوم کو بھی اس طرح کی قید کا سامنا کرنا پڑا تھا۔

جو بیگار وغیرہ سے انکار کرتا تو خوانین کے نوکر اس شخص کو باندھ کر لے جاتے تھے جہاں انہیں مختلف طرح کی سزائیں دی جاتی تھیں چند ایک سزاؤں کے نام یہ تھے۔ زندہ درگور، ڈونڈی، لوٹا وغیرہ ۔جس آدمی کے بارے میں معلوم ہوتا تھا کہ اس کے پاس مال مویشی زیادہ ہے اور مالی طور پر خوش حال ہے تو نوکروں کے ذریعے سے اس

پر ڈاکہ ڈالا جاتا تھا، اور ان کو قتل کر کے تمام مال واسباب لوٹ کر لے جاتے تھے، جس طرح میرے دادا کے ساتھ ہوا جو آپ پیچھے پڑھ آئے ہیں۔

☆ اکثر شادی کے رشتے خان کی اجازت سے طے ہوتے تھے۔ اور خان لڑکے والوں سے پگڑی اور لڑکی والوں سے محلو کنڈز کے نام سے ٹیکس وصول کرتے تھے۔ اگر کسی کا مویشی مرجاتا تو اس کی ران کے گوشت کا حصّہ خان کے لئے مختص ہوتا تھا۔ اگر کسی تنازعے کی صورت میں خان کے پاس جرگہ جاتا تو اپنے ساتھ سنڈا، بیل یا بکرا بھی لیجانا ضروری ہوتا تھا، جو خان کی مٹھائی اور روٹی کہلاتی تھی۔

☆ غریب زمیندار گرمیوں کے موسم میں جب اپنے مال مویشی کو چراہ گاہوں میں چرانے کے لئے لے جاتے تو واپسی پر خان کی خوشنودی کے لئے دیسی گھی، اور بکرے پیش کرتے تھے جو قلنگ کہلاتی تھی۔

☆ سال میں مقررہ مقدار میں گھی، دودھ، دہی پیش کرنا، عید کے موقعہ پر مرغ اور انڈے پیش کرنا، فصل کی کٹوائی پر ان کا حصہ فصلانہ دینا، سفر سے واپسی ہو تو خان کے لئے جوڑا لانا جو خان کی پگڑی یا پٹکا کہلاتا تھا۔

☆ خوانین نے لوگوں کو اس قدر مرعوب کیا ہوا تھا کہ لوگ کہتے تھے، آسمانوں پر خدائی اللہ کی ہے اور زمین پر بادشاہت خان کی ہے، اللہ نے انہیں بڑا بنایا ہے، اس لئے ہمیں ان کی تابعداری کرنی چاہیئے۔ اس لئے خوانین یہاں تک کہ زمیندار جنہیں مقامی زبان میں نیک یا گھیرتھ کہا جاتا ہے بے دھڑک اپنے مزارعین کے گھروں میں بغیر کسی اجازت کے داخل ہو جاتے تھے۔ اب بھی ان میں سے بعض رسمیں بعض علاقوں کے اندر پائی جاتی ہیں۔

سواتیوں کی چڑھائی اور آپ کی صفت شجاعت

والد صاحب ماشاء اللہ ایک غیرت مند اور بہادر انسان تھے۔ جب علاقہ کی زمینوں کے مالکان نے فیصلہ کیا کہ ہم آئندہ کے لئے مزارعین سے اپنی زمینوں کی تیار فصل کا بجائے تیسرا حصّہ لینے کے آدھا حصّہ لیں گے یعنی ساری فصل کو دو حصوں میں تقسیم کر کے آدھا حصّہ کاشتکار کو دیں گے اور آدھا حصّہ ہمارا ہو گا۔ اور اس نئے قانون کو پاس کرنے کے لئے انہوں نے فیصلہ کیا کہ ہم سارے لوگ جمع ہو کر اپنے کنڈریوں اور مزارعوں میں سے چار آدمیوں کے انگوٹھے لگوائیں گے جو سخت ہیں اور آسانی سے ماننے والے نہیں۔

ان چار آدمیوں میں سب سے پہلے میرے والد گرامی حاجی حضرت میر چوہان، اور والد صاحب کے چچا

وہاب دین چوہان، تایا پیندیا بابا چوہان، اور سید رسول مقدم چوہان کے نام شامل تھے۔ یہ چاروں سخت طبیعت کے مالک تھے اور لوگ ان سے گھبراتے تھے، والد صاحب بھی سخت مزاج تھے صفت شجاعت و بہادری آپ میں انتہائی درجے کی پائی جاتی تھی، کسی سے ڈرتے نہیں تھے۔ اس لئے ان کا ماننا تھا کہ اگر ان چار آدمیوں سے ہم زبردستی انگوٹھے لگوا لیتے ہیں تو باقی سب لوگ بٹگرام جا کر خود محرّر اور افسر مال کے پاس اپنے اپنے انگوٹھے لگا لیں گے۔ (اس زمانہ میں لوگوں کے پاس تعلیم تو نہیں ہوتی تھی، اس لئے زیادہ تر لوگ بجائے دستخط کرنے کے انگوٹھے لگاتے تھے۔)

چنانچہ اس مقصد کے لئے ڈھیری، جوز، راجمیرہ، کلڑ شنگ، شنگری وغیرہ کے تمام سواتی سینکڑوں کی تعداد میں تحصیل دار، گرداور، افسرِ مال اور پٹواری کو اپنے ساتھ لے کر سب سے پہلے ہمارے گھر توت ڈنہ میں میرے والد حاجی حضرت میر صاحب کے پاس آئے۔ والد صاحب اس وقت قریبی گاؤں سم بانڈہ میں موجود تھے، انہوں نے وہاں سے لوگوں کا جم غفیر دیکھا تو دوڑتے ہوئے آئے، اتنی تعداد میں لوگوں کو دیکھ کر باقی مقامی لوگ بھی جمع ہو گئے۔ ان سواتیوں کی نمایندگی کرنے والے طاؤس ملا نے اس افسر کے سامنے اپنا مطالبہ رکھا کہ معاہدہ لکھیں آئندہ کے لئے زمین کی کل پیداوار کا نصف حصّہ مزارع اور کاشتکار کا ہوگا اور باقی کا نصف حصہ ہمارا یعنی مالکان کا ہوگا۔ تمام مجمع نے بیک آواز ہو کر اور ہاتھ اٹھا کر اس کی تائید کی اور کہا کہ جی ہمارا نصف حصّہ ہے۔ میرے والد صاحب نے کہا کہ ان کا تیسرا حصّہ ہے جو ہم دیتے ہیں اور دیتے رہیں گے، لیکن نصف ہم نہیں قبول کرتے۔

طاؤس مُلا محرّر سے بار بار کہتے کہ آپ لکھیں کہ ہمارا نصف حصہ ہوگا اور میرے والد صاحب اس کو منع کرتے رہے کہ خبر دار نصف نہ لکھیں، ان پتھریلی زمینوں میں کیا ہے کہ ہم ان کو نصف دیں، تیسرا حصہ دینا بھی زیادتی ہے تو نصف ہم کس طرح مان سکتے ہیں؟ اگر آپ کو اختیار ہے تو میرے گھر کا سامان نکال کر باہر پھینک دیں، لیکن ہم کسی صورت میں اس مطالبے کو قبول نہیں کریں گے۔ کافی ٹائم تک یہ تکرار چلتی رہی۔

پھر اُس افسر نے والد صاحب سے پوچھا کہ آپ ان کو کیا دیتے ہیں؟ والد صاحب نے فرمایا کہ ہم ان کو تیسرا حصّہ دیتے ہیں۔ سواتی کہنے لگے کہ اس سے قبل ہم ان سے تیسرا حصّہ اس لئے لیتے تھے کہ ہم ان سے گھی، مرغیاں، دودھ، دہی، لسّی لیتے تھے، یہ ہماری بیگاریں کرتے تھے، ہمارے گھروں کی تعمیر کرتے تھے، ہمارے لئے لکڑیاں، اور لکڑیوں کے بیم لاتے تھے، اس لئے ہم ان سے تیسرا حصّہ لیتے تھے، لیکن اب ہم آدھا حصّہ لیں گے۔

والد صاحب نے کہا کہ انہوں نے جو چیزیں گنوائی ہیں، یہ ہم ان کو ان کے حق کے طور پر نہیں دیتے، بلکہ بھائی چارہ کے طور پر ہم ان کو یہ چیزیں دیتے ہیں، ان کے ہاں شادی وغمی ہو تو ہم دودھ، دہی لیجاتے ہیں، شادی غمی میں شریک ہوتے ہیں، یہ بھی بدلے میں کچھ نہ کچھ دے دیتے ہیں۔ حق تو ان کا صرف پیداوار میں تیسرے حصّہ کا ہے۔ باقی کچھ نہیں۔

انہوں نے بہت زور لگایا لیکن اس ساری مخلوق کے سامنے والد صاحب ڈٹ گئے اور اس دوران والد صاحب اور ان کے درمیان کافی گرما گرمائی ہوگئی، جسے دیکھ کر مقامی لوگوں میں سوائے مولانا عبد الخالق لالا آبادی مرحوم اور ایک دو اور کے سب بھاگ گئے کہ لڑائی شروع ہوگئی ہے کہیں ہمیں کوئی نقصان نہ پہنچ جائے۔

والد صاحب نے تنہا اُن کا مقابلہ کیا اور اس موقعہ پر کچھ ایسی باتیں کہیں جن سے تحصیل دار اور جس افسر کو وہ ساتھ لائے تھے وہ بھی والد صاحب کے طرف دار ہو گئے، اور انہوں نے بھی لکھنے سے انکار کر دیا کہ جب یہ آدمی نصف دینے کے لئے مانتا ہی نہیں تو ہم کس طرح نصف لکھیں؟ تم لوگ لڑائی چاہتے ہو، جاؤ اور جا کر عدالت میں مقدمہ دائر کرو۔ اس طرح وہ نا کام اور نا مراد ہو کر واپس لوٹے۔ اللہ تعالیٰ نے والد صاحب کی عزت رکھی اور اس طرح تمام علاقہ والد صاحب کی وجہ سے اس نئے قانون سے بچ گیا۔

تقویٰ ودینداری

والد صاحب زیادہ پڑھے ہوئے نہیں تھے، لیکن جتنا ان کے پاس علم تھا اس پر وہ مضبوطی سے عمل پیرا رہتے تھے۔ صوم وصلوٰۃ کے پابند تھے، تبلیغی جماعت کے ساتھ چلّہ، دس دن، اور تین دن لگایا کرتے تھے۔ سنت پر عمل پیرا رہتے تھے، ان کی شلوار ہمیشہ نصف ساق پر رہتی تھی۔ توت ڈنّہ میں خود مسجد بنائی، اور مسجد میں اذان دینا اور باجماعت نماز کی ادائیگی کے پابند تھے۔ کہتے تھے نماز پڑھنے کی جگہ مردوں کے لئے اللہ نے مسجد کو بنایا ہے۔ ہمیشہ اپنے لئے گھی اور چینی وغیرہ کی خیرات کرتے اور خود کھڑے ہو کر اپنے ہاتھ سے گھی ڈالا کرتے تھے۔

جب علاقہ میں خشک سالی ہوتی، یا زیادہ بارشیں برستی تھیں تو آپ ترازو لے کر گھر گھر جاتے اور ہر گھر سے (سرسایا) آٹا وغیرہ جمع کر کے روٹیاں پکواتے بچوں اور مسافروں کو کھلاتے اور پھر لوگوں کو جمع کر کے مسجد میں ضاری کرواتے تھے۔ یعنی بارش کے ہونے کے لئے صلوٰۃ استسقاء ادا ہوتی، یا بارش کو روکنے کے لئے ضاری ہوتی۔

اور اللہ پر انہیں کامل یقین تھا۔ اور اللہ کا کرنا ایسا ہوتا تھا کہ اس ضاری کے بعد مقصد پورا ہوتا تھا۔ بارش برستی بھی تھی، اور رُکتی بھی تھی۔ اکثر مولانا حضرت عمرؒ جو ہمارے بانڈہ کے استاد تھے وہ ضاری کرایا کرتے تھے۔

اولاد

ہم الحمد للہ دس عینی یعنی حقیقی بہن بھائی ہیں، جبکہ ایک اخیافی یعنی ماں شریک بہن تھی۔ بھائیوں میں سے بھائی عظیم نوجوانی ہی میں فوت ہو گئے تھے، اور ایک بہن روشن نامی کا بھی بچپن میں انتقال ہو چکا تھا۔ بڑی اخیافی بہن صالحہ بی بی، کا بھی والدین کی موجودگی ہی میں انتقال ہو چکا تھا۔
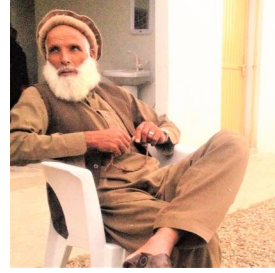
بھائی حاجی محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ

جبکہ ہمارے بڑے بھائی حاجی محمد قاسم صاحب ابھی زمانہ قریب ہی میں اللہ کو پیارے ہو گئے ہیں، حاجی محمد قاسم صاحب بھی بہت ہی نیک انسان تھے، والد صاحب نے جو مسجد بنوائی وہ ان کے گھر کے بالکل عقب میں تھی۔ آپ پابندی سے اس مسجد میں اذان دیا کرتے تھے۔ اور امام کی عدم موجودگی میں نماز بھی پڑھایا کرتے تھے۔

کچھ عرصہ کام کے سلسلہ میں مدینہ منورہ سعودی عرب میں رہے۔ اس دوران اللہ نے حج اور عمرے کی سعادت بھی نصیب فرمائی۔ ایک مرتبہ آپ سعودی عرب میں کسی بلڈنگ کی آخری منزل پر کام کر رہے تھے کہ اچانک عمرہ کی ادائیگی کے لئے جانے والوں کا ایک قافلہ تلبیہ "لَبَّيْكَ اَللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ" پڑھتا ہوا نمودار ہوا، آپ نے جب تلبیہ سنا تو صبر نہ کر سکے، ضبط کے سارے بندھن ٹوٹ گئے، وہیں بیلچہ پھینک دیا اور قافلہ والوں کو آواز دی کہ ذرا ٹھہریں میں آتا ہوں۔ فوراً تیار ہو کر اس قافلہ کے ساتھ عمرہ کی ادائیگی کے لئے چل پڑے۔ ساتھیوں نے سمجھایا کہ اس طرح نہ کریں آپ کو کام سے نکال دیا جائے گا، راستے میں پکڑے جاؤ گے لیکن آپ نے کوئی پرواہ نہیں کی۔ والد صاحب جب حج کے لئے تشریف لے گئے تو آپ نے اپنے کندھوں پر انہیں اٹھا کر سعی کروائی۔

وفات سے قبل اپنے تمام رشتہ داروں کے پاس جا کر ان سے معافی تلافی و بخشش طلب کی۔ اور صبح کو جب تکلیف ہوئی تو بیٹوں نے کہا کہ ہم گاڑی منگواتے ہیں ہسپتال جانے کے لئے، تو فرمانے لگے ابھی ہسپتال کا وقت نہیں، میرے پاس بیٹھ کر سورۃ یاسین کی تلاوت کرو، اور یوں بروز جمعہ، 29 جولائی، 2022ء کو جان خالق

حقیقی کے سپرد کردی۔ اللّٰھم اغفرہٗ وارحمہٗ۔

جبکہ باقی ہم چار بھائی قاری محمد داؤد صاحب، میں محمد موسیٰ شاکر، محمد یوسف، محمد یاسین، اور تین بہنیں، فاطمہ بی بی، بی بی حوّا، اور گُل پروز الحمد للہ حیات ہیں۔

بڑے بھائی قاری محمد داؤد صاحب کا ذکر میں آگے کروں گا، چھوٹے دونوں بھائی اپنے گاؤں میں والد صاحب کی چھوڑی ہوئی زمین پر زمیندارہ کرتے ہیں، اور ساتھ ہی ساتھ تعمیراتی کاموں میں بھی مہارت رکھتے ہیں، اور ٹھیکے وغیرہ لے کر کام کرتے ہیں۔

سماجی ورفاہی کاموں میں بھی حصہ لیتے ہیں، کوئی فوت ہو جائے تو قبر کی تیاری میں بڑھ چڑھ کر اپنا حصّہ ڈالتے ہیں۔ محمد یوسف کا ایک بیٹا مولانا سیف اللہ عالم دین ہے جبکہ دوسرا بیٹا عالم بن رہا ہے، جبکہ ایک بیٹی بھی عالمہ ہے۔ چھوٹے بھائی محمد یاسین کے دو بیٹے بھی حافظ قرآن بن چکے ہیں، اور مزید علم حاصل کرنے میں لگے ہوئے ہیں۔ بہنوں کی اولاد بھی الحمد للہ دین دار ہے، عالم و حافظ و قاری ہیں، اور اپنی اپنی بساط کے مطابق دین کا کام کر رہے ہیں۔ رب العالمین ہمیں اس زندگی کو اپنی رضا کے کاموں میں صرف کرنے کی توفیق عطا فرمائے، ہم سب کا خاتمہ بالایمان فرمائے اور ہماری موت اس حال میں آئے کہ وہ ہم سے راضی ہو۔ آمین

میرے والد گرامی مؤرخہ 30، اکتوبر 1997ء مطابق ۲۹، جمادی الثانی ۱۴۱۸ھ کو دن کے وقت اس دار فانی سے کوچ فرما کر واصل بحق ہوئے، اور 31، اکتوبر بروز جمعہ 2 بجے ان کی نماز جنازہ میری اقتداء میں ادا کی گئی اور آپ کی تدفین آپ کی طرف سے قبرستان کے لئے وقف کئے گئے مقبرہ میں عمل میں آئی۔ ربّ العالمین انہیں غریق رحمت فرمائے۔ اور ہماری طرف سے انہیں جزائے خیر عطا فرمائے، "فجزاہ اللہ عنّا خیر الجزا"۔ آمین

تم کیا گئے کہ رُوٹھ گئے دن بہار کے
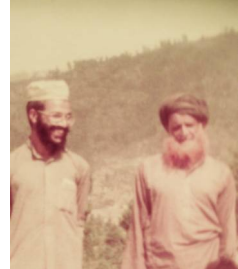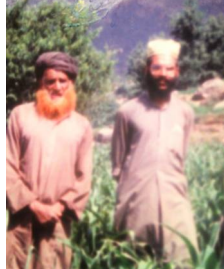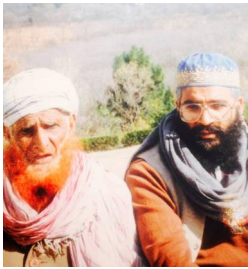
قاری محمد داؤد صاحب چوہان زید مجدہٗ

میرے بھائی قاری محمد داؤد صاحب چوہان کی ولادت حاجی حضرت میر رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں توت بانڈہ میں غالباً 27/2/1956ء میں ہوئی۔ بچپن کے تقریباً 16 سال گاؤں میں ہی گزرے۔ 1971ء میں والد صاحب نے دینی تعلیم کے حصول کے لئے چچا زاد بھائی جناب قاری عزیز الرحمٰن صاحب کے ساتھ گھر سے الوداع کیا۔ آپ قاری عزیز الرحمٰن صاحب کے ساتھ پیدل سفر کر کے بٹل پہنچے۔ اور بٹل سے بذریعہ ویگن مانسہرہ کا سفر کیا۔

حفظ و ناظرہ قرآن کریم

اس وقت قاری عزیز الرحمٰن صاحب مانسہرہ کے ایک گاؤں چکڑیالی میں بطور مدرس کے خدمات سر انجام دے رہے تھے، آپ نے اُن سے با قاعدہ نورانی قاعدہ شروع کیا۔ ابتدا میں بیرونی طلباء میں آپ اکیلے ہی تھے، بعد میں چچا زاد بھائی عبدالمجید مرحوم بھی آ گئے، اور آپ دونوں نے قاری صاحب سے قاعدہ اور ناظرہ قرآن کریم کی تعلیم حاصل کی۔ سال کے بعد پھر ترلی ڈھانگری میں قاری حسن صاحب جوز والوں سے حفظ قرآن شروع کیا، کچھ عرصہ کے بعد وہ ڈب مدرسہ چلے گئے تو ایک دو اور قاری صاحبان اُن کی جگہ آئے اور چلے گئے۔ اور پھر قاری بدیع الزمان شاکر صاحب جو ڈھانگری ہی کے رہنے والے تھے، اور مسجد کے ساتھ ہی ان کا گھر واقع تھا انہوں نے تدریس شروع کی، اور حفظ قرآن کی تعلیم ان کے پاس جاری رہی۔

اس دوران میں والد صاحب نے بھائی جان کے ساتھ مجھے بھی تقریباً 6، سال کی عمر میں تعلیم کے لئے بھیج دیا اور میں نے بھی ترلی ڈھانگری میں قاری بدیع الزمان شاکر صاحب سے نورانی قاعدہ پڑھا۔ اور آخری پارہ عمّ حفظ کیا۔ اس دوران بھائی صاحب نے مجھے اُتلی ڈھانگری (ڈھانگری بالا) میں سکول کے اندر کچّی جماعت میں داخل کر دیا، اور کچھ ہی دنوں میں میں نے کچّی اور پہلی جماعت پڑھ لی۔ اس زمانہ میں اس کو کچّی اور پکّی کہتے تھے۔

اس زمانے کا ایک لطیفہ نما واقعہ جو مجھے کبھی نہیں بھولتا

اُس زمانہ میں آج کی طرح مدارس کا سلسلہ نہیں ہوتا تھا کہ لنگر میں کھانا پکے اور پکّا پکایا تیار کھانا طلباء کو مل

جائے بلکہ جس مسجد میں طلباء ٹھرتے تھے اس محلہ میں گھروں سے وظیفے مانگ کر طلباء ان پر اپنا گذر بسر کرتے تھے، چھوٹی عمر کے طلباء جن سے گھروں میں پردہ نہیں ہوتا تھا ان کی ڈیوٹی ہوتی تھی کہ وہ تینوں وقت گھر گھر جا کر وظیفے مانگ کر لائیں۔

چنانچہ ایک دن جب دوپہر کے وقت اُتلی ڈھانگری سکول سے میں دوپہر کے وقت آدھی چھٹی پر مسجد ڈھانگری زیریں آیا تو بھائی جان قاری صاحب نے مجھ سے فرمایا کہ جاؤ اور وظیفے مانگ کر لاؤ۔ میں نے کبھی وظیفے مانگے نہیں تھے، اس لئے میں نے انکار کر دیا، بھائی صاحب نے بہت اصرار کیا لیکن میں نہیں مانا، بالآخر بھائی صاحب مجھے مارنے کے لئے اٹھے اور میں ان سے بھاگ گیا، یہ میرے پیچھے دوڑتے رہے اور پتھر مارتے رہے۔ خیر میں بھاگ کر واپس سکول چلا گیا۔

سکول سے واپسی پر مجھے کھانا پیش کیا گیا تو میں نے کھانے سے انکار کر دیا، طلباء نے منت سماجت کی میں نہیں مانا۔ قاری بدیع الزمان صاحب مجھے اپنے گھر لے گئے، اُن کی والدہ صاحبہ نے مجھے کھانا پیش کیا، بہت منت سماجت کی میں نے نہیں کھایا۔ غصّہ اس بات پر تھا کہ مجھے وظیفے مانگنے کا کیوں کہا ہے اور پھر مجھے مارنے کے لئے مجھے کیوں دوڑایا ہے۔

خیر میں مسجد بغیر کھائے واپس آ گیا۔ اور جب قاری بدیع الزمان صاحب کو سبق سنانے گیا تو میں نے جب ان کو سبق سناتے ہوئے یہ پڑھا "ب زبر بَ، خ، زیر خِ، بَخِ، ل، زبر لَ، بَخِلَ" تو انہوں نے لاٹھی لے کر مجھے خوب مارا کہ تیرے بخیل کی ایسی تیسی۔ سبق میں کوئی غلطی نہیں تھی، لیکن کھانا نہ کھانے پہ انہوں نے مجھ پر اپنا غصّہ نکالا۔ آج بھی جب میں بچوں کو یہ تختی پڑھاتا ہوں تو مجھے یہ واقعہ یاد آ جاتا ہے اور سارا منظر میری نگاہوں کے سامنے گھومنے لگتا ہے۔ طالب علمی کا زمانہ بھی کیا ہی زمانہ ہوتا ہے۔

خیر بعد میں بھائی صاحب نے مجھے سمجھایا کہ ہم بڑے ہیں وظیفے نہیں مانگ سکتے اگر تم نہیں مانگو گے تو طلباء کیا کھائیں گے۔ میں راضی ہو گیا اور وظیفے مانگنے شروع کر دیئے۔ وظیفے مانگنا بھی ایک تلخ تجربہ ہوتا ہے، بارش گرمی، سردی ہر حال میں آپ کو جانا ہوتا ہے۔ اس زمانہ میں کچی گلیاں ہوتی تھیں، کیچڑ میں لت پت ہو جاتے تھے، پھر کسی گھر سے وظیفہ ملتا کسی سے نہیں۔ کبھی کبھار کتّے پیچھے لگ جاتے تھے۔

چند دن آزاد جموں کشمیر میں

قاری بدیع الزمان شاکرؔ صاحب اچھی نفیس طبیعت کے استاد تھے طلباء ان کے ساتھ مانوس تھے، کچھ عرصہ ترلی ڈھانگری میں پڑھانے کے بعد انہیں آزاد جموں کشمیر میں تدریس کی جگہ مل گئی تو بھائی قاری محمد داؤد صاحب چونکہ عمر میں طلباء میں بڑے تھے، ان کی معیت میں ہم آٹھ دس طلباء قاری صاحب کے ساتھ براستہ راولپنڈی آزاد جموں و کشمیر چلے گئے، ایک ہفتہ وہاں گھومتے پھرتے رہے، حالات خراب تھے، ہڑتالیں ہو رہی تھیں، اس لئے اسباق کا سلسلہ شروع نہ ہو سکا۔ اور ایک روز جس مسجد میں ہم ٹھہرے ہوئے تھے، اس کے غسل خانہ سے بم برآمد ہوا، اور ہماری پوری جماعت بمعہ قاری صاحب کے وہاں سے واپس ڈھانگری لوٹ آئی۔

کھلابٹ ٹاؤن شپ ہری پور ہزارہ

کچھ عرصہ کے بعد قاری صاحب کو دارالعلوم معارف الاسلام کھلابٹ ٹاؤن شپ ہری پور ہزارہ میں تدریس کے لئے جگہ مل گئی تو وہ ہم طلباء کو ساتھ لے کر ہری پور آ گئے۔

بھائی جان کی معیت میں یہاں پر حفظ کا سلسلہ چلتا رہا۔ میں نے آخری ساڑھے چھ سپارے یہاں پر حفظ کئے اور قاری داؤد صاحب تقریباً پچیس سپارے حفظ کر چکے تھے۔ کہ ہمیں ایک متعدی بیماری نے آن گھیرا۔ جس کے نتیجہ میں مجھے سال ڈیڑھ کے لئے بستر پر رہنا پڑا۔

قاری محمد داؤد صاحب نے حفظ قرآن کی تکمیل حویلیاں جامع مسجد میں ۱۹۷۳ء کے اواخر میں کی۔

تجوید و قرأۃ

حفظ قرآن کریم کے بعد قاری صاحب مٹور کہوٹہ چلے گئے جہاں آپ نے کچھ عرصہ تدریس کی خدمات انجام دیں، اور پھر آپ تجوید و قرأۃ کے لئے چچا جان حضرت مولانا عبدالحکیمؒ کے قائم کردہ ادارہ جامعہ فرقانیہ مدنیہ راولپنڈی تشریف لے آئے اور یہاں آپ نے استاد القراء جناب قاری عبدالمالک صاحب مرحوم سے تجوید و قرأۃ پڑھی۔ اور ۲۱ رجب المرجب ۱۳۹۷ھ مطابق 7، جولائی 1977ء کو سند فراغت حاصل کی۔

درس نظامی کی ابتداء

آپ نے صرف و نحو عربی گرائمر کی ابتدائی کتابیں مولانا محمد الیاس کوہاٹی صاحب سے پڑھیں۔ اور ترجمہ

قرآن مولانا محبوب الرحمٰن صاحب خطیب و مہتمم مدنی مہاجرین مسجد دینہ سے پڑھا۔ جب کہ درس نظامی کی مکمل تعلیم حاصل نہیں کر سکے۔

درس وتدریس

تجوید وقرأۃ کی تعلیم حاصل کرنے کے بعد آپ نے تقریباً ایک سال تک مجاہد ملّت حضرت مولانا غلام غوث ہزارویؒ کی مسجد کنک منڈی راولپنڈی میں تدریس کی خدمات سرانجام دیں۔

☆ اور پھر فخر السادات حضرت مولانا سید غلام نبی شاہ صاحب کے قائم کردہ ادارہ مدرسہ سراج العلوم جبوڑی میں بطور قاری قرآن کے مدرس کے آپ کا تقرر ہوا جہاں 6 ماہ تک آپ بچوں کو قرآن کریم حفظ کراتے رہے۔

☆ اس دوران آپ کی دوسری شادی ہوگئی اور آپ منگل ہسپتال ڈھڈیال کے قریب واقع پیراں بانڈہ منتقل ہو گئے۔ پیراں بانڈہ میں تقریباً ایک سال تک آپ نے مولانا عبدالحق صاحب کی مسجد میں درجہ حفظ کی کلاس میں تدریس کی خدمات سرانجام دیں۔

☆ پھر 1980ء میں آپ مری مسیاڑی چلے گئے اور مسیاڑی گاؤں کی مسجد میں بطور امام خدمات سرانجام دیں۔

☆ اس دوران حفظ قرآن کے مدرس کے طور پر آپ کا تقرر ڈھوک چوہدریاں ذیشان کالونی راولپنڈی میں ہوگیا جہاں مولانا عبدالجلیل صاحب کے قائم کردہ ادارہ میں تدریس کی خدمات سرانجام دیں۔

مدنی مہاجرین مسجد دینہ میں بطور مدرس کے تقرر

دینہ مدنی مہاجرین مسجد میں استاد کی ضرورت تھی، انہوں نے راولپنڈی چچا مرحوم حضرت مولانا عبدالحکیم صاحبؒ سے آدمی مانگا اور چچا مرحوم نے آپ کو مدنی مہاجرین مسجد دینہ میں بطور درجۂ حفظ کے استاد کے بھیج دیا۔ جہاں قاری داؤد صاحب نے 1981ء سے 1988ء تک تقریبا سات سال تک بطور حفظ قرآن کے مدرس کے مولانا محبوب الرحمٰن، مولانا عبدالحلیم قاسمی، مولانا طارق چغتائی اور قاری غلام نبی صاحب کے ساتھ خدمات سرانجام دیں، اور کئی بچوں نے آپ سے قرآن کریم حفظ کیا۔

ناروے کا سفر

اس دوران آپ کے ساتھ دینہ جامع مسجد میں پڑھانے والے دوسرے استاد جناب قاری غلام نبی صاحب ناروے تشریف لے گئے ، اور وہاں جانے کے بعد انہوں نے بھائی جان قاری صاحب کے لئے بھی کاغذات بھیجوا دیئے ، اور آپ کا ناروے کا ویزہ لگ گیا۔آپ نے بچوں کو جبوڑی میں کرایہ کا مکان لے کر چھوڑ دیا اور خود ناروے تشریف لے گئے ۔اور ہم نے آپ کو 12 جون، 1988ء بروز ہفتہ رات کے پونے تین بجے اسلام آباد ائیر پورٹ سے ناروے کے لئے الوداع کیا۔

مدنی مسجد اوسلو میں قیام

ناروے جانے کے بعد مدنی مسجد اوسلو مرکز میں سات سال تک آپ کا قیام رہا۔اور وہاں سے جا کر آپ ہول ملیہ کے علاقہ میں بچوں کو قرآن کریم کی تعلیم دیتے رہے۔رفتہ رفتہ پھر وہاں کی مسلمان کمیونٹی کے ساتھ مل کر ہول ملیہ مسجد سیدنا عائیشہ کی بنیاد رکھی ۔ اور پھر اس مسجد کے اندر امامت و خطابت اور درس و تدریس کی خدمات سر انجام دیتے رہے ۔اب اس مسجد میں امامت و خطابت کے فرائض آپ کے منجھلے بیٹے مولانا محمد عاصم سر انجام دے رہے ہیں۔ 1988ء سے آج تک قاری صاحب کا قیام مع اپنی فیملی کے ناروے میں ہی ہے ۔اور قرآن کریم کی تدریس کا سلسلہ اب بھی اس مسجد میں جاری و ساری ہے ۔الحمدللہ آپ کے سینکڑوں شاگرد ہیں جنہوں نے آپ سے قرآن مجید ناظرہ پڑھا اور حفظ کیا۔

سفر حجاز مقدس برائے حج و عمرہ

ناروے جانے کے بعد آپ سفر حجاز پہ تشریف لے گئے اور پہلا حج 1990ء میں ادا کیا۔ پھر اللہ کے فضل سے 5 حج بعد میں مزید نصیب ہوئے اور 12 مرتبہ عمرے پہ جانے کی سعادت بھی حاصل رہی ہے۔
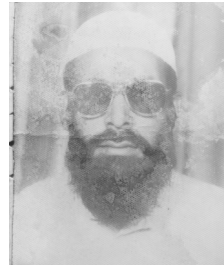
شادی خانہ آبادی

قاری محمد داؤد صاحب کی پہلی شادی خانہ آبادی 1974ء میں لونگی گاؤں میں ملکیا مان صاحب کی بیٹی سے

ہوئی۔ یہ مکمل طور پر اریخ میرج تھی، اس اہلیہ سے قاری صاحب کی ایک بیٹی ہے۔ یہ شادی ذہنی ہم آہنگی نہ ہونے کی وجہ سے کامیاب نہیں ہوسکی اور بات طلاق تک جا پہنچی، قاری صاحب نے انہیں طلاق دے کر آزاد کر دیا۔

قاری صاحب کی دوسری شادی خانہ آبادی 1979ء میں بھائی جان قاری عزیز الرحمٰن کی وساطت سے جبوڑی میں بابو فضل داد مرحوم کی بیٹی سے سرانجام پائی۔ بابو فضل داد مرحوم ایک دین دار صاحب نسبت انسان تھے سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ میں آپ بیعت تھے۔ بہترین اخلاق کے مالک تھے۔ جب قاری صاحب کے لئے رشتہ ان سے مانگا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ میں نے قاری صاحب کا خاندان تو نہیں دیکھا لیکن ہاں میں نے قاری صاحب کا قرآن ضرور سنا ہے، مجھے ان کا لہجہ اور ان کا پڑھنا بہت پسند آیا اس لئے میں اپنی بیٹی ان کے عقد میں دینے کے لئے تیار ہوں۔

قاری صاحب کی اس اہلیہ نے اس عمر میں چند سال قبل ماشاء اللہ قرآن مجید زبانی حفظ کیا ہے۔ حج اور عمروں کی سعادت بھی حاصل کر چکی ہیں۔ آپ کے اس اہلیہ سے تین بیٹے اور پانچ بیٹیاں ہیں، جبکہ ایک بیٹی سمیہ نامی کا انتقال ہو گیا ہے۔

قاری صاحب کے بڑے بیٹے حافظ محمد طیب ہیں جو ماشاء اللہ خوش اخلاق، وخوش مزاج اور فعال آدمی ہیں۔ ناروے بس ٹرانسپورٹ کمپنی میں منیجر کے عہدے پر فائض ہیں۔ رفاہی کاموں میں بھی دلچسپی رکھتے ہیں، اور مسجد کمیٹی کے اہم عہدوں پر بھی فائض رہے ہیں۔ جماعت کے ساتھ بھی وقت لگتا رہتا ہے۔ ان کا بیٹا طلحہ طیب بھی ماشاء اللہ حافظ قرآن ہے، اور زیر تعلیم ہے۔
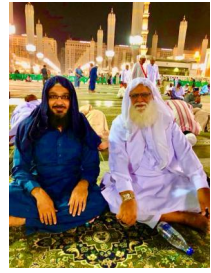
قاری صاحب کے منجھلے بیٹے مولانا محمد عاصم چوہان عالم دین ہیں۔ حفظ خود قاری صاحب نے کروایا جبکہ درس نظامی کی تعلیم انگلینڈ ڈیوز بری مرکز سے حاصل کی اور وہیں سے فارغ التحصیل ہیں، اور قاری صاحب کی جگہ پر ان کی مسجد میں بطور امام وخطیب کے فرائض سرانجام دے رہے ہیں۔

چھوٹے بیٹے مولانا محمد رضوان داؤد بھی عالم دین اور حافظ قرآن ہیں، بہت اچھے انداز میں قرآن کریم کی تلاوت کرتے ہیں، اور حمد ونعت پیش کرتے ہیں، ماشاء اللہ کئی زبانوں پر عبور حاصل ہے۔ انہوں نے بھی انگلینڈ

ڈیوز بری مرکز اور بلیک برن (Jamiatul Ilm Wal Huda) سے درس نظامی کی تعلیم حاصل کی۔ اور اب ناروے کی ایک مسجد میں بطور امام وخطیب کے فرائض سرانجام دے رہے ہیں۔

دعوتی اور رفاہی سرگرمیاں

1989ء میں قاری صاحب نے تبلیغی جماعت کے ساتھ پہلی مرتبہ چار ماہ لگائے ،اور اس کے بعد پابندی کے ساتھ جماعت کی ترتیب کے مطابق جماعت کے ساتھ ان کا وقت لگتا رہتا ہے۔ جماعت کے کام میں ماشاء اللہ فعّال ہیں۔ اور اس کے ساتھ سماجی، فلاحی اور رفاہی کاموں میں بھی بڑھ چڑھ کر حصّہ لیتے رہتے ہیں۔

اسفار

اندورن ملک یعنی پاکستان میں چاروں صوبوں اور ملک کے دور دراز شہروں میں بار بار سیاحتی اوردعوتی مشن پر جانے کا موقع ملا ہے۔

بیرون اسفار

قاری صاحب اور اُن کی فیملی کے پاس ناروے کی نیشنلٹی ہے جب کہ ناروے کے علاوہ کنیڈا، انگلیڈ، سعودی عرب، جرمنی، ڈنمارک، سویڈن، فن لینڈ، مراکش، اردن، فلسطین، انڈ آف دی ورلڈ ناروے وغیرہ کے سفر بھی آپ نے کئے ہیں۔

ربّ العالمین سے دعاء ہے کہ انہیں صحت اور عافیت والی عمرِ دراز نصیب فرمائے، ان کی تمام پریشانیاں دور فرمائے، اور ان کی مساعی جمیلہ کو قبول ومنظور فرمائے۔ آمین

❁❁❁❁❁❁❁

قاری عزیز الرحمٰن صاحب دامت فیوضھم

میرے چچا زاد بھائی قاری عزیز الرحمٰن صاحب چوہان کی ولادت جمسید رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں دکھن بانڈہ میں غالباً 1951ء میں ہوئی۔تقریباً دس سال کی عمر میں گھر سے دینی تعلیم کے حصول کے لئے نکلے۔اور نکلنے کا سبب یہ بنا کہ جانور چراتے ہوئے ایک گائے کی ٹانگ ٹوٹ گئی۔

خوف کی وجہ سے رات کو گھر نہیں گئے کہ کہیں والد صاحب غصّہ میں پٹائی نہ کر دیں۔اس لئے چچا مولانا خانِ زمان صاحب کے ہاں رات گزاری۔ چچا نے ترغیب دی کہ ان سب کاموں کو چھوڑو اور جا کر پڑھائی کرو۔ رات چچا کے ہاں گزارنے کے بعد اگلی صبح اٹھے اور وہیں سے قرآن اٹھا کر سیدھے بنسیر کے علاقہ میں چلے گئے۔

حفظ و ناظرہ قرآن کریم

قاری فضل الٰہی صاحب جو چترال کے رہنے والے تھے اور بنسیر کی ایک مسجد میں بچوں کو قرآن کی تعلیم دیتے تھے،آپ نے ان کے پاس بنسیر میں قرآن یاد کرنا شروع کر دیا۔بعد میں والد صاحب کو معلوم ہوا تو وہ بھی وہاں آ گئے، اور بجائے ساتھ گھر لے جانے کے وہ قاری صاحب سے کہنے لگے کہ میرے بچے کو قرآن پڑھائیں۔ اس طرح قاری فضل الٰہی صاحب کے پاس بنسیر میں آپ نے پانچ سپارے یاد کر لئے۔

پھر مزید تعلیم حاصل کرنے کے لئے آپ نے مانسہرہ کا رُخ کیا اور اکیلے بٹل تک پیدل آئے، اور وہاں سے ویگن میں سوار ہو کر مانسہرہ چلے آئے۔اور مانسہرہ ڈب میں واقع "مدرسہ معھد القرآن الکریم پنجاب چوک مانسہرہ" میں درجہ حفظ میں داخلہ لے لیا۔اُس زمانہ میں مدرسہ میں درجہ حفظ کے استاد جناب قاری فرید صاحب تھے جو نابینا تھے ان کے پاس 22 سپارے قرآن کریم کے حفظ کئے۔قاری صاحب نابینا تھے لیکن ان کو قرآن بہت ہی پختہ یاد تھا یہاں تک کہ وہ "قل اعوذ برب الناس" سے الٹا قرآن بغیر کسی غلطی کے پڑھتے تھے بہت ذہین انسان تھے۔

22 پارے اُن کے پاس حفظ کرنے کے بعد آپ مانسہرہ لوہار بانڈے میں قاری بشیر صاحب کے پاس

چلے گئے اور بقیہ 8 سپارے اُن کے پاس حفظ کر کے قرآن کریم مکمل کیا۔

تجوید وقرأۃ

قرآن کریم حفظ کرنے کے بعد تجوید وقرأۃ کے لئے آپ نے دوبارہ ڈب "مدرسہ معھد القرآن الکریم" کا رُخ کیا اور درجۂ تجوید وقرأۃ میں داخلہ لے کر قاری فضل ربی صاحب کے پاس تجوید پڑھی۔

درس نظامی

1968ء میں آپ نے تجوید وقرأۃ سے فراغت حاصل کی۔ اور تجوید کے ساتھ ہی ساتھ صرف ونحو کی ابتدائی کتابیں اور قرآن کریم کا ترجمہ پڑھ لیا۔

درس وتدریس

تجوید وقرأۃ کی تعلیم کے ساتھ ساتھ قاری عزیز الرحمٰن صاحب مانسہرہ کے ایک گاؤں چکڑیالی میں بطور مدرس کے خدمات بھی سرانجام دے رہے تھے۔ مدرسہ میں پڑھنے کے بعد آپ چکڑیالی چلے جاتے اور وہاں بچوں کو قرآن کی تعلیم دیتے تھے۔ تجوید سے فراغت کے بعد آپ نے تبلیغی جماعت کے ساتھ ایک چلّہ لگایا، اور پھر تدریس کے لئے جبوڑی چلے گئے۔

جبوڑی میں تدریس کیلئے تقرر

قاری صاحب کا 1972ء میں فخر السادات جناب مولانا غلام نبی شاہ صاحب کے قائم کردہ مدرسہ سراج العلوم جبوڑی میں بطور مدرس کے تقرر ہوا۔ جہاں حفظ و ناظرہ قرآن کریم کی کلاسیں آپ کے سپرد کی گئیں۔ مدرسہ کا بھی ابتدائی دور تھا۔ آپ سے اللہ نے وہاں پر قرآن کریم کی تعلیم کا خوب کام لیا۔

ستر (70) طلباء حفظ قرآن کریم کے اور 100 سے زائد ناظرہ کے بچے اور بچیاں آپ کے سپرد تھے، اور آپ چوبیس گھنٹوں میں اکثر وقت پڑھاتے ہی رہتے تھے۔

اس کے ساتھ ساتھ کچھ فاصلہ پر ایک پہاڑی پر واقع گاؤں باغ کی چھوٹی سی مسجد میں امامت بھی کراتے تھے۔ 1972ء سے 1986ء تک آپ نے جبوڑی میں قرآن کریم کی تعلیم دی، اور ہزاروں بچوں نے آپ سے حفظ و ناظرہ قرآن کریم کی تعلیم حاصل کی۔

جمعیۃ الخیریۃ لتحفیظ القرآن ابہا سعودی عرب میں تدریس

1982ء83ء میں مولانا عبدالحکیم صاحبؒ نے جامعہ فرقانیہ راولپنڈی سے چالیس پچاس قاریوں کو سعودی عرب کے شہر ابہا میں قرآن کریم کی تعلیم دینے کے لئے بھیجا تھا، جن میں قاری عزیز الرحمٰن صاحب بھی شامل تھے آپ نے دو سال تک ابھاء جمعیۃ خیریہ تحفیظ القرآن میں بچوں کو قرآن کریم پڑھایا، اور وہاں سے واپسی پر آپ نے پھر جبوڑی مدرسہ میں پڑھایا۔

اس دوران آپ نے اپنی رہائیش کے لئے شنکیاری میں مکان بنالیا اور 1986ء میں آپ جبوڑی سے شنکیاری منتقل ہو گئے۔ اور شنکیاری میں قیام کے دوران عرصہ چار سال تک آپ نواب شاہ صاحب مرحوم کے مدرسہ جامعہ حسینیہ شنکیاری میں قرآن کریم حفظ کراتے رہے۔

ریاض سعودی عرب

1990ء میں قاری صاحب ریاض سعودی عرب تدریس قرآن کے لئے تشریف لے گئے، اور پھر اپنی فیملی کو بھی وہیں بلا لیا۔ اور آج پینتیس (35) سال ہو گئے ہیں کہ آپ کا قیام ریاض ہی میں ہے۔ اور الحمدللہ تعلیم قرآن کا سلسلہ بھی جاری ہے۔

شادی خانہ آبادی

۱۹۷۴ء میں قاری صاحب کی شادی خانہ آبادی نجّہ خواجگان میں حکیم مولانا فضل حق مرحوم کی بڑی صاحبزادی گُل نساء سے ہوئی۔ جن سے آپ کے تین صاحبزادے اور دو صاحبزادیاں ہیں۔ تینوں بیٹے الحمدللہ حافظ قرآن اور عالم ہیں۔ بڑے بیٹے مولانا عبید الرحمٰن کافی عرصہ والد کے ساتھ ریاض میں گزارنے کے بعد واپس پاکستان لوٹ گئے ہیں۔ مانسہرہ میں ان کے اپنے مکانات ہیں اور ہارڈ وئیر کا کاروبار کرتے ہیں۔ عبیدالرحمٰن صاحب کے دو بیٹے محمد علی اور محمد حسن ماشاءاللہ دوبئی میں ہیں۔

قاری صاحب کے منجھلے بیٹے مولانا ابوبکر صدیق پہلے ریاض میں تھے، اور اب بمعہ فیملی مدینہ منوّرہ منتقل ہو چکے ہیں، اور حرم نبوی میں حلقات قرآن کریم میں بیٹھ کر آن لائن قرآن کریم کی تعلیم دیتے ہیں۔

چھوٹے بیٹے مولانا عمر فاروق ریاض میں والد صاحب کے ساتھ ہیں۔ وہ بھی قرآن کریم کی تعلیم دینے کے

ساتھ ساتھ مسجد میں امامت کے فرائض بھی سرانجام دے رہے ہیں ، اور ساتھ ساتھ کمپیوٹر انجینئرنگ کا کاوبار بھی کرتے رہے ہیں۔

قاری صاحب کی اہلیہ بڑی ہی نیک اور خدمت گار خاتون تھیں، آنے جانے والے مہمانوں کے لئے ان کا

دستر خوان وسیع تھا۔کوئی مہمان آتا تو خوشی سے کھل کھلا اٹھتی تھیں ۔ دل کی صاف ، منافقت سے دور ایک پاکباز خاتون تھیں۔ ان کا انتقال ریاض ہی میں 10 جولائی 2009ء میں ہوا تھا اور 11 جولائی 2009ء میں ان کی تجہیز وتکفین ریاض ہی میں ہوئی۔ رب العالمین ان کی قبر کو اپنے انوار سے منوّر فرمائے۔

☆ پہلی اہلیہ کے انتقال کے بعد قاری صاحب نے اپریل 2010ء میں ایک بیوہ خاتون سے نکاح کیا تھا لیکن یہ شادی صرف چار ماہ ہی چل سکی۔ اور پاکستان جانے کے بعد اس خاتون نے اپنی کسی مجبوری کی وجہ سے طلاق مانگ لی ،قاری صاحب نے اسے آزاد کر دیا تھا۔

☆ اس کے بعد آپ نے اپریل 2011ء میں تیسری شادی کر لی۔

سفر حج وعمرہ

قاری صاحب نے پہلا حج 1982ء میں ابہاء پہنچنے کے بعد کیا تھا۔اور اس کے بعد تو اللہ نے متعدد حج اور عمرے نصیب فرمائے ہیں کہ آپ کا قیام ہی سعودی عرب میں ہے ۔ جب جی چاہتا ہے عمرہ کی ادائیگی کے لئے چلے جاتے ہیں۔ فللہ الحمد علیٰ ذالك۔
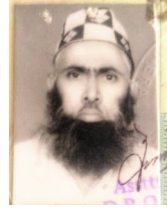
قاری صاحب الحمد للہ انتہائی نیک انسان ہیں ۔ سادہ طبیعت کے مالک ہیں، متقی ، پرہیز گار ہیں ۔زُہد اور تقویٰ کے ساتھ ان کی زندگی گذرتی ہے ۔عربی وعجمی ہر کوئی ان کا احترام کرتا ہے۔

ہمارے چچازاد بھائی ہیں لیکن ہم نے کبھی ان کو چچازاد نہیں سمجھا ، سگے بھائیوں سے ہمارے لئے بڑھ کر ہیں ۔ وقتاً فوقتاً فون کر کے خیریت دریافت کرتے ہیں ۔ ہر طرح کا خیال رکھتے ہیں،انتہائی شفقت فرماتے ہیں۔ ان کی اولاد بھی سگے چچاؤں کی طرح ہمیں ہر طرح کی عزت واحترام دیتے ہیں۔ ربّ العالمین ان کا سایہ شفقت تا دیر ہمارے سروں پر قائم ودائم رکھے ۔آمین

مولانا حضرت نور چوھان رحمۃ اللہ علیہ

مولانا حضرت نور ولد مولوی حبیب شہید ولد سید نور ولد جمعہ مرحوم چوہان

حضرت مولانا عبد الرزاق دامت برکاتھم العالیہ کے والد گرامی حضرت مولانا حضرت نورؒ نے سم بانڈہ میں حضرت مولانا حبیب الرحمٰن کے ہاں آنکھ کھولی جو علاقہ میں مولوی حبیب کے نام سے مشہور تھے۔ آپ نے ابتدائی تعلیم اپنے والد مرحوم اور حقیقی چچا مولانا سراجدین مرحوم سے حاصل کی۔ مولانا سراجدین مرحوم پایہ کے عالم دین تھے۔ مزید استفادہ کیلئے آپ نے علاقہ کے مشاہیر اہل علم وفضل سے مراجعت کی۔

آپ نے اپنا اقامہ گھر ہی میں رکھا اور قرب وجوار میں جو مشہو درسگاہیں تھیں وہاں جا کر اپنی علمی تشنگی بجھاتے اور رات کو گھر واپس آجایا کرتے تھے۔ تحصیل علم کیلئے میلوں کا سفر کرنا آپ کا معمول تھا۔

حبیب بانڈہ موضع جیسول بازار گئے، موضع ککڑ شنگ ان مقامات میں دینی درسگاہیں ہوا کرتی تھیں اور مختلف فنون کے ماہر فن علماء درس دیا کرتے تھے۔ آجکل کی طرح مکمل علوم پڑھانے کے مدارس نہ ہوا کرتے تھے چنانچہ جس جگہ کسی ماہر فن استاد کا چرچا ہوتا طلب والے وہاں جا پہنچتے۔ یہی کچھ آپ نے بھی کیا۔

دوران تعلیم آپ کو کئی حادثات سے دوچار ہونا پڑا مگر آپ برابر اپنے مقصد کی جانب گامزن رہے۔

بقول کسے! عشق جن کا صادق ہو وہ کب فریاد کرتے ہیں۔

اس دوران سب سے بڑا حادثہ آپ کے والد مولوی حبیب مرحوم کی شہادت کا پیش آیا جس سے آپ بے حد متأثر ہوئے۔ چھوٹے بہن بھائیوں کی کفالت کی ذمہ داری آپ کے کاندھوں پر آپڑی مگر بایں ہمہ آپ برابر اپنے نصب العین کو حاصل کرنے میں لگے رہے۔ کچھ عرصہ کیلئے اپنے علاقہ سے کوسوں دور سوات اور چھچھ کی مشہور علمی درسگاہوں میں بھی وقت گزارنا پڑا۔ مختلف علوم وفنون میں مہارت حاصل کرنے کے بعد اپنے گاؤں سم بانڈہ مراجعت کی اور اپنے چچا مولانا سراجدین کی علمی مسند سنبھال لی۔

علم فرائض کا مسئلہ اور اسکا حل

ایک دفعہ موضع جوز میں تقسیم وراثت کا ایک مغلق مسئلہ پیش آیا علاقائی سطح پر اہل علم کو جوز گاؤں بلایا گیا۔

علماء نے اپنی سمجھ بوجھ کے مطابق اسکی تشریح کی۔ مولانا سراج الدین مرحوم نے ان کی تحقیق کو غور سے سنا اور آخر میں آپ نے فرمایا: میری رائے کے مطابق اس کا حل اس طرح نکلے گا۔

پہلے تو سواتی برادری کے علماء نے مذاق اڑایا کہ جنگل میں رہنے والے نے اتنے بڑے بڑے اہل علم وفضل کے مسئلہ کی تغلیط کی، یہ کون ہوتا ہے جو غلطی نکالے۔ چنانچہ آپ نے سراجی کو کھول کر اس مسئلہ کی تشریح کی تو سب علماء دنگ رہ گئے۔

مولانا سراج الدین رحمہ اللہ اپنے وقت کے جید عالم دین تھے۔ مولانا حضرت نور مرحوم نے مولانا سراج الدین کی خلاء کو باحسن طریقہ پُر کیا چنانچہ قرآن کریم، تفسیر، فقہ، علم المیراث میں اور فارسی نظم ونثر میں آپکو یدطولیٰ حاصل تھا۔ فقہ کے دقیق وغامض مسائل وجزیات پر آپکو حیران کن عبور حاصل تھا۔ آپ اپنے دور میں مرجع الخلائق تھے۔ اللہ کریم نے حافظہ بھی قوی عطا کیا تھا۔ فقہی مسائل ازبر تھے۔ آپکے بتائے ہوئے مسائل وفتاویٰ پر لوگ اعتماد کرتے تھے اور مطمئن ہو جایا کرتے تھے۔

جوز جو کہ اخونزادگان کا گاؤں تھا یہ انتہائی شریف و دیندار لوگ تھے یہاں پہلے مولانا سراجدین دینی خدمات امامت وتدریس وغیرہ اسرنجام دیتے رہے، ان کے بعد مولانا حضرت نور کو ان لوگوں نے دعوت دی اور جوز مسجد کی امامت وتدریس وغیرہ کی ذمہ داری انکے حوالے کی۔

تلاش حق کی تڑپ

جب آپ علوم مروّجہ متداولہ سے فارغ ہوئے تو معرفت حق میں کمال حاصل کرنے کی جستجو آپ کے دامن گیر ہوئی۔ اگرچہ دینی وصالحانہ ماحول آپ کو ورثہ میں ملا تھا چونکہ آپ کے والد حبیب شہید غایت درجہ کے عابد زاہد وتقویٰ والی شخصیت تھے۔ مگر آپ (مولانا حضرت نور) اس بابت زیادہ حساس تھے آپ روحانی پیاس بجھانے کیلئے کسی کامل صاحب شریعت وطریقت شخصیت کے متلاشی تھے۔ آپ نے علاقہ آلائی موضع بٹیلہ کے مشہور بزرگ و درویش سید یحییٰ باجی کے بارے میں سنا جو اس علاقہ کے کامل اھل اللہ میں سے تھے آپ ان کے خانوادے پہ حاضر ہوئے اور ان کے ہاتھ پر سلسلہ نقشبندیہ مجددیہ میں بیعت کی اور روحانی منازل طے کیں۔

بعد ازیں آپ نے یحییٰ باجی کے ایماء پر ان کے پیرومرشد قطب زمان حضرت خواجہ مولانا شمس الدین

رحمہ اللہ سید پور شریف کشمیر والے سے براہ راست بیعت کی جو کہ سلسلہ نقشبندیہ کے شاہسوار اور مجدد وقت تھے۔ یوں مولانا حضرت نور مرحوم کو اپنے شیخ کے شیخ سے بھی براہ راست استفادے کا موقع مل گیا۔ پھر حضرت مولانا شمس الدین کشمیری سے انتہائی قرب حاصل ہو گیا اور انہوں نے مولانا حضرت نور مرحوم کو خلافت سے نواز دیا۔

مولانا حضرت نور فرمایا کرتے تھے کہ حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی قدس اللہ سرہٗ کے مستفیدین میں خواجہ شمس الدین رحمہ اللہ کا بہت اونچا مقام تھا۔ چنانچہ خلافت ملنے کے بعد علاقہ کے بے شمار لوگوں نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی اور کئی ایک لوگوں کو اللہ نے روحانی بلندیوں اور کشف سے نوازا۔

آپ جمعہ کے دن قدیمی مسجد سم بانڈہ میں حلقہ ذکر منعقد کیا کرتے تھے۔ اللہ نے آپ کو کشف القلوب وکشف القبور سے نوازا تھا۔ آپکو اپنے شیوخ طریقت کا شجرہ طریقت حضرت خواجہ شمس الدین سے لے کر حضرت مجدّد الف ثانی رحمہ اللہ اور رئیس الطائفہ حضرت خواجہ بھاءالدین نقشبندی رحمہ اللہ سے ہوتے ہوئے حضرت امیر المؤمنین سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تا رحمۃ اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم من وعن یاد تھا، حافظہ قابل رشک تھا۔

آپ کا تقویٰ

آپ غایت درجہ کے متقی و خدا ترس تھے۔ تقویٰ کا یہ عالم تھا کہ گاؤں سم بانڈہ میں کوئی درجن کے لگ بھگ پانی کے چھوٹے چھوٹے چشمے تھے تھوڑی تھوڑی مقدار میں پانی زمین سے سمتا تھا ان چشموں کے گرد بند باندھ دیا جاتا تھا کہ پانی ذخیرہ ہو۔ کسی کسی وقت پانی بند کو پھلانگ کر آگے کو بہہ جاتا تھا مگر ایسا بہت کم ہوتا تھا۔ مرد و خواتین ان چشموں کو استعمال میں لاتے تھے۔

دیہاتی لوگوں کے لا ابالی پن اور بے احتیاطی سے یہ چشمے ناپاک بھی ہو جاتے۔ لوگ آکر ان میں ہاتھ ڈال دیتے تھے اور ہاتھ کبھی ناپاک ہوتے تو اس سے چشمے کا پانی بھی مشکوک ہو جاتا۔ چونکہ پانی محدود ہوتا آگے کو نہ نکل سکتا اس لئے آپ کی تقویٰ وطہارت والی طبیعت ان پانیوں سے مطمئن نہ تھی آپ گاؤں سے نکل کر کچھ مسافت پر جہاں پانی بھاری مقدار میں زمین سے نکلتا تھا تو آپ وہاں جا کر وضو فرماتے اور دوسرے وقت کیلئے پانی کوزے (لوٹے) میں بھر کر لاتے تھے۔

پیرانہ سالی میں جب آپ کمزور وضعیف ہو گئے تو مقامی گاؤں والوں نے رضا کارانہ طریقہ پر ایک چشمہ

آپ کے استعمال کیلئے وقف کر دیا اپنے بچوں وخواتین کو بھی سختی سے کہہ دیا کہ فلاں کھوئی (چشمہ) استاد جی کا ہے۔ چنانچہ صرف آپ ہی اس چشمہ کو استعمال میں لاتے تھے اور آپ کے اہل خانہ بھی اسی چشمہ سے گھر کی ضروریات کیلئے پانی بھر کر لاتے تھے۔

ڈھیلے اٹھانے کیلئے مالک زمین سے اجازت

آپکو گھر سے مسجد جاتے ہوئے کبھی کبھار استنجاء کرنے کیلئے ڈھیلوں کی ضرورت پڑ جاتی تھی آپ نے مالکان زمین سے جو دوسرے گاؤں راجمیرہ میں رہتے تھے ڈھیلے اٹھانے کی اجازت مانگی وہ حیران ہوئے کہ ڈھیلے تو سب لوگ اٹھاتے ہیں اور استعمال میں لاتے ہیں ان کا کون پوچھتا ہے انہوں نے خوشی سے اجازت دیدی تب سے آپ نے ڈھیلے استعمال شروع کئے، یہ آپ کا تقویٰ وخوف خدا تھا۔

زُھد وتقویٰ

زھد کا یہ عالم تھا کہ آپ اپنے متعلقین کو اکثر وبیشتر یہی تعلیم دیتے کہ دنیا ہماری ضرورت ہے اور آخرت مقصود ہے۔فرمایا کرتے تھے! "الضرورہ تتقدر بقدرھا"۔
اور اکثر شیخ سعدیؒ کا فارسی کا یہ شعر پڑھا کرتے تھے:

یار ناپایدار دوست مدار   دوستی را نشاید این غدّار

آپ صرف گفتار نہیں بلکہ کردار سے اس پہ عمل پیرا تھے۔آپ باوجود تنگ دست ہونے کے غایت درجہ فیاض تھے آپ نے ایک ایسے وقت جبکہ آپ کے پاس روپیہ نقدی وغیرہ نہ تھی ایک قطعہ زمین اپنے کھیت سے چار صد روپیہ میں بیچ ڈالا اور وہ رقم اصحاب ضرورت کو ہر جمعہ کے دن دیا کرتے تھے، ان لینے والوں میں سے چند حضرات حیات ہیں۔یادرہے کہ یہ اس وقت کا واقعہ ہے جب بھینس اڑھائی تین صد میں بکا کرتی تھی۔

صفت شجاعت

دیگر اوصاف حمیدہ کے علاوہ آپ میں شجاعت بھی غایت درجہ کی پائی جاتی تھی آپ کے تقویٰ وشجاعت کی داستانیں برزبان خواص وعوام تھیں آپ کے مخالفین بھی دبی زبان میں اقرار کرتے کہ واقعی ان میں یہ خوبیاں تھیں۔

مثلاً عنفوان شباب میں جب آپ حبیب بانڈہ پڑھنے کیلئے جایا کرتے تھے اس دوران کا واقعہ ہے کہ موضع کھڑا کے مشہور و بدنام زمانہ ڈاکوؤں نے چراگاہ سے آپ کی گائے چرالی۔ جب اس کا سراغ مل گیا تو والد نے ڈاکوؤں کو پیغام دیا کہ میری گائے تم لوگ لے گئے ہو وہ واپس کر دو وہ انکاری ہو گئے۔آپ نے کہا تمہیں گائے لیجاتے ہوئے دیکھا گیا ہے۔ اس کے شرعی فیصلے کیلئے قاضی عالم شریعت کے سامنے بیٹھ جاتے ہیں اگر ہمارا حق ثابت ہوا تو ہمیں دے دیں ورنہ بات ختم ہو جائیگی۔

انہوں نے شرعی فیصلے سے انکار کر دیا اور پکڑائی بھی نہ دیتے تھے۔ خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ ایک دن اچانک آپ کے مکان سے کچھ فاصلے پر وہ گزر رہے تھے کہ حبیب بابا مرحوم کو پتہ چل گیا، آپ ان کے تعاقب میں نکلے اور انہیں ٹھہر جانے کو کہا مگر وہ تیزی سے آگے کو نکل گئے آپ نے ان کا تعاقب کیا اتفاق سے یہ ڈاکو اسی سمت بھاگے جدھر سے یعنی حبیب بانڈہ سے مولانا حضرت نور پڑھ کر واپس آیا کرتے تھے۔

جیسے ہی حبیب بانڈہ نظر آیا تو حبیب بابا نے دیکھا کہ آپ واپس آرہے ہیں تو آواز دی کہ او حضرت نور یہ چور آرہے ہیں یہ بچ نہ نکلیں آپ نے والد صاحب سے کہا فکر نہ کریں میں آرہا ہوں۔ جیسے ہی ان چوروں پر دہشت غالب ہوئی انہوں نے اپنے تعاقب کرنے والے حبیب بابا پر فائر کھول دی ان میں سے ایک کے پاس بندوق تھی اور دوسرے کے پاس کلہاڑی تھی گولی حبیب بابا مرحوم کے سینہ میں پیوست ہوگئی۔

آپ حبیب بانڈہ سے یہ ماجرہ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے آپ شش و پنج میں مبتلا ہو گئے کبھی دل میں خیال آتا کہ اب پہلے والد صاحب کو سنبھالوں بعد میں ان چوروں سے نمٹیں گے، مگر پھر دل میں خیال پیدا ہوا کہ والد صاحب غالباً مرتبۂ شہادت کو پہنچ چکے ہیں اور یہ بدبخت میرے ہاتھ سے نکل جائیں گے۔

چنانچہ آپ نے ان چوروں کا تعاقب کیا، دن دھاڑا تھا۔لوگ فائرنگ کی آواز سن کر گھروں سے نکل آئے تھے اس زمانے میں بندوق کی آواز انوکھا واقعہ ہوتا تھا بندوقیں صرف خوانین کے نوکروں کے پاس ہوا کرتی تھیں یہ ڈاکو بھی خان بہاری کے نوکر تھے۔ بہر حال مولانا حضرت نور مرحوم کا سامنے کی طرف سے آنا نیز دیگر لوگوں کے بھی نکل جانے کی وجہ سے یہ چور حواس باختہ ہوگئے اور لوگوں کے حصار میں آگئے۔

سم بانڈہ اور حبیب بانڈہ کے درمیان گہرائی میں پانی کی ندی بہتی ہے۔ چنانچہ ادھر ادھر کے لوگ نکل گئے

چور بھاگتے ہوئے ندی کے پاس پہنچ چکے تھے لیکن کہیں بچ نکلنے کا راستہ نہ ملا۔ لوگوں کا جم غفیر اور مولانا حضرت نور کا ان کے پاس پہنچ جانے سے وہ سخت مرعوب اور بے جان لاشے بنے ہوئے تھے۔ یہ فرنگی کا عہد حکومت تھا علاقہ بٹگرام میں کوئی سرکاری عمل دخل نہ تھا سب کچھ خوانین کے حکم سے ہوتا تھا۔

جمالداروں کا جرگہ

خوانین کے جمالداروں نے مل بیٹھ کر جرگہ کیا کہ ان مجرموں کو خان بہاری کے حوالے کرتے ہیں پھر ان کی مرضی وہ ان کے بارے میں جو فیصلہ کریں مولانا حضرت نور سمجھ گئے کہ یہ لوگ مجرموں کو میرے ہاتھ سے نکالنا چاہتے ہیں آپ نے انتہائی چابک دستی سے کسی شناسا سے ریوالور لیکر قاتل پر دو تین فائر کئے اور وہ قاتل اصل وہیں ڈھیر ہو گیا۔ اور آپ پھر بلا تاخیر اپنے والد کی جائے شہادت کی طرف روانہ ہو گئے۔

لوگ حیران ہوئے کہ یہ کیا ہوا؟ آپ انتہائی سرعت کے ساتھ اپنے والد کے پاس پہنچے مگر وہ جام شہادت پی چکے تھے۔۔۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

لوگ کافی تعداد میں جائے شہادت میں جمع ہو گئے تھے۔ چنانچہ چار پائی منگوائی گئی لاش کو اٹھایا اور گھر پہنچایا۔ دوسرے دن جنازہ کیا گیا۔ لوگ اس فی الوقتی اور فوری قصاص کو مولانا حضرت نور کی کرامت سمجھے یہ اس دور کا انوکھا واقعہ تھا کہ اسی دن قاتل کو واصل جہنم کیا اور پھر اپنے والد کا جنازہ اٹھایا۔

مولانا حضرت نور کا لق ودق جنگل میں تنہا سفر کرنا

جب آپ کی پہلی زوجہ کا انتقال ہوا تو تین معصوم بچے رہ گئے۔ طبعی طور پر آپ بہت پریشان ہوئے اور اس وقت پریشانی زیادہ بڑھ جاتی جب وہ بچے اپنی ماں کو یاد کرتے ہیں یہ اس وقت کا واقعہ ہے جب آپ جوز گاؤں میں دینی خدمات انجام دے رہے تھے۔ ایک دن عشاء کی نماز پڑھا کر گھر آئے تو بچے ماں کو یاد کر کے رو رہے تھے۔ آپ نے ان کو دلاسہ دیا اور پھر لیٹ گئے مگر نیند نہ آئی۔

پھاگن کا مہینہ تھا برف سے زمین کا چہرہ ڈھانپا ہوا تھا، بھرپور چاندنی اور برف کی سفیدی سے یوں لگ رہا تھا جیسے دن کا اجالا ہو۔ آپ اداس تھے دل میں خیال گزرا کہ کیوں نہ بٹیلہ آلائی چلا جاؤں اپنے مرشد خواجہ یحییٰ باجی علیہ الرحمۃ کے پاس کچھ وقت گزار آؤں، ہوسکتا ہے میری طبیعت کا انقباض ختم ہو جائے۔

مہیب جنگل میں خونخوار درندوں کی دھاڑ میں تنہا سفر

آپ نے سوچا لمبی رات ہے راستہ صاف نظر آتا ہے صبح ہونے تک یہ سفر طے کر لوں گا آپ خطرات و عواقب سے بیفکر ہوکر اللہ کا نام لیکر چل پڑے جوز سے الائی تک بیس بائیس میل کا سفر تھا۔ راستہ میں گھنے جنگلات جوخونخوار درندوں کا مسکن تھے۔شیر، چیتے، ریچھ، بھیڑیا وغیرہ ان جنگلوں میں گھومتے پھرتے ہیں ۔

موسم سرما میں ان جنگلات میں ایک دو آدمی دن میں بھی جاتے ہوئے گھبراتے ہیں چہ جائے کہ رات کا سفر اور وہ بھی ایک آدمی کا سفر۔ اس سفر میں کئی درندوں کی دھاڑ چنگھاڑ سے واسطہ پڑا۔مگر آپ برابر اپنی منزل کی جانب گامزن تھے جسے خدا رکھے اسے کون چکھے۔

آپ جاتے جاتے جب کوہ چیل پہنچے، یہ بٹگرام اور الائی کے درمیان ایک فلک بوس پہاڑ ہے، اس پہاڑی کو سر کرتے ہوئے جب آپ بجانب الائی ڈھلوان میں جارہے تھے تو دیکھا سامنے سے کوئی انجان بھاری جسم والا درندہ آرہا ہے جب وہ درندہ آپ کے پاس آیا تو رک گیا اور آپ بھی رک گئے ۔

فرماتے تھے وہ درندہ مجھے اور میں اسے دیکھ رہا تھا، ہاتھ میں صرف لکڑی کی چھڑی تھی جس سے اس کو قابو کرنا ناممکن تھا کچھ دیر تو وہ درندہ کھڑا میری طرف دیکھتا رہا پھر بامر ربی الٹے پاؤں واپس ہو گیا۔ تازہ برف باری ہوئی تھی وہ برف پر جاتا پیچھے پیچھے میں جاتا گو یا وہ برف پر میرے لئے راستہ بنارہا ہے چلتے چلتے الائی کے آتے ہی اس درندہ نے جنگل کا رخ کیا اور میں آبادی کی طرف چل پڑا۔

بٹیلہ گاؤں پہنچ کر میں مسجد گیا وضو کیا کچھ رکعتیں نماز تہجد پڑھیں ، کچھ دیر بعد طلوع صبح صادق ہوئی تو مؤذن نے اذان دی نماز میں خواجہ یحییٰ باجی تشریف لائے ، ان سے ملا تو وہ ناراض ہوئے کہ تم نے اس سردی میں مسجد میں رات کیوں گزاری میرے ہاں کیوں نہ آئے ۔ میں نے عرض کیا کہ رات میں سفر میں تھا تو وہ اور زیادہ غصہ ہوئے اور کہا اگر آپ گر جاتے یا آپ کو کچھ ہو جاتا تو موت خراب ہو جاتی ۔ میں نے کہا میں نہیں سمجھا بس آ گیا اللہ نے حفاظت فرمائی ۔ آپ مجھے گھر لے گئے دو دن آپ کے پاس میں نے قیام کیا ان کی توجہات اور دعاؤں سے میری انقباضی کیفیت ختم ہوئی اور واپس جوز آ گیا۔

یہ اس وقت کا واقعہ ہے جب آپ نے ابھی حضرت قطب الاقطاب حضرت خواجہ شمس الدین رحمہ اللہ

کاشمیری سے بیعت نہیں کی تھی ۔ان واقعات کو مولانا حضرت نور کی کرامت کہنا تو ظاہر ہے لیکن اس ضمن میں ان کی شجاعت اور دل کی مضبوطی کا بھی اظہار ہوتا ہے۔فرحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ۔

ہمارے علاقہ میں لوگ عرصہ تک ان واقعات کا تذکرہ کیا کرتے تھے واقعی دنیا اہل کمال سے خالی نہیں ہوتی ہر زمانہ میں اہل اللہ موجود ہوتے ہیں ۔اگر آپ بنجر علاقے کے باسی نہ ہوتے اور کسی زرخیز زمین میں بسیرا ہوتا تو آپ کا بڑا نام ہوتا۔آپ نے ساری زندگی اتباع سنت میں گزاری ، سفر و حضر میں تہجد کی نماز بھی کبھی نہیں چھوڑی۔ دینی معاملات میں کسی سے رعایت نہ رکھا کرتے اور برملا اگلے کو ٹوک دیا کرتے تھے ۔

لَا يَخَافُ فِي اللهِ لَوْ مَةَ لَآئِمْ

کے عملی نمونے تھے ۔اس لئے کچھ لوگ آپ سے ناراض رہتے تھے آپ اس کی کوئی پرواہ نہ کرتے حق گوئی میں ننگی تلوار تھے جو کہ اولیاء اللہ کی پہچان ہے اگر چہ دنیا والے بہت کم ان کے بارے میں جانتے ہیں ۔

کار پاکاں را قیاس از خود مگیر گر چہ باشد در نوشتن شیر و شیر۔

ہمارے ملک کی ایک قد آور شخصیت حکیم ملت مولانا عبد الحکیم رحمہ اللہ کی علمی و عملی قلعے کی تعمیر میں خشت اوّل آپ ہی نے رکھی تھی۔ نورانی قاعدہ اور قرآن مجید آپ نے پڑھایا اور علمی ترغیب دی۔ آپ جب کبھی پنڈی تشریف لاتے تو مولانا عبدالحکیم مرحوم ان کے سامنے دوزانوں بیٹھتے ،اور انتہائی خاطر و مدارات کرتے تھے۔

وفات

آپ کچھ عرصہ سے ضیق النفس کے مریض ہو گئے تھے ۔آخری وقت میں ضیق النفس کا شدید حملہ ہوا، 19 دن بیمار رہے۔اس دوران بھی اہل خانہ سے نیم بے ہوشی کے عالم میں "ستھرا پانی میری نماز کیلئے رکھ دو" کہا کرتے۔ آپ رحمہ اللہ نے 19 فروری 1975ء بمطابق 7 صفر المظفر 1395ھ کو جان جان آفرین کے حوالے کر دی۔

اللّٰھُمَّ اغْفِرْ لَہٗ وارحمہٗ ۔

خدا بخشے بڑی خوبیاں تھیں مرنے والے میں۔ زمین کھا گئی آسمان کیسے کیسے۔

❁❁❁❁❁❁❁

حضرت مولانا عبدالرزاق صاحب دامت فیوضہم

حضرت مولانا عبدالرزاق صاحب چوہان دامت برکاتھم کی پیدائش ضلع بٹگرام یوسی بٹہ موڑی کے ایک پسماندہ گاؤں سم بانڈہ میں ولی دوران حضرت مولانا حضرت نور چوھان کے ہاں 1943ء میں ہوئی۔

آپ کا خانوادہ علم وتقویٰ اور للّٰہیت میں مشہور تھا۔آپ نے ایک ولی اللہ اور صاحب نسبت والد کی تربیت میں نشونما پائی اور قرآنی قاعدہ اور ناظرہ قرآن کریم اپنے والد سے ہی پڑھا۔اللہ تعالیٰ نے آپ کو بچپن سے ہی بے انتہاء صلاحیتوں سے نوازا تھا۔آپ کو اللہ تعالیٰ نے بہترین حافظہ بھی عطا فرمایا تھا۔آپ کے آباء واجداد بھی علم دین سے بہرہ ور تھے۔

چنانچہ آپ کے والد نے آپ کی صلاحتیوں کو دیکھ کر آپ کو علم دین سے مزین ہونے کے خواب دیکھنے شروع کئے لیکن اس وقت علاقے میں مکمل علم دین حاصل کرنے کا انتظام نہ تھا،غربت کا دور تھا،سکول کے نام سے بھی لوگ ناواقف تھے چنانچہ تقریباً ۹، ۱۰ سال کی عمر میں آپ کے والد نے آپ کو علاقے کے ایک عالم کیساتھ راولپنڈی بھیج دیا تاکہ وہاں جاکر قرآن وسنت کے چشموں سے سیرابی حاصل کر کے اپنے والدین کے خواب کو شرمندہ تعبیر کرسکیں۔اس وقت راولپنڈی میں آپ کے گاؤں کے چند افراد پہلے سے موجود تھے بعض مؤذن اور بعض مساجد میں امام تھے اور کچھ رشتہ دار ہم عمر بھی پڑھنے راولپنڈی آئے تھے۔

راولپنڈی آمد اور علمی پیاس میں شدّت

جب آپ علمی تڑپ لے کر کم عمری میں اپنے گاؤں اور والدین سے دور سینکڑوں کلومیٹر کے فاصلے پر راولپنڈی آئے تو آپ کی علمی طلب میں اور اضافہ ہوا جس کیلئے آپ نے کئی مدارس سے خوشہ چینی کی۔ جو صاحب آپ کو راولپنڈی لے کر آئے تھے انہوں نے آپ کو راولپنڈی میں مری روڈ مسجد سیداں کے امام وخطیب مولانا عبدالہادی مرحوم کے پاس چھوڑا جو کہ جید عالم دین فاضل دیوبند تھے اور تعلیم القرآن راجہ بازار میں مدرس تھے ان سے آپ نے علم الصرف کا قانونچہ پڑھا۔

حفظ قرآن اور تجوید وقرأۃ

لیکن چونکہ اس وقت گاؤں سے پہلی بار ہجرت کر کے آئے تھے، اور اردو زبان سے ناواقفیت کی وجہ سے کما حقہ تشفی حاصل نہ کر سکے تو دوسرے سال علمی تسکین کیلئے وہاں سے مسجد نیاریاں سید پور روڈ منتقل ہو گئے اور قاری تقی الاسلام میرٹھی مرحوم سے قرآن کریم کے کچھ پارے حفظ کئے اور تجوید پڑھی۔

درس نظامی

بعد ازاں دینی کتابوں کی تعلیم کے لئے باغ سرداراں میں قائم مدرسہ امداد الاسلام میں داخلہ لیا کچھ اسباق وہاں پڑھے۔ اس دوران مدرسہ عثمانیہ ورکشاپی محلہ کی شہرت سنی تو علمی پیاس بجھانے کیلئے وہاں داخلہ لے لیا اور مہتمم مدرسہ مولانا قاری محمد امین مرحوم اور دیگر اساتذہ سے اکتساب فیض کیا۔ اس وقت مولانا عبدالحکیم رحمہ اللہ بھی اسی مدرسہ میں مدرس تھے بعد میں انہوں نے کوہاٹی بازار میں مدرسہ جامعہ فرقانیہ کی بنیاد رکھی۔

جامعہ فرقانیہ کا انتخاب

حضرت مولانا عبدالحکیمؒ جو بنی چوک کے قریب محلہ کرتار پورہ میں ایک مسجد کے خطیب تھے انہوں نے اس کے قریب ہی مدرسہ کی بنیاد رکھی۔ اور حفظ قرآن کریم کی کلاس کے ساتھ شعبہ کتب کا سلسلہ بھی شروع کر دیا۔

کتب عربیہ کے ابتدائی اسباق صرف ونحو کی تدریس کیلئے شیخ الحدیث حضرت مولانا نصیر الدین غورغشتی رحمہ اللہ محشی مشکوٰۃ کے شاگرد معتمد حضرت مولانا عبدالمالک مرحوم بٹل ہروڑی والے کی خدمات حاصل کیں جو سلف صالحین کا نمونہ تھے، انہیں صرف ونحو میں مہارت تامہ حاصل تھی تقویٰ واخلاص کے پیکر تھے ان کی وجہ سے جامعہ فرقانیہ کا بہترین آغاز ہوا علمی وعملی طور پر مدرسہ میں ام المدارس دارالعلوم دیوبند کا عکس نمایاں تھا۔

چنانچہ اس سنہری دور سے مستفیض ہونے کیلئے موصوف نے جامعہ فرقانیہ کا انتخاب کیا اور شعبہ کتب کے سابقین اوّلین طلباء میں شامل ہوئے۔ صرف میں شافیہ، نحو میں کافیہ، تک کتابیں مولانا عبدالمالک سے پڑھیں اور علمی روگ سے شفاء پائی ان کے بعد اُس دور کے دیگر اساطین علم سے مختلف کتابیں پڑھیں۔

عربی ادب کی نفحۃ العرب مولانا مظفر اقبال سے پڑھی جو بطل اسلام مولانا غلام غوث ہزاروی کے داماد اور شیخین جامعہ اشرفیہ حضرت مولانا رسول خان ومولانا ادریس کاندھلوی کے ممتاز تلامذہ میں سے تھے۔ نیز عربی ادب

کی متنبیؔ اور حماسہ اور اصول فقہ کی حسامی شیخ العرب والعجم حضرت مولانا حسین احمد مدنی قدس اللہ سرہ کے تلمیذ و خادم مولانا محمد عثمان رحمہ اللہ سے پڑھیں۔ جو دیوبند کے فاضل تھے اور بٹگرام کے علاقہ ٹکری سے تعلق رکھتے تھے۔

حسامی کی مغلق عبارت کا حل اور استاد سے انعام کی وصولی

حضرت مولانا عثمان رحمہ اللہ کو اللہ تعالیٰ نے کتاب سمجھانے اور طلبہ کی استعداد کو بروئے کار لانے کا خاص ملکہ عطاء فرمایا تھا۔ حسامی کی تدریس کے دوران ایک مغلق عبارت کو حل کرنے کیلئے مولانا عثمان مرحوم نے طلباء میں ذوق بڑھانے کیلئے ایک دن کا وقت دیا اور فرمایا کل اس عبارت کا صحیح مطلب جو طالب علم بیان کرے گا اس کو ایک روپیہ انعام دیا جائے گا۔ اس آفر کے ملنے کے بعد طلباء میں اس اعزاز کو اپنے نام کرنے کیلئے دوڑیں لگ گئیں اور کلاس میں تین طلباء ایسے تھے جو امتیازی طور پر اساتذہ کے منظور نظر تھے جن میں سے ایک مولانا عبدالرزاق اور دو اور تھے تینوں نے رات دیر تک اپنی صلاحتیوں اور کوششوں سے عبارت کو حل کیا۔

صبح کلاس میں ہر ایک نے اپنی سمجھ کے مطابق وضاحت کی (یاد رہے کہ یہ وہ دور تھا جب ان عربی کتب کی کوئی اردو شروحات نہیں ہوا کرتی تھیں) اور دیگر ساتھی انہی تینوں کی حمایت یا مخالفت کرتے جب استاد نے تینوں سے عبارت کی تشریح وتوضیح سنی تو مولانا موصوف جو کچھ سمجھے تھے اس کو صحیح قرار دیا اور یوں استاد کے ہاتھ سے مولانا عبدالرزاق نے انعام اپنے نام کیا۔

فقیہ العصر حضرت مفتی محمود قدس سرہ سے عقیدت اور ملتان کا سفر

1965ء کے الیکشن میں جمعیت علماء اسلام کے چند علماء قومی اسمبلی کے ممبر منتخب ہوئے جن میں مولانا غلام غوث ہزارویؒ، مولانا عبدالحقؒ اکوڑہ خٹک، مولانا گل بادشاہ اور حضرت مفتی محمود رحمہ اللہ سرفہرست تھے۔ مفتی محمودؒ مدرسہ قاسم العلوم ملتان کے شیخ الحدیث اور صدر مدرس کے عہدے پر فائز تھے۔

یہ وہ وقت تھا جب صدر ایوب خان نے پاکستان کا دارالحکومت کراچی سے اسلام آباد شفٹ کر دیا تھا اور اسلام آباد ایک نیا شہر آباد ہو رہا تھا، سرکاری دفاتر راولپنڈی میں عارضی طور پر قائم تھے۔ قومی اسمبلی کے اجلاس راولپنڈی میں ہوتے تھے جن کیلئے حضرت مفتی صاحب کو ملتان سے آنا پڑتا تھا اس کے لئے مفتی صاحب نے محلہ کرتار پورہ میں مولانا عبدالحکیم صاحب رحمہ اللہ کی مسجد کے قریب ان کے مشورے سے مکان کرایہ پر لیا اور اجلاس

کے دوران یہیں قیام فرماتے اور مدرسہ بھی چکر لگاتے رہتے۔

حضرت مفتی محمودؒ کے علمی تفوق سے کون ناواقف تھا اس لئے فرقانیہ کے بعض اساتذہ اور طلباء کی طرف سے یہ مطالبہ ہوا کہ مفتی صاحب جامعہ فرقانیہ میں کچھ پڑھانے کا وقت دیں ان سے درخواست کی گئی تو انہوں نے حامی بھر لی اور طے ہوا کہ صبح اجلاس کیلئے جانے سے پہلے مفتی صاحب فقہ کی مشہور کتاب ہدایہ پڑھایا کریں گے۔ چنانچہ مفتی صاحب نے ہدایہ کے اسباق شروع کئے تو طلباء کے ساتھ مدرسہ کے اساتذہ بھی مفتی صاحب کے علمی اسرار و نکات سے مستفیض ہوتے۔ چنانچہ مفتی محمودؒ کے انداز تدریس، فن کی باریکیوں سے ایسے متأثر ہوئے کہ مولانا موصوف نے موقوف علیہ کے بعد صحاح ستہ پڑھنے کیلئے قاسم العلوم ملتان کا ارادہ کر لیا۔

باوجودیکہ اس عزم کی تکمیل کے سامنے بہت سی رکاوٹیں تھیں کبھی سفری اخراجات آڑے آتے، اور کبھی ملتان کی گرمی کا سن کر سوچنے پر مجبور ہوتے، کبھی وہاں پر قلم و کاپی اور دیگر ضروریات کا انتظام نہ ہونا رکاوٹ بن کر سامنے آتا لیکن حضرت مفتی محمود رحمہ اللہ سے شناسائی کے بعد دل میں انکی عقیدت اور علمی تشنگی سے سیرابی ایسا جنون تھا جس کی راہ میں ہر رکاوٹ ڈھیر ہوگئی اور 1965ء میں فرقانیہ سے موقوف علیہ کے بعد دورہ حدیث شریف کیلئے ریل گاڑی کے ذریعے ملتان روانہ ہوگئے اور مدرسہ کا پوچھتے پوچھتے بالآخر مدرسہ قاسم العلوم ملتان پہنچ گئے۔ جہاں دیگر اجنبیوں کے جھرمٹ میں مفتی محمود کی شفقت اور اپنائیت نے ڈھارس بندھوائی اور دورہ حدیث میں داخلہ لیا۔

طلب علم کیلئے گھر سے نکل کر راولپنڈی میں یہ چند سال بڑے کٹھن گزرے۔ گھر سے خرچہ نہ ملنے کے برابر، سالوں سال نہ کوئی رابطہ نہ اپنے پیاروں کی معلومات، نہ دور طفل کی معصومانہ ادائیں بلکہ وطن سے بہت دور علم کی چاشنی سے مخمور ہوکر تمام صعوبتوں کا مقابلہ کیا۔ یہی وجہ تھی کہ آپ کے گاؤں کے باقی ساتھی بعض تو مدرسہ چھوڑ کر گاؤں واپس چلے گئے اور بعض کسی طریقے سے راولپنڈی میں ہی دورہ حدیث تک پہنچ تو گئے مگر وہ استعداد پیدا نہ کر سکے جو ان صعوبتوں کا بدل بن سکتی۔ کسی نے کیا خوب کہا:

ارادے جن کے پختہ ہوں نظر جن کی خدا پر ہو طلاطم خیز موجوں سے وہ گھبرایا نہیں کرتے

مدرسہ قاسم العلوم ملتان اور علمی سفر کی تکمیل

مدرسہ قاسم العلوم ملتان میں دورہ حدیث شریف میں داخلہ لیا اور بڑے بڑے شیوخ سے بکھرے موتی جمع

کئے۔ بخاری شریف اور ترمذی کے اسباق اسی شخصیت سے پڑھے جن کیلئے بے سروسامانی میں ملتان کا سفر کیا تھا۔ حضرت مفتی محمودؒ سے پورا سال "قال الرّسول صلی اللہ علیہ وسلم " کی توضیح وتفہیم سے خوب محظوظ ہوئے۔

صحیح مسلم مولانا فیض احمد صاحب محدث ملتانی سے پڑھی۔ ابو داؤد شریف ماہر عقلیات و فلکیات حضرت علامہ موسیٰ الروحانی البازی قدس سرہ سے پڑھی۔ نسائی شریف مولانا محمد اکبر صاحب سے پڑھی۔

ان کے علاوہ باقی شیوخ سے بھی استفادہ کیا اور احادیث مبارکہ کی چھ مشہور کتابیں جنہیں صحاح ستّہ کہا جاتا ہے۔ بخاری شریف، ترمذی شریف، مسلم شریف، ابوداؤد شریف، نسائی شریف اور سنن ابن ماجہ پڑھنے کی سعادت حاصل کی۔ دورہ حدیث کا سال دینی طلباء کیلئے ایک مشکل دورانیہ ہوتا ہے۔ اسباق کی کثرت، اسناد کی تحقیق، متن حدیث کی تشریح، مذاہب فقہاء کا استنباط، متعارض روایات میں تطبیق وغیرہ مختصر دورانیے میں طویل سفر کرنا پڑتا ہے۔ جس کے لئے رات دیر تک جاگنا طلباء کا معمول ہوتا ہے۔

بالخصوص وہ طلباء جن میں جذبہ مسابقت ہو ان کیلئے شب بیداری محبوب مشغلہ ہوتا ہے۔ آپ چونکہ شروع سے ہی پوزیشن کیساتھ کامیابی حاصل کرنے کے خوگر تھے اس سال بھی اسی روش کو برقرار رکھنے کا عزم جوان تھا لیکن یہاں مقابلے میں بہت قابل اور ذہین طلباء تھے جن میں سے بعض دینی علوم کی تکمیل کرنے کے بعد صرف مفتی محمود رحمہ اللہ سے شرف تلمذ اور تحقیق انیق پانے کی غرض سے شامل درس تھے۔

اس لئے رات کو تیز چائے بنا کر دیر تک مطالعہ کرنا موصوف کی عادت تھی، لیکن ایک بار خرچہ بالکل ختم ہوگیا اور کئی دنوں سے چائے پینے کی نوبت نہ آئی اسی اثناء میں اللہ تعالیٰ کی غیبی مدد ہوئی اور آپ کے ایک دیرینہ ساتھی قاری محمد زرین مرحوم جو آپ کے ساتھ فرقانیہ میں ایک ساتھ پڑھتے رہے لیکن دورہ حدیث کیلئے کراچی بنوری ٹاؤن چلے گئے تھے انہوں نے کراچی سے آپ کیلئے پانچ روپے بھیج دیئے یوں اللہ تعالیٰ نے پھر سے سلسلہ جاری کر دیا۔

جب یہ رقم ختم ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے دیگر حضرات کے دل میں ڈالا اور نظام چلتا رہا چونکہ دیگر اکثر طلباء کیلئے گھر سے بذریعہ ڈاک خرچہ آتا تھا مگر آپ کے گھریلو حالات بھی کمزور تھے اور ڈاک کا نظام بھی نہ تھا تو محض اللہ کی مدد سے بغیر ظاہری اسباب کے امتیازی پوزیشن کے ساتھ یہ سال بھی مکمل کیا اور اکابر کے ہاتھوں دستار فضیلت حاصل

کر کے جید علماء میں شامل ہو گئے۔

دورۂ تفسیر قرآن کریم

لیکن اس مدرسہ سے فراغت کے بعد رجب تا آخر رمضان علمی حرص آپ کو گھر واپس آنے کے بجائے دورہ قرآن کریم کیلئے خانپور ضلع رحیم یار خان لے گئی جہاں حافظ القرآن والحدیث مولانا عبد اللہ درخواستی رحمہ اللہ مدارس کی سالانہ چھٹیوں میں قرآن کریم کا دورہ کرواتے تھے جس کیلئے ملک کے طول وعرض سے علماء وطلباء جمع ہوتے اور کلام اللہ کے معانی ومطالب سے اپنے سینوں کو منوّر کرتے وہاں آپ نے دورہ قران کریم مکمل کیا اور پھر ٹرین سے واپس راولپنڈی آئے۔

جامعہ فرقانیہ راولپنڈی میں تدریس کیلئے تقرر

درس نظامی سے فراغت کے بعد جامعہ فرقانیہ راولپنڈی میں تدریس کیلئے آپ کا تقرر ہوا اور اپنے اساتذہ کی نگرانی میں اس منصب کی ذمہ داریاں احسن انداز سے نبھائیں۔ 1967ء تا 1977ء تقریباً دس سال تک علوم وفنون کی مختلف کتب کی تدریس کی۔ مفید الطالبین، میزان الصرف، نحو میر، نورالانوار، شرح الجامی، شافیہ، کافیہ، حسامی، جلالین، ہدایہ وغیرہ کے درس میں علمی جواہر بکھیرے۔

طرز تدریس

آپ سے پڑھنے والے طلباء میں سے بعض انتہائی باذوق اور باصلاحیت طلباء ہوتے تھے جو آپ کے درس سے بہت مطمئن ہوتے اور آپ کا انداز تدریس وتفہیم انہیں بہت متأثر کرتا اور صرف پڑھائی کے دور تک نہیں بلکہ بعد میں بھی وہ آپ کا تذکرہ خیر کرتے رہتے جن میں سے جامعہ عثمانیہ پشاور کے بانی اور مہتمم مفتی غلام الرحمٰن زید مجدہ جو صرف پاکستان نہیں بلکہ پوری دنیا میں عالمی شہرت رکھتے ہیں وہ آپ کے اجلّہ تلامذہ میں سے ہیں انہوں نے کئی مجالس میں اور اپنی کتاب "وہ چراغ جن سے مجھے روشنی ملی" میں آپ کی تدریسی چاشنی بیان کی ہے۔

وہ فرماتے ہیں کہ آج میں جس مقام پر ہوں یہ مولانا عبد الرزاق صاحب کا مرہون منت اور ان کی محنت کا نتیجہ ہے اور اسی سے مجھے علمی شوق پیدا ہوا۔ انہوں نے کافیہ سمیت کئی کتابیں آپ سے پڑھی ہیں۔ آپ بڑے جذبے سے جامعہ میں درس وتدریس کے ذریعے نور الٰہی بکھیر رہے تھے اور ساتھ ڈھیری حسن آباد راولپنڈی میں

امامت وخطابت سے بھی منسلک تھے،لیکن اس دوران گاؤں میں 1975ء کو آپ کے والد ماجد دنیا سے رخصت ہو گئے اور گھر میں بڑے ہونے کی وجہ سے ساری ذمہ داریاں سر آ گئیں اور بادل ناخواستہ حالات سے مجبور ہو کر راولپنڈی کو خیر باد کہہ کر گاؤں منتقل ہو گئے اور امام شافعیؒ کے اس قول کا مصداق ٹھہرے کہ:

عَرَفْتُ رَبِّی بِفَسْخِ الْعَزَائِم ۔

راولپنڈی سے بٹگرام واپسی

راولپنڈی کو آپ الوداع کہہ کر گاؤں واپس گئے تو کوئی ذریعہ معاش نہیں تھا لیکن اللہ پر توکل مضبوط تھا اللہ تعالی نے وہاں اسباب پیدا فرمائے اور گورنمنٹ کے سکول میں اسلامیات ٹیچر بھرتی ہو گئے کچھ عرصہ بعد عربی پوسٹ پر تبادلہ ہوا اور ریٹائر منٹ تک عربی معلم کی حیثیت سے سکول کے بچوں کو قرآنی زبان سے شناسا کرتے رہے۔سچ ہے کہ اللہ تعالیٰ محنت کو ضائع نہیں کرتا۔

گاؤں میں اگر چہ باقاعدہ شعبہ کتب کا مدرسہ نہیں تھا۔لیکن آپ کا علمی فیض جاری رہا اور انفرادی اور اجتماعی طور پر کئی طلب والوں نے آپ سے مختلف عربی کتب پڑھیں قرآن کریم کی تفسیر اور احادیث پڑھیں۔گاؤں کی مسجد کی امامت بھی والد کی وفات کے بعد آپ ہی کے ذمہ لگی اور قرب وجوار کے تمام علاقوں کے لوگ شرعی مسائل میں آپ سے زبانی اور تحریری فتاوی حاصل کر کے راہنمائی پاتے رہے۔لوگوں کے فیصلے شریعت کے مطابق آپ کے سپرد رہتے،وعظ ونصیحت کیلئے دور دراز پیدل جاتے بلکہ رمضان کے مہینے میں ایک رات میں کئی مساجد کے اندر آپ پیدل جا کر وعظ ونصیحت کرتے رات دیر تک لوگ آپ کے بیانات بڑے شوق سے سنتے۔گاؤں میں آپ کی موجودگی دینی امور میں ایسے مفید ثابت ہوئی جیسا کہ شاید اسی لیے اللہ عزوجل نے راولپنڈی سے گاؤں آپ کو واپس بھیجا۔

اولاد

اس وقت الحمدللہ آپ تقریباً 80 سال سے اوپر کے ہیں اس پیرانہ سالی میں گاؤں میں کافی مشکلات کا سامنا رہتا۔اس لیے گرمیوں کے چند مہینوں کے علاوہ رھائش اسلام آباد میں رکھی ہے۔اور اپنے علمی سلسلے کو زندہ رکھنے کیلئے اپنے تین صاحبزادوں میں سے بڑے بیٹے کو بھی علم دین سے وابستہ رکھا ہے۔

بڑا بیٹا مفتی فضل الرحمٰن ہزاروی صاحب جو دارالعلوم کراچی سے وفاق المدارس کے امتحان میں ممتاز نمبروں کے ساتھ کامیاب ہو کر تخصص فی الافتاء کرنے کے بعد اب کتب عربیہ کی تدریس اور دارالافتاء سے منسلک جامعہ قاسمیہ اسلام آباد میں خدمات انجام دے رہے ہیں۔اور آئی 16 اسلام آباد کی جامع مسجد میں بحیثیت امام وخطیب دینی خدمات سرانجام دے رہے ہیں۔اللہ کرے حضرت کیلئے نعم الخلف ثابت ہوں اور یہ علمی چراغ بجھنے نہ پائے۔

دوسرا بیٹا ڈاکٹر حفظ الرحمٰن نامی جس نے ایم۔اے (سپیشل ایجوکیشن)اور ہومیوپیتھی میڈیکل سائنس میں کیپیٹل ہومیوپیتھک میڈیکل کالج سے چار سالہ کورس اور ایم۔سی۔سی (سائیکالوجی) میں سپیشلائزیشن کی ہے اور سی۔ایم۔ایچ ہسپتال راولپنڈی میں ڈیوٹی سرانجام دے رہا ہے۔

جبکہ تیسرا اور سب سے چھوٹا بیٹا وجیہ اللہ صارم جس نے ہزارہ یونیورسٹی سے گریجویشن کی ہے اور مزید حصول تعلیم کے ساتھ پرائیویٹ ٹیچنگ کے شعبہ سے منسلک ہے۔الحمدللہ تینوں بیٹے شرعی وضع قطع والے اور صوم وصلوٰۃ کے پابند ہیں۔

وہ مشاہیر علماء کرام جن سے استفادہ کیا یا جن کی صحبت پائی۔

مذکور الصدر علماء کرام کے علاوہ کچھ اور اہل علم سے آپ نے کچھ سیکھا اور صحبت پائی جن میں سے چند مشہور یہ ہیں۔امام الاولیاء حضرت مولانا احمد علی لاہوری، امام المحدثین حضرت مولانا نصیر الدین غورغشتی محشی مشکوٰۃ، شمس العلماء مولانا شمس الحق افغانی، علامہ یوسف بنوری، مفتی اعظم پاکستان محمد شفیع، استاذ الکل فی الکل مولانا رسول خان امام اہلسنت مولانا سرفراز خان صفدر، امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری، مولانا ادریس کاندھلوی، متکلم اسلام مولانا قاری محمد طیب، محدث بینظیر مولانا خیر محمد جالندھری، ضیغم اسلام مولانا غلام غوث ہزاروی، شیخ الحدیث مولانا زکریا، استاذ الاساتذہ مولانا عبدالحق اکوڑہ خٹک اور شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خان وغیرھم، رحمھم اللہ تعالیٰ۔

اللّٰهم النفعنا بعلومهم وفيوضهم ولا تفتنا بعدهم ۔

سردار قاری فقیر محمد چوہان رحمۃ اللہ علیہ

سردار قاری فقیر محمد چوہان کی پیدائیش وہاب دین چوہان کے ہاں بھیڑ بالا میں ہوئی۔ جب آپ کی عمر دس سال کی ہوئی تو آپ کے والد گرامی بنفس نفیس آپ کو حصول علم کے لئے راولپنڈی لے کر آئے ، بٹل تک پیدل سفر کیا، اور وہاں سے جی، ٹی، ایس کے ذریعے راولپنڈی تک کا سفر کیا۔ اس وقت اڈہ راولپنڈی گنج منڈی میں تھا اور بٹل سے پنڈی کا، 5 روپے کرایہ تھا۔

آپ کے والد گرامی جناب وہاب دین مرحوم آپ کو جامعہ فرقانیہ مدنیہ اپنے بھانجے مولانا عبدالحکیم صاحبؒ کے پاس لائے، اور آپ کو ان کے سپرد کر کے گھر واپس لوٹ گئے۔

حفظ وناظرہ قرآن کریم اور تجوید وقرأۃ

آپ نے ابتدائی قاعدہ اور ناظرہ قرآن کریم اور آخری کچھ سپارے جامعہ فرقانیہ میں پڑھے۔ اور پھر لاہور چلے گئے جہاں آپ نے قرآن کریم حفظ کیا، اور سبعہ عشرہ میں تجوید وقرأۃ کی تعلیم حاصل کی۔

درس نظامی

درس نظامی کی کتابیں بھی آپ نے لاہور ہی میں پڑھیں، اور آپ کے اساتذہ میں ماہر عقلیات وفلکیات حضرت علامہ موسیٰ الروحانی البازی قدس سرہ بھی شامل تھے۔

درس وتدریس

تجوید وقرأۃ سے فراغت کے بعد آپ جامعہ فرقانیہ واپس تشریف لائے جہاں آپ کا تدریس کے لئے تقرر ہوا اور آپ نے درجۂ حفظ کے استاد کے طور پر تدریس کے فرائض انجام دیئے۔ اور تجوید بھی پڑھائی۔ اللہ نے آپ کو بہترین لہجے اور آواز سے نوازا تھا، اور آپ سبعہ عشرہ کے بہترین قاری تھے۔

صوبائی اسمبلی کا الیکشن

انیس سوستر 1970ء میں جب حضرت مولانا غلام غوث ہزارویؒ کے مشورہ پر این اے ۱۸ کی سیٹ سے جمعیت علماء اسلام کے ٹکٹ پر حضرت مولانا عبدالحکیم صاحبؒ کو الیکشن لڑوایا گیا، اور آپ نے ستمبر ۱۹۷۰ء سے اپنے

الیکشن کی مہم کا آغاز کیا، اور 4 ماہ تک پورے علاقے کا دورہ کیا۔تو دیگر کے ساتھ ساتھ سردار قاری فقیر محمد نے بھی مولانا کے الیکشن کو کامیاب کرانے میں انتہائی اہم کردار ادا کیا، اور الیکشن مہم کے دوران اُن کے ساتھ رہے۔ جہاں مولانا کا قیام ہوتا تو ان کی حفاظت کے لئے اہم اقدامات کرتے۔مولانا کا وسیع حلقۂ انتخاب تھا جو مانسہرہ تا کوہستان پھیلا ہوا تھا۔

جب ،7 مارچ ۱۹۷۷ء کو قومی اسمبلی کے انتخابات منعقد ہوئے تو حضرت مولانا عبدالحکیم صاحبؒ نے پیپلز پارٹی کے ٹکٹ پر الیکشن میں مانسہرہ کی سیٹ سے حصہ لیا۔

اور مولانا مرحوم کے حکم پر جناب سردار قاری فقیر محمد صاحب نے بٹگرام سے صوبائی اسمبلی کا الیکشن لڑا، آپ نے اس الیکشن میں بھر پور مقابلہ کیا لیکن اس میں کامیاب نہ ہو سکے۔

ٹھیکیداری

الیکش کے بعد پھر کچھ عرصہ تک تدریس کا سلسلہ جامعہ فرقانیہ میں جاری رکھا۔ اور پھر آپ نے تدریس کا کام چھوڑ کر بزنس کی لائن اختیار کر لی ۔اور اس کے لئے مولانا مرحوم کے ساتھ مل کر کشمیر میں جنگل خریدا۔لیکن اس میں کٹائی کی اجازت نہ مل سکی ،اس لئے کہ اس کے اصل کاغذات (لٹّھہ) دہلی میں تھا ،۔انہوں نے چوہدری بشیر ایڈوکیٹ مانسہرہ اور چوہدری راج محمد ایڈوکیٹ آزاد کشمیر یہ دونوں حضرات گوجر برادری سے تعلق رکھتے تھے ،ان دونوں حضرات کے ذریعہ چار پانچ سال تک کیس لڑا ،لیکن دہلی سے انہیں اصل لٹّھہ نہ مل سکا۔اس طرح اس کام میں کامیابی نہ ہوسکی۔

پھر آپ نے کوہستان کے علاقہ میں جنگلات لے کر کام شروع کیا۔اس میں بھی بار بار رکاوٹیں آتی رہیں۔ اور مقدمات بھی چلتے رہے ، اور ساتھ ساتھ کام بھی چلتا رہا۔اس دوران آپ نے کاغان ناران کے علاقے میں بھی جنگل خریدا تھا، اور ہوٹل کے لئے جگہ بھی ،بٹگرام میں بھی زمین خریدی۔

حکیم ملّت کے ساتھ تعلق

جب تک حکیم ملّت حضرت مولانا عبدالحکیمؒ حیات رہے، آپ کا تعلق مولانا کے ساتھ رہا۔اس لئے کہ مولانا آپ کے پھوپی زاد بھائی تھے۔ اور مولانا مرحوم ہی کے آپ تربیت یافتہ تھے۔ مدرسہ میں اہم ذمّہ داریاں بھی

نبھاتے رہے تھے۔ مولانا مرحوم نے جب مدرسہ کی بلڈنگ اور زمین مدرسہ کے نام وقف کی تو بطور گواہ کے آپ کا نام، چوہدری حاکم علی اور اس کے بیٹے کا نام دستاویز میں ڈلوایا تھا۔

مولانا مرحوم کی وفات کے بعد آپ نے تین دن تک سارے مدرسے اور تعزیت کے لئے آنے والے مہمانوں کے کھانے پینے کی ذمہ داری اپنے ذمّہ لے کر احسن طریقے سے اسے پورا کیا۔ ناظم مدرسہ جناب قاری محمد رزین صاحب مرحوم اور جناب قاری محمد یوسف صاحب مرحوم کے ساتھ ساتھ آپ کے شاگردوں میں سے قاری عبدالاکبر مرحوم، مولانا عبدالخالق چوہان، قاری شیخ محمد ہارون صاحب وغیرہ نے اس میں آپ کا ہاتھ بٹایا۔

آپ مولانا عبدالمجید صاحب کو ساتھ لے کر گئے اور مسجد کے منبر پر بٹھایا۔ بعد میں مدرسہ کے وقف کے بارے میں جب سوالات اٹھے تو آپ نے مولانا عبدالواحد صاحب مرحوم اور جناب قاری محمد رزین صاحب مرحوم اور قاری محمد یوسف صاحب مرحوم اور مولانا عبدالمجید صاحب ہزاروی کے سامنے وقف کی رسیدیں نکال کر دکھائیں۔ اوران سب حضرات کی موجودگی میں مولانا عبدالمجید صاحب کے حوالے کیں، اور اس طرح وقف کے بارے میں تمام شکوک وشبہات دور ہو گئے۔

گوشہ نشینی

1994ء تک آپ نے لکڑی کا کاروبار کیا اور پھر اس کام سے بھی کنارہ کشی اختیار کر لی۔ اور تنہائی و گوشہ نشینی کی زندگی بسر کرنے لگے۔

اس دوران آپ کا قیام آئی، ٹن، ٹو اسلام آباد میں مسجد شہداء کے قریب رہا۔ میں بھی اس زمانہ میں مسجد شہداء میں امامت اور خطابت کے فرائض انجام دے رہا تھا۔ میری ہی وساطت سے یہ مکانات کرایہ پر لئے گئے تھے۔ اوراس دوران مجھے ان کی خدمت کی سعادت حاصل رہی۔

آئی، ٹن، ٹو کے قیام کے دوران ہی ان کی اہلیہ اور ہماری چچی مرحومہ بیمار ہوئیں، ان کا رسولی کا آپریشن ہوا اور وہ جانبر نہ ہوسکیں اور 30 نومبر 1996ء مطابق ۱۹ رجب ۱۴۱۷ھ بروز اتوار 9 بجکر 30 منٹ پر خالق حقیقی سے جاملیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

بہت ہی نیک پارسا اور سادہ طبیعت کی مالک تھیں۔ اپنے بچوں کے ساتھ ساتھ قاری صاحب مرحوم نے

اپنے بھتیجوں اور بھتیجیوں کو اپنے گھر میں تعلیم دلوانے کے لئے ساتھ رکھا ہوا تھا، ان کی بھی پرورش کی ساری ذمّہ داریاں اٹھائیں۔اللہ غریق رحمت فرمائے۔

اہلیہ کے انتقال کے بعد چچا مرحوم رات دن قرآن کریم کی تلاوت اور ذکر و اذکار میں مشغول رہتے۔تہجد کے ساتھ ساتھ اشراق چاشت ،اوابین اور دیگر نوافل کی ادائیگی کی پابندی کرتے، اور کئی کئی مہینوں تک مسلسل روزے سے رہتے تھے۔ ہماری مسجد میں اعتکاف بھی فرمایا۔

ہم نے کوشش کی کہ وہ تنہائی کی زندگی سے نکلنے کے لئے دوسرا نکاح کر لیں لیکن وہ ہمیشہ ٹالتے رہے۔اللہ کا کرنا ایسا ہوا کہ اسلام آباد میں زور کی بارشیں ہوئیں، اور ان کی اہلیہ کی قبر کھل گئی ، جب ہم نے اس قبر کی نئے سرے مرمت کی تو ان کا جسم قبر میں بالکل تر و تازہ تھا۔اس کے بعد ہمیشہ فرماتے ،تمہاری چچی ہم سے نمبر لے گئی۔

اولاد

قاری صاحب کا ایک بیٹا اور دو بیٹیاں ہیں ،جبکہ ایک بیٹے کا بچپن ہی میں انتقال ہو گیا تھا۔ بیٹا مولانا عبدالرشید ہزاروی ماشاء اللہ حافظ قرآن اور عالم دین ہیں۔قرآن کریم کی گردان اور ابتدائی کتب مجھ سے پڑھیں اور پھر فیصل آباد جامعہ امدادیہ سے آپ نے درس نظامی کے علوم کی تکمیل کی۔اب راولپنڈی میں اپنے ذاتی مکان میں بمعہ اہل وعیال رہائش پذیر ہیں اور مسجد و مدرسہ چلا رہے ہیں۔ دین کی ترویج و اشاعت میں کوشاں ہیں ،اور اس طرح اپنے والد مرحوم کے لئے صدقہ جاریہ کا ذریعہ بنے ہوئے ہیں۔آگے ان کے بچے بھی دینی و دنیاوی دونوں علوم حاصل کر رہے ہیں۔قاری صاحب کی دونوں صاحبزادیاں بھی شادی شدہ ہیں اور ماشاء اللہ اپنے اپنے گھروں میں خوش حال ہیں۔

وفات

13 فروری 2003ء بروز جمعرات کو راولپنڈی میں حرکت قلب بند ہونے سے آپ کا انتقال ہوا اور 14 فروری کو آپ کا جنازہ گاؤں میں ہوا، اور آبائی قبرستان بھیڑ بالا میں مسجد کے بالکل سامنے آپ کی تدفین عمل میں لائی گئی۔اللہ انہیں غریق رحمت فرمائے۔کیا خوب انسان تھے۔

مولانا قاری شیخ محمد ہارون صاحب چوہان دامت برکاتہ

میری زندگی کے مختصر احوال

مولانا قاری شیخ محمد ہارون صاحب میرے ماموں زاد بھائی اور میرے بڑے ماموں غلام رسول کے بڑے بیٹے ہیں۔آپ اپنا سوانحی خاکہ یوں بیان فرماتے ہیں: میری ولادت حاجی غلام رسول رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں صم بانڈہ میں غالباً 1953ء میں ہوئی۔ بچپن کے تقریباً دس سال گاؤں میں ہی گزرے۔اس دوران ابتدائی دینی تعلیم گاؤں کی مسجد کے امام اور معلم حضرت نور استاذ (مولانا عبدالرزاق صاحب کے والد گرامی) سے حاصل کی۔ 1963ء کے موسم سرما میں والد مرحوم کے ساتھ پیدل سفر کر کے بٹل پہنچا، یہاں سے والد صاحب نے بس پر سوار کر کے راولپنڈی کے لیے الوداع کیا۔ جامعہ فرقانیہ مدنیہ راولپنڈی میں دونوں بڑے بھائیوں قاری محمد زرین مرحوم اور قاری محمد یوسف مرحوم کی زیر نگرانی اور حکیم ملت محسن قوم حضرت مولانا عبدالحکیم رحمہ اللہ کی زیر سرپرستی، ناظرہ قرآن کریم اور حفظ مکمل کیا، میرے حفظ کے اساتذہ میں میرے تیسرے مشفق بھائی ڈاکٹر عبدالغفور اجمل مرحوم کے علاوہ حافظ شیر زمان، قاری فقیر محمد چوہان اور حافظ فقیر محمد رحمہم اللہ شامل ہیں۔ جبکہ جامعہ ہی میں تجوید وقرات مولانا قاری عبدالمالک رحمہ اللہ سے پڑھی۔

درس نظامی کی ابتداء

درس نظامی کی ابتدا ام المدارس جامعہ العلوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن سے کرنے کی سعادت حاصل کی۔

درجہ اولیٰ تین ماہ بنوری ٹاؤن میں پڑھا جبکہ بقیہ سال مدرسہ دارالخیر، بکرا پیڑی میں مکمل کیا۔ آئندہ سال واپس جامعہ فرقانیہ آ گیا اور درجہ ثانیہ سے پڑھائی جاری رکھی۔

سفر حجاز مقدس

حضرت باباجی رحمہ اللہ اور اپنے بڑے بھائیوں کو حج وعمرہ کے سفر کے لیے کئی مرتبہ جاتے ہوئے دیکھتا تو دل میں شوق موجزن رہتا اور سوچتا کہ کیا کبھی مجھے بھی یہ سعادت حاصل ہو گی؟ اللہ اللہ کر کے بالآخر وہ دن بھی آ گیا جب اس شوق کی تکمیل کے تمام اسباب موافق ہو گئے یہ 1976ء کی بات ہے۔ یہ مبارک سفر دو سال پر محیط تھا اس

دوران دو مرتبہ حج بیت اللہ اور کئی مرتبہ عمرے کی سعادت حاصل کی۔ اپنے گزر بسر کے لیے چھوٹی موٹی محنت مزدوری بھی کی، دو سال بعد واپسی ہوئی۔

شادی خانہ آبادی

14 اپریل 1979ء کو میری شادی گاؤں میں سرانجام پائی۔ شادی کے بعد 15 دسمبر 1980ء کو کلیہ دعوۃ الاسلامیہ طرابلس (لیبیا) میں داخلہ مل گیا اور اللیسنس فی اللغۃ العربیہ والدراسات الاسلامیہ کے نام سے موسوم ڈگری جو بی اے کے مساوی ہے، 4 سال میں مکمل کی۔ اور حضرت بابا جی کی طلب پر جمعیۃ الدعوۃ نے میری تعیین بطور مدرس اللغۃ العربیہ جامعہ فرقانیہ مدنیہ میں کر دی۔

سفر حج

کلیہ الدعوۃ نے تعلیم کے اختتام پر مجھے سفری ٹکٹ کی پیشکش کی جس پر میں نے چند دن اٹلی اور فرانس کی سیر و سیاحت کی اور اس کے بعد حج بیت اللہ کے لیے حجاز مقدس وارد ہوا۔ اس سفر حج کی خاص بات یہ تھی کہ میرے محسن و مربی حضرت مولانا عبدالحکیم نور اللہ مرقدہ بھی حج کی غرض سے تشریف فرما تھے اور دیگر چند احباب کے ہمراہ یہ عظیم سعادت ایک مرتبہ پھر حاصل ہوئی والحمدللہ علی ذالک۔

درس وتدریس

جمعیۃ الدعوۃ الاسلامیہ لیبیا کی طرف سے میری تعیین جامعہ فرقانیہ مدنیہ میں بطور مدرس اللغۃ العربیہ کے ہو چکی تھی لہذا سفر حج سے واپسی پر جامعہ میں اپنی تدریسی خدمات پر مامور ہو گیا یہ 1985ء کی بات ہے۔ اور بفضل اللہ تعالیٰ یکم نومبر 2024ء کو میری تدریس کے 40 سال مکمل ہو گئے ہیں الحمد للہ۔ اس کے ساتھ ساتھ جامعہ میں مختلف دفتری، مالیاتی اور انتظامی خدمات کی سعادت بھی میرے شامل حال رہی۔

تدریب المعلّمین کورس

1986ء میں جامعہ فرقانیہ مدنیہ کی طرف سے کنگ سعود یونیورسٹی سعودی عرب، 6 ماہ کے تدریب المعلمین کورس کے لیے جانا ہوا۔ ایم اے عربی قاری محمد زرین صاحب کے ہمراہ پشاور یونیورسٹی سے 1989ء میں ایم اے عربی کا امتحان اچھے نمبرات کے ساتھ پاس کیا۔

دعوتی اور رفاہی سرگرمیاں

چونکہ جمعیۃ الدعوۃ الاسلامیہ لیبیا کی طرف سے تدریس کے ساتھ ساتھ دعوتی اور رفاہی خدمات کی ذمہ داری بھی شامل تھی تو وقتاً فوقتاً یہ سلسلہ بھی جاری رہا۔ رفاہی خدمات میں پورے ملک میں طلبہ مدارس دینیہ کے ساتھ مختلف طریقوں سے تعاون کرنا مثلاً رمضان المبارک اور قربانی کے مواقع اسی طرح کتب اور لائبریری اور پانی وغیرہ کی سہولیات مہیا کرنا، اسی طرح ملک کے طول وعرض میں آسمانی آفات جیسے سیلاب اور زلزلہ وغیرہ کے مواقع پر عام لوگوں کی ہر ممکن خدمت کرنا۔ اس کے علاوہ ملک نیپال میں سالہا سال تک رمضان المبارک میں مسلمانوں کے لیے سحر و افطار کا انتظام وہاں جا کر کرنے کی سعادت حاصل رہی۔

منسق الدعات

تقریباً 15 سال تک پاکستان، افغانستان اور بنگلہ دیش میں شریک عمل جمعیۃ الدعوۃ کے تمام حضرات کے انتظامی امور کی نگرانی میرے سپرد رہی جس کے لیے تقریباً روزانہ ہی دفتر جمعیۃ الدعوۃ اور لیبیا کے سفارتخانہ جانا ہوتا۔

اندرون و بیرون ملک اسفار

اندورن ملک دور دراز شہروں چترال، گلگت، کوئٹہ، کراچی، بالا کوٹ، ناران کوہستان وغیرہ میں بار بار رفاہی اور دعوتی مشن پر جانے کا موقع ملا۔

جبکہ جمعیۃ الدعوۃ کی طرف سے مختلف مواقع پر دنیا کے متعدد ممالک کا سفر کرنے کا اتفاق ہوا۔ ایشیاء میں: انڈونیشیا، ملائشیا، سری لنکا، تھائی لینڈ، نیپال اور مالدیپ عرب ممالک میں متحدہ عرب امارات، سعودی عرب، اردن اور شام، افریقہ میں: مالی، موریطانیہ، لیبیا، چاڈ، نائجر اور تیونس جبکہ یورپ میں فرانس، اٹلی اور جزیرہ مالٹا کے اسفار شامل ہیں۔

شیخ صاحب کے دو بیٹے ہیں بڑے بیٹے مولانا محمد طیب ہارون عالم دین ہیں، اور خطابت و امامت کے ساتھ ساتھ جامعہ فرقانیہ میں تدریس کی خدمات بھی انجام دے رہے ہیں جبکہ چھوٹے بیٹے اسداللہ ہارون فیڈرل گورنمنٹ منسٹری آف کامرس اسلام آباد میں بطورِ اسسٹنٹ اکاؤنٹنٹ ملازمت کر رہے ہیں۔

قاری محمد الیاس چوہان زید مجدہٗ

قاری محمد الیاس صاحب چوہان کی پیدائیش گاؤں سم بانڈہ میں محمد شاہ مرحوم کے ہاں غالباً 1958ء میں ہوئی۔ابھی آپ کی عمر دو تین مہینے کی تھی کہ والد کا سایہ سر سے اُٹھ گیا، والد صاحب کے انتقال کے بعد آپ کی اور آپ کی بڑی بہن کی پرورش آپ کی دادی مرحومہ جو"ابائی" کے نام سے مشہور تھیں نے کی،اور آپ کی ابتدائی زندگی زیادہ تر دادی کی پاس ہی گزری۔

حفظ و ناظرہ قرآن کریم کی تعلیم

آٹھ یا نو سال کی عمر میں تعلیم حاصل کرنے کے لئے گھر سے دادی نے بھائی ہاشم علی صاحب کے ساتھ بھیجا جو آپ کو لے کر بٹل تک پیدل آئے۔اس زمانہ میں بٹل سے آگے سڑک نہ ہونے کی وجہ سے ٹرانسپورٹ کا سلسلہ نہیں تھا۔بٹل میں مولانا عبدالخالق صاحب چوہان گھٹ سیریوں والے سے ملاقات ہوئی جو راولپنڈی آرہے تھے۔ ہاشم علی بھائی نے اپنے چھوٹے بھائی قاری عزیز الرحمٰن صاحب اور آپ کو مولانا عبدالخالق صاحب کی معیت میں راولپنڈی بھیج دیا۔مولانا عبدالخالق صاحب نے آپ دونوں کو بوہڑ بازار راولپنڈی میں مولانا عبدالحق صاحب کے ہاں پہنچا دیا۔

اگلی صبح مولانا عبدالحق صاحب نے قاری عزیز الرحمٰن صاحب کو اپنے ہاں رکھ لیا، اور قاری الیاس صاحب کو لالہ آباد موجودہ خیابان سرسید میں مولانا عبدالخالق صاحب مرحوم کی مسجد میں بھیج دیا۔آپ نے نورانی قاعدہ لالہ آباد مسجد میں شروع کیا۔اور قاعدہ ختم کرنے کے بعد آخری دو سپارے قاری عبدالشکور صاحب بھیڑ والوں سے حفظ کئے۔

ایک سال وہاں گزارنے کے بعد آپ نے بوہڑ بازار مولانا عبدالحق صاحب کے مدرسہ میں داخل ہو کر پچیس سپارے قاری عبدالمالک صاحب جبوڑی والوں سے حفظ کئے۔

اس کے بعد آپ کے استاد قاری عبدالمالک صاحب کو تدریس کے لئے جامعہ فرقانیہ مدنیہ میں جگہ مل گئی اور قاری الیاس صاحب بھی ان کے ساتھ ہی جامعہ فرقانیہ چلے گئے اور جامعہ فرقانیہ میں 1974ء میں آپ نے قاری

عبدالمالک صاحب جبوڑی والوں سے تکمیل حفظ قرآن کریم کی۔ آپ کے ساتھ حفظ مکمل کرنے والے ساتھیوں میں قاری عزیز الرحمٰن صاحب، قاری محمد یونس صاحب اور قاری محبوب جبوڑی والے تھے ان سب نے ایک ساتھ قرآن کریم مکمل کیا۔

☆ حفظ قرآن کریم کے بعد آپ لاہور چلے گئے جہاں جامعہ نعیمیہ میں داخلہ لے کر حافظ سراج الدین صاحب سے قرآن کریم کی ایک سال تک گردان کی۔

درس وتدریس

جامعہ نعیمیہ میں قرآن کریم کی گردان پوری کرنے کے بعد آپ کراچی چلے گئے۔ اور وہاں فرنٹیئر کالونی کراچی میں سیڑھی بابا مسجد میں تین سال 1979ء تک تدریس کے فرائض سرانجام دیتے رہے۔

تجوید وقرأۃ

۱۹۷۹ء میں کراچی سے واپسی پر جامع مسجد بوائز لائن چکلالہ میں قاری عبدالشکور صاحب کے ساتھ بطور نائب امام اور مدرس کے فرائض سرانجام دینے شروع کئے، اور ساتھ ہی ساتھ جامعہ فرقانیہ مدنیہ میں تجوید وقرأۃ میں داخلہ لے کر قاری عبدالمالک صاحب سے تجوید پڑھی۔

درس نظامی

قاری عبدالمالک صاحب سے تجوید پڑھنے اور سند فراغت لینے کے بعد جامعہ فرقانیہ ہی میں درس نظامی میں داخلہ لے کر ثالثہ تک کتابیں پڑھیں، پھر ایک سال ورکشاپی محلہ میں پڑھا۔ اور ساتھ ہی ساتھ جامع مسجد عشرہ مبشرہ بوائز لائن چکلالہ میں امامت اور تدریس کے فرائض بھی سرانجام دیتے رہے۔

سرکاری ملازمت

بعد میں یہی جامع مسجد عشرۂ مبشرہ ایک سرکاری ادارہ کی تحویل میں چلی گئی اوقاری صاحب موصوف بھی بطور امام و مدرس یکم جنوری 1987ء کو سرکاری ملازم ہو گئے۔

سرکاری ملاز بن جانے کے بعد دفتری پابندیوں کی وجہ سے آپ درس نظامی کی تعلیم کا سلسلہ جاری نہ رکھ سکے اور اس طرح درس نظامی کی تکمیل نہ ہوسکی۔ اسی مسجد سے 2012ء میں آپ نے ریٹائیرمنٹ لی۔

ریٹائیرمنٹ کے بعد آپ نے اپنے بھائی مولانا ضیاء الحق مرحوم کے قائم کردہ ادارہ جامعہ ضیاء القرآن گُلبہار کالونی میں تدریس کا آغاز کیا۔اورتا ہنوز جامعہ ضیاء القرآن میں تدریس کے ساتھ ساتھ بطور نائب مہتمم فرائض سرانجام دے رہے ہیں۔

شادی خانہ آبادی

قاری صاحب کی شادی خانہ آبادی 1979ء میں حاجی محمد اکرام مرحوم کی بیٹی اورآپ کی پھو پی زاد بہن رقیہ کے ساتھ گاؤں میں ہوئی۔جن سے الحمدللہ آپ کے دو بیٹے اور پانچ بیٹیاں ہیں۔بڑا بیٹا عبید الرحمٰن حافظ قرآن ہونے کے ساتھ ساتھ بی،ایڈ،بھی ہیں۔اور ایک ادارہ ،ایم،آئی،اے میں بطور اسسٹنٹ منیجر خدمات سرانجام دے رہے ہیں۔جبکہ چھوٹا بیٹا جمیل الرحمٰن نے ایف،اے کرنے کے بعد اپنا کاروبار شروع کر رکھا ہے۔بیٹیاں سب شادی شدہ ہیں۔اور قاری صاحب نے انہیں دینی اور دنیاوی دونوں تعلیموں سے روشناس کرر کھا ہے۔

دعوتی اور رفاہی کام

قاری صاحب الحمدللہ ایک مخلص انسان ہیں،بہترین صفات کے مالک،خوش اخلاق،امانت داراور راست گو ہیں۔دل میں کسی کے لئے کینہ نہیں رکھتے،ہرکسی کے لئے دعاء گو اور ہرایک کی خدمت کے لئےحتی المقدور ہر وقت تیار رہتے ہیں۔اور ہرطرح کے دعوتی اور رفاہی کاموں میں اپنا حصّہ ڈالتے رہتے ہیں۔برادری کے لئے بھی آپ کی خدمات قابل قدر ہیں۔

سفرحجاز

چند سال قبل قاری صاحب کو اللہ تعالیٰ نے عمرے کی سعادت بھی نصیب فرمائی،اورآپ نے بمعہ اہلیہ کے عمرے کا سفر فرمایا۔رب العالمین سے دعاء ہے کہ وہ صحت و عافیت کے ساتھ دین متین کی خدمت کرتے رہیں۔

مولانا عبداللہ جان رحمۃ اللہ علیہ

مولانا عبد اللہ جان مرحوم غالباً 1914ء میں بھیڑ بالا کے مضافات میں عبد السبحان چوہان کے ہاں پیدا ہوئے۔ سات آٹھ سال کی عمر تھی کہ والد کا سایہ سر سے اُٹھ گیا۔ آپ کے اپنے سگے چچا بھی نہیں تھے اس لئے والد صاحب کے چچیروں کی کفالت میں رہنے لگے۔

حفظ وناظرہ قرآن کریم

حصول تعلیم کے لئے گھر سے نکلنے کا سبب یہ بنا کہ جب آپ کی عمر تقریباً 12 سال کی تھی، اور گھاس کاٹنے کے دن تھے اور ہاشری چچاؤں کی زمین پر گھاس کاٹ رہے تھے۔ آپ ہاشریوں کے لئے کھانا لیجا رہے تھے کہ راستہ میں ٹھوکر لگنے کی وجہ سے گر پڑے اور کھانا ضائع ہو گیا۔ سر پر والد کا سایہ نہیں تھا، یتیم تھے اس لئے آپ مار کھانے کے خوف کی وجہ سے وہیں سے بھاگ کھڑے ہوئے، اور اپنی خالہ غلام رسول ماموں کی والدہ اور میری نانی کے گھر چلے گئے۔ رات وہاں گزاری۔ تو دوسرے دن خالہ نے مشورہ دیا کہ کب تک تم ان لوگوں کی خدمت کرتے رہو گے، اور مار پیٹ کے خوف سے بھاگتے رہو گے، اس لئے کہ اس سے قبل بھی اس طرح کا واقعہ پیش آچکا تھا۔

خالہ نے آپ کو کچھ پیسے دیئے اور ایک مرغی دی کہ اس کو بیچ کر یہاں سے نکل جاؤ اور جا کر تعلیم حاصل کرو۔ آپ وہاں سے حصول تعلیم کے لئے نکل کھڑے ہوئے اور ٹانڈہ گاؤں کی ایک مسجد میں آپ نے قیام کیا، یہاں ناظرہ قرآن کریم پڑھا، کچھ سپارے حفظ کئے اور ابتدائی کتابیں بھی یہیں پڑھیں۔

سیام یعنی تھائی لینڈ کا سفر

آپ جس استاد سے تعلیم حاصل کر رہے تھے ان کا ایک بیٹا اور بھتیجا اُن دنوں سیام (یعنی تھائی لینڈ) میں ہوتے تھے، اور ہاں کام کاج کیا کرتے تھے۔ (تھائی لینڈ کے معنی ہیں آزاد لوگوں کے رہنے کی جگہ اس ملک کا تاریخی نام سیام ہے یہ ملک تاریخ میں کبھی بھی کسی اور قوم کا غلام نہیں بنا۔ بینکاک اس کا دار الحکومت اور سب سے زیادہ آبادی والا شہر ہے۔ اس کے شمال میں میانمار (برما) اور لاؤس واقع ہیں اور مشرقی جانب کمبوڈیا اور لاؤس،

جنوبی طرف تھائی لینڈ اور ملائیشیا کی خلیج واقع ہے اور مغرب میں انڈیمان سمندر واقع ہے۔)

آپ کے استاد کے بیٹے اور بھتیجے نے آپ کو مشورہ دیا کہ تم سیام آجاؤ۔ آپ کے دل میں بھی یہ چاہت پیدا ہوئی اور اپنے لئے لاہور کا کرایہ پیدا کر کے لاہور چلے گئے۔ لاہور جانے کے بعد سیام جانے کی تیاری شروع کر دی اور کرایہ اور راستے کے اخراجات کے لئے محنت مزدوری کرتے رہے اور ٹانگہ وغیرہ بھی چلاتے رہے۔ اور جب سیام جانے کے لئے پیسے پورے ہو گئے تو آپ سیام چلے گئے۔ سیام پہنچ کر وہاں آپ نے ایک دوکان پر کام کرنا شروع کر دیا۔ کچھ عرصہ وہاں کام کرتے رہے۔ دوکان کے مالک نے آپ کو اپنی بیٹی کے ساتھ شادی کی پیش کش بھی کی، لیکن شرط ایسی رکھی جو آپکو قبول نہیں تھی، اس لئے آپ نے یہ شادی نہیں کی۔

دہلی کا سفر

کچھ عرصہ سیام میں کام کرنے کے بعد آپ وہاں سے دہلی چلے گئے۔ دہلی جانے کے بعد آپ نے پھر سے دینی علوم مختلف مدارس میں حاصل کرنے شروع کر دیئے۔ صبح کے وقت جا کر درس لیتے اور پھر واپس آ کر پھیری لگاتے اور منیاری کی مختلف چیزیں فروخت کرتے رہتے۔ چھ سات سال دہلی میں گزارنے اور مختلف فنون میں علم حاصل کرنے کے بعد ابھی دورہ نہیں کیا تھا کہ پاکستان بن گیا اور آپ دوبارہ پاکستان واپس لوٹ آئے اور بجنہ کے مقام میں آ کر رہائش اختیار کر لی۔ بجنہ میں آپ نے گروسری کی چھوٹی سی دوکان بھی شروع کر لی اور یہیں پھر ساتھ ساتھ حدیث کی آخری کتابیں خان استاد اور مولانا حضرت احمد استاد سے پڑھیں۔

شنکیاری میں رہائش اور شادی خانہ آبادی

پھر آپ بجنہ سے شنکیاری منتقل ہو گئے۔ اور کرایہ کا مکان لے کر آپ نے یہیں شادی کر لی۔ پہلی اہلیہ سے اولاد نہ ہونے کی وجہ سے آپ نے دوسری شادی کر لی۔ اور دوسری شادی کے سال ڈیڑھ کے بعد پہلی اہلیہ کا انتقال ہو گیا۔ دوسری اہلیہ سے اللہ نے آپ کو ایک بیٹا اور ایک بیٹی عطا کیں، مگر ان دونوں کا بچپن ہی میں انتقال ہو گیا۔

اس دوران اُکھڑیلا سے تعلق رکھنے والے محمد امین کے والد جو عالم دین تھے اور اکھڑیلا میں امام مسجد تھے۔ اُن کا مولانا عبداللہ جان مرحوم سے اچھا تعلق تھا، وہ آپ کے لئے جلانے کے لئے لکڑیاں وغیرہ بھی لاتے تھے، گھر میں آنا جانا تھا، جمعہ کی نماز کی ادائیگی کے لئے جب آتے تو دوپہر کا کھانا اکثر آپ کے ہاں ہوتا تھا۔ انہوں

نے آپ سے ازخود فرمائیش کی کہ میری ایک بیٹی ہے اور میں چاہتا ہوں کہ آپ اس سے نکاح کر لیں۔ آپ نے ان سے کہا کہ آپ جانتے ہیں کہ میں شادی شدہ ہوں، اور میری والدہ کی طبیعت بھی ذرا سخت ہے، آپ ان کے لئے کہیں اور رشتہ تلاش کر لیں۔ لیکن ان کے اصرار پر آپ شادی کے لئے راضی ہو گئے۔ اور ان کی بیٹی سے بھی آپ نے تیسری شادی کر لی۔

اولاد

اس تیسری اہلیہ سے اللہ نے آپ کو ایک بیٹا عطا فرمایا، لیکن کچھ عرصہ کے بعد اس کا انتقال ہو گیا۔ اور کچھ سالوں کے بعد اس تیسری اہلیہ کا بھی انتقال ہو گیا۔

دوسری اہلیہ سے آپ کے تین بیٹے اور پانچ بیٹیاں ہیں، جب کہ ایک بیٹے اور ایک بیٹی کا بچپن ہی میں انتقال ہو گیا تھا۔ آپ کے بڑے بیٹے کا نام بابو عنایت الرحمٰن ہے۔ اچھے نیک اور دین دار آدمی ہیں۔ دینی علوم بھی حاصل کئے ہیں، اور جماعت کے ساتھ بھی وقت لگاتے رہتے ہیں۔ اور شنکیاری میں گزر اوقات کے لئے اپنا چھوٹا موٹا کاروبار بھی کرتے رہتے ہیں۔ بابو صاحب کے تین بیٹے ہیں جو ان کے کاموں میں ان کا ہاتھ بٹاتے رہتے ہیں۔

قاضی ہدایت الرحمٰن

دوسرے بیٹے کا نام قاضی ہدایت الرحمٰن ہے۔ آپ نے بھی ابتدائی عمر میں مدارس دینیہ میں تعلیم حاصل کی ہے۔ والد صاحب کے انتقال کے بعد زیادہ تر کاموں کی ذمّہ داری آپ ہی کے کندھوں پر ہے۔ قاضی صاحب علاقہ میں اچھی شہرت رکھتے ہیں۔ اور سیاست میں ان کی خاص دلچسپی ہے۔ سردار محمد یوسف صاحب کے ساتھ شروع سے وابستہ رہے ہیں۔ اور سردار صاحب کے بیٹے سردار شاہ جہان یوسف، سابق ایم، این، اے و وزیر مملکت کے پرسنل سیکرٹری رہے ہیں۔ علاقے اور برادری کے لئے ان کی قابل قدر خدمات ہیں۔

قاضی صاحب کے ماشاء اللہ چھے صاحبزادے ہیں۔ بڑا بیٹا خالد قاضی کنسٹریکٹر ہے۔ دوسرے بیٹے قاضی ایاز الرحمٰن عالم دین ہیں جو دینی تعلیم کی اکیڈمی چلا رہے ہیں۔ اور تیسرے بیٹے قاضی سیف الرحمٰن بھی عالم دین

ہیں، اور اسی اکیڈمی سے وابستہ ہو کر قرآن کریم کی تعلیم دے رہے ہیں۔ چوتھا بیٹا قاضی عبید الرحمٰن انجنیئر ہے جو سعودی عرب میں ایک کمپنی میں ملازمت کر رہا ہے۔ پانچواں بیٹا قاضی حماد الرحمٰن نے بھی ہزارہ یونیورسٹی سے مینجمنٹ سائنس میں ڈگری حاصل کی ہوئی ہے۔ اور اس وقت انگلینڈ میں رہائش پذیر ہے۔ جبکہ چھوٹا بیٹا عبد اللہ جان ابھی زیر تعلیم ہے۔

مولانا عبد اللہ جان مرحوم کے تیسرے بیٹے کا نام محمد آصف اقبال ہے۔ جو شنکیاری ہی میں اپنے کام کاج کرتے ہیں۔ سادہ طبیعت کے مالک منکسر المزاج ہیں۔ آپ کے بچے ابھی زیر تعلیم ہیں۔ مولانا عبد اللہ جان مرحوم کی پانچوں بیٹیاں اچھے دیندار گھرانوں میں بیاہی ہوئی ہیں، اور آگے ان کے بچے بھی الحمد للہ حفاظ، علماء اور قراء ہیں، اور زندگی کے مختلف شعبوں سے وابستہ ہیں۔ ان کی چوتھے نمبر کی بیٹی میری اہلیہ ہیں۔

تجارت و کاروبار

مولانا مرحوم کا ذہن شروع سے ہی کاروبار کی طرف راغب تھا، اور دہلی میں بھی تعلیم کے ساتھ ساتھ آپ پھیری لگا کر مختلف چیزیں فروخت کر کے اپنا گزر اوقات کرتے تھے۔ ہندوستان سے لوٹنے کے بعد جب آپ نے بجنہ میں رہائش اختیار کی تو ساتھ ہی گروسری کی ایک چھوٹی سی دوکان بھی ڈال لی۔ اور جب بجنہ سے شنکیاری منتقل ہوئے تو آپ نے مستقل بنیادوں پر پنسار کا کام شروع کر دیا اور شنکیاری مین بازار میں دوکان کھول لی۔

اسی کاروبار سے پھر آپ نے پلاٹ بھی خریدے، مکان بھی بنائے اور اللہ نے آپ کے اس کاروبار کو خوب چمکایا۔ ساری عمر پنسار کے کاروبار سے ہی منسلک رہے۔ اور اب بھی شنکیاری اڈہ میں ان کے بچوں کے پاس ایک مارکیٹ موجود ہے۔ کاروبار میں ترقی کی وجہ سے آپ کو حاسدین کے حسد کا بھی سامنا کرنا پڑا۔ اور مقدمہ بازی تک بھی نوبت آتی رہی۔

وفات

آخری عمر میں آپ کافی عرصہ تک بیماری کی وجہ سے صاحب فراش رہے، اور بروز جمعہ 2، جولائی 1993ء مطابق 11، محرم الحرام ۱۴۱۳ھ میں آپ اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔

انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مولانا عبدالوہاب چوہان حفظہ اللہ

مولانا عبدالوہاب چوہان کی پیدائیش گاؤں جوز میں حاجی محمود صاحب کے ہاں غالباً 1964ء میں ہوئی۔ دس سال کی عمر میں والد صاحب نے تعلیم کے لئے گھر سے نکالا، یہ غالباً 1974 کے اوائل کی بات ہے جب میں بھائی جان قاری محمد داؤد صاحب کے ساتھ کھلابٹ ٹاؤن شپ ہری پور میں تعلیم حاصل کر رہا تھا کہ آپ بھی بھائی صاحب کی معیت میں وہاں آئے۔

ابتدائی تعلیم

ابتدائی تعلیم آپ نے ہری پور میں حاصل کی اور قاعدہ اور آخری دو سپارے حفظ کئے تھے کہ بیمار ہو گئے اور بیماری کی وجہ سے واپس گاؤں جانا پڑا۔ 1976ء میں دوبارہ آپ اور مولانا محمد موسیٰ شاکر حصول تعلیم کے لئے نکلے اور کچھ عرصہ حویلیوں کے ایک گاؤں میں تعلیم حاصل کرنے کے بعد بھائی جان قاری محمد داؤد صاحب کی معیت میں راولپنڈی چلے آئے۔ جامعہ فرقانیہ میں داخلے بند ہو چکے تھے، اس لئے قاری داؤد صاحب نے انہیں اپنے بھائی کے ساتھ لال کوارٹر اسلام آباد مدرسہ شاہ فیصل میں داخل کر دیا۔

ایک سال وہاں گزارنے کے بعد آپ نے جامعہ فرقانیہ درجۂ حفظ میں داخلہ لے لیا، اور اور 1979ء میں حفظ قرآن مکمل ہوا۔ قرآن کریم مکمل کرنے والے ہم کلاس ساتھیوں میں عبدالرحمٰن جامی، مولانا عبدالحمید صابری مرحوم، اور قاری زرین صاحب تھے۔

درس نظامی

درس نظامی کی ابتداء آپ نے مدرسہ عربیہ ایف سکس فور اسلام آباد سے کی۔ دو درجے وہاں پڑھنے کے بعد، کچھ عرصہ جامعہ فرقانیہ مدنیہ میں پڑھا، اور پھر تین سال تک ذیشان کالونی ویسٹرج ڈھوک چوہدریاں میں مولانا عبدالجلیل صاحب کے مدرسہ میں موقوف علیہ تک تعلیم حاصل کی۔ اور 1990ء میں دورۂ حدیث کے لئے آپ نے جامعہ علوم شرعیہ بکری چوک راولپنڈی میں داخلہ لیا۔ اور درجہ عالمیہ کا امتحان دے کر درس نظامی کی تکمیلی سند حاصل کی۔

جماعت کے ساتھ وقت

تکمیل درس نظامی کے بعد آپ نے میرے ساتھ تبلیغی جماعت کے ساتھ چلّہ لگایا۔ چلّہ لگانے کے بعد آپ واپس آ گئے، جب کہ میں (محمد موسیٰ شاکر) نے چار ماہ جماعت کے ساتھ لگائے۔

درس وتدریس

چلّہ سے واپسی پر آپ بطور پیش امام ابراہیم لساں کھوٹہ چلے گئے۔ اور وہاں کچھ عرصہ تک بطور پیش امام اور مدرس کے خدمات انجام دیتے رہے۔ اس دوران آپ نے سرکاری سکول میں عربی ٹیچر کے لئے درخواست جمع کر رکھی تھی، اس سلسلہ میں ایبٹ آباد آپ امتحان دینے گئے، اور پھر وہیں حویلیاں بانڈہ صاحب خان میں آپ کو امامت وخطابت وتدریس کے لئے جگہ مل گئی اور آپ نے 1992ء تک وہاں امامت اور خطابت کے فرائض انجام دیئے۔

حجاز مقدس کا سفر

1992ء میں آپ دلّہ کمپنی کے ویزے پر مکّہ مکرمہ چلے گئے، اور عمرہ کی سعادت حاصل کرنے کے بعد حرم مکّی میں خدّام حرم کے ساتھ زمزم پلانے اور دیگر خدمات میں مشغول رہے۔ اس دوران اللہ نے آپ کو حج کی سعادت بھی نصیب فرمائی۔ والد صاحب کو بھی 1994ء میں حج کرایا۔ اور جون 1995ء تک حرم مکّی میں خدمات سر انجام دینے کے بعد واپس پاکستان آ گئے۔

گلبہار کالونی

پاکستان واپسی کے بعد مولانا محمد ضیاء الحق مرحوم کے ساتھ مل کر گلبہار کالونی میں مدرسہ کی بنیاد رکھی۔ مولانا مرحوم نے مدرسہ کے لئے جگہ خریدی، اور آپ معاون کے طور پر ان کے ساتھ رہے۔ مدرسہ کے ساتھ ہی مسجد کے لئے پلاٹ بھی کسی اللہ والے نے وقف کر دیا اور آپ نے اس پلاٹ پر نمازیں شروع کر دیں۔

شاہ خالد کالونی میں بھی مولانا ضیاء الحق مرحوم کی عدم موجودگی میں کام کرتے رہے۔ اللہ نے فضل فرمایا، گلبہار کالونی میں مدرسہ بھی قائم ہو گیا۔ اور آپ 2005ء تک مدسہ میں بطور ناظم کے کام کرتے رہے۔ اور پھر آپ نے تعمیر مسجد کی طرف توجہ دی جس کی الحمد للہ اب ایک منزل تیار ہو گئی ہے۔ آپ تا ہنوز اسی مسجد میں امامت

وخطابت کے فرائض انجام دے رہے ہیں۔اور مسجد کے قریب ہی پلاٹ خرید کر اس پر اپنا مکان بنایا جہاں آپ اپنی فیملی کے ساتھ رہائش پذیر ہیں۔

والد صاحب کا انتقال

مولانا عبد الوہاب چوہان کے والد گرامی حاجی محمود صاحب بڑی نفیس طبیعت کے مالک تھے۔ پانچ وقتہ نمازی وتہجد گزار تھے۔اور جوز کی مسجد میں جا کر با جماعت نماز ادا کرتے تھے۔جب بھی فارغ وقت ملتا آپ قرآن کریم لے کر بیٹھ جاتے اور تلاوت قرآن متوسط جہری آواز میں فرماتے رہتے تھے۔صوم وصلوٰۃ کے پابند اور ذکر و اذکار میں مشغول رہتے تھے۔اللہ نے 1994ء میں حج کی سعادت نصیب فرمائی۔نیک اولاد سے نوازا۔ 2011ء کو جان جان آفرین کے حوالے کر دی۔اللّٰھم اغفرلہٗ وارحمہٗ ۔

اولاد

مولانا عبد الوہاب چوہان کے تین بیٹے ہیں۔تینوں بیٹوں کو آپ نے تعلیم دلوائی ہے۔ بڑا بیٹا احسان اللہ Ministry of Heritage اسلام آباد میں سرکاری ملازم ہے۔

دوسرا بیٹا مولانا انعام اللہ عالم دین ہے ، اور آپ کی عدم موجودگی میں مسجد فاروق اعظم میں امامت و خطابت کی ادائیگی اس کے ذمّہ ہے، اور ساتھ ہی تجارت کے لئے دوکان بھی ڈالی ہوئی ہے۔

چھوٹا بیٹا امین اللہ نے ایف اے کیا ہوا ہے اور نیم سرکاری ادارے پاکستان تھلسمیہ ویلفئیر سوسائیٹی میں آئی، ٹی اسسٹنٹ کے طور پر کام کر رہے ہیں۔اور ملازمت کے ساتھ ساتھ ٹیک اوے بھی کھولا ہوا ہے۔چار بیٹیاں ہیں جن میں سے تین شادی شدہ ہیں۔

مولانا حضرت عمر چوہان رحمۃ اللہ علیہ

مولانا حضرت عمر چوہان کی ولادت حضرت جی چوہان کے ہاں توت ڈنہ میں ہوئی۔آپ مولانا حضرت نور کے بھتیجے تھے۔آپ نے ابتدائی تعلیم اپنے چچا محترم مولانا حضرت نور رحمۃ اللہ علیہ سے حاصل کی، اور مزید تعلیم کے لئے علاقائی رواج و دستور کے مطابق مختلف دینی درس گاہوں میں رہے۔جہاں بھی کسی ماہرفن عالم دین کا سنتے وہاں پہنچ کر اپنی علمی پیاس بجھاتے۔

مختلف علوم وفنون کی تحصیل کے بعد اس وقت کے امیر المؤمنین فی الحدیث حضرت مولانا نصیر الدین غورغشتی محشی مشکوٰۃ کا سنا تو ان کے درس حدیث میں شمولیت کے لئے علاقہ چھچھ پہنچ گئے۔

شیخ الحدیث حضرت مولانا نصیرالدین غورغشتیؒ

یہاں میں برکت کے طور پر حضرت شیخ کا مختصر سا تذکرہ کروں گا۔شیخ المشائخ، استاد العلماء، حاملِ نوائے شریعت، عالمِ اسرارِ طریقت، عالمِ باعمل، حبیرِ بے بدل، رونقِ دوراں، شفیقِ اہلِ زماں، زبدۃ العلماء، سرتاج اولیاء، مخدومِ جہاں، شیخ القرآن والحدیث حضرت مولانا العلامہ نصیر الدین غورغشتویؒ علاقہ چھچھ ضلع (اٹک) کا نام نامی و اسم سامی ایسا نہ تھا جس سے اہلِ ملک ناآشنا ہوں۔

شیخ الحدیث حضرت مولانا نصیرالدین غورغشتیؒ بہت بڑے عالم دین تھے، آپ نے حدیث کی مستند کتاب مشکوٰۃ شریف کا حاشیہ لکھا۔ ان کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ انھوں نے دورہ حدیث یعنی حدیث کی تعلیم پشتو زبان میں پہلی بار شروع کی جس سے پشتونوں کے لئے دین کی سمجھ بہت ہی آسان ھوگئی اور ہزاروں پشتون عالم دین بنے اور انھوں نے مزید آگے اس سلسلے کو پھیلایا۔آپ کو یہ بات بڑی پسند تھی کہ پٹھانوں کو پشتو زبان میں خطاب کیا جائے۔حضرت شیخؒ ظاہری و باطنی علوم و معارف سے آراستہ تھے۔عوامی نگاہ میں وہ ایک بہت بڑے عالم تھے۔ تشنگانِ علوم کی نظر میں وہ ایک اعلیٰ مدرس اور بلند پایہ شیخ الحدیث تھے۔اور اربابِ معانی ان سے سلسلہ نقشبندیہ کے فیوض و برکات کے آبدار موتیوں سے جھولیاں بھرتے رہے۔دور دراز کے کتنے ہی فارغ التحصیل علماء ان سے وابستہ ہوکر منازلِ سلوک طے کرتے رہے۔مگر باوجود ان مشاغل کے آپ پر جذبہ جہاد غالب تھا۔ جب کسی باطل کے

مقابلہ کا وقت آتا، آپ سب سے پہلے میدان میں آکر سینہ سپر ہوجاتے۔

حضرت شیخؒ کو اللہ تعالیٰ نے معتدل طبیعت بخشی تھی۔ اعتدال اور قصد السبیل کی نعمت سے نوازا تھا، اور اسی لیے تمام صلحاء اور عوام یکساں آپؒ کی عزت کرتے اور آپ سے فائدہ اٹھاتے رہے۔

علمائے چھچھ اور آپؒ کا مقام:

علاقہ چھچھ: سرحد و پنجاب میں علم کا گھر تھا، یہاں زمانہ دراز تک مختلف مقامات پر علومِ شرعیہ عربیہ کے درس جاری رہے۔ شاید پاکستان و ہندوستان کا کوئی بھی خطہ ایسا نہ ہوگا جو اتنا محدود ہو کر ہزاروں طلبہ اور علماء کا مسکن ہو۔ طالبانِ علم کے لیے اس خطہ میں کشش تھی۔ یہاں کے امیر و غریب مسلمان بھی علم دوست اور دینداری میں ناواقفیت کی وجہ سے یہاں کے اجل علماء سے گو کم واقف ہوں، مگر غورغشتی کی شہرت تھی۔ یہاں حضرت مولانا قطب الدین صاحبؒ ایک عالمِ اجل تھے، ان کا درس بھی مشہور تھا اور ساتھ ہی حضرت شیخؒ کا درسِ حدیث تھا، جو دورہِ حدیث کے نام سے مشہور تھا۔ کم و بیش ایک صد شائقین کلامِ نبوی ﷺ ہر سال یہاں سے سیراب ہوتے تھے۔ بلکہ اگر یہ کہا جائے کہ علمِ حدیث کا چرچا پٹھانوں کے تمام ملکوں میں آپ ہی کی ذات سے ہوا تو یہ مبالغہ نہ ہوگا۔ حتیٰ کہ آپ کا اسمِ گرامی مولانا نصیرالدین کی جگہ شیخ الحدیث ہی مشہور ہوگیا تھا۔

حضرت شیخؒ کو خواب میں رب العالمین اور پیارے پیغمبر ﷺ کی کثرت کے ساتھ زیارت نصیب ہوتی تھی۔ ان کے بارے میں آتا ہے کہ جب ان کو کوئی شخص مولانا صاحب، یا شیخ القرآن یا شیخ الحدیث کے نام سے مخاطب کرتا تھا تو وہ سختی سے منع کر دیتے تھے، اور فرماتے تھے مجھے صرف مولوی صاحب کہو۔ کسی نے پوچھا کہ آپ اس قدر سختی سے کیوں منع کرتے ہیں تو فرمایا کہ مجھے جب اللہ کی زیارت ہوتی ہے تو اللہ مجھے مولوی کہہ کر پکارتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ ان بزرگانِ دین کے طفیل ہم پر رحمت فرمائے اور ہمیں جنت میں ان کی معیت نصیب فرمائے۔ دین کا بول بالا اور اعلاءِ کلمۃ اللہ کے لیے جہاد اسی طرح جاری رہے۔ آمین

درس نظامی کی تکمیل

مولانا حضرت عمر نے حضرت غورغشتیؒ کے ہاں حدیث کے اسباق کی تکمیل کی۔ اُس زمانہ میں چونکہ رسل و

رسائل ، پیغام رسانی، اورخط وکتابت کے ذرائع نہیں تھے اس لئے کافی عرصہ تک آپ کے بارے میں کوئی نہیں جانتا تھا کہ آپ زندہ ہیں یا فوت ہو چکے ہیں۔

شادی خانہ آبادی

عرصہ دراز کے بعد جب آپ عالم و فاضل بن کر واپس لوٹے تو خاندان میں بہت خوشی منائی گئی۔آپ کی منگیتر چند سالوں سے جوان تھی ،سسرالی لوگ آپ کے لا پتہ ہو جانے کی وجہ سے سخت پریشان تھے کہ بچی کا کیا بنے گا ،لیکن جب اچانک آپ کی واپسی ہوئی تو اس سے انہیں بھی بہت خوشی ہوئی اور چند ہی دنوں میں آپ کی شادی کر دی گئی ۔مولانا حضرت عمرؒ مجموعی لحاظ سے جید عالم دین ، عابد وذاکر شخصیت تھے،کم گو تھے ۔ بلا ضرورت گفتگو نہیں کرتے تھے،اس لئے لوگ آپ کو مجذوب استاد بھی کہتے تھے۔

آپ بڑے عامل بھی تھے

اس کے ساتھ ساتھ آپ بڑے عامل بھی تھے، اور باقاعدہ عملیات کا علم آپ نے سیکھا تھا۔لوگ دم اور تعویذوں کے لئے آپ کی طرف رجوع کرتے تھے ، اور آپ کے دم وتعویذوں پر لوگوں کا بڑا اعتقاد تھا۔شروع شروع میں جنات کے متأثرین بھی آپ سے رجوع کرتے تھے ، اور آپ جنات نکالا کرتے تھے ،جس کی وجہ سے آپ کو مشکلات کا سامنا بھی کرنا پڑا، اور کچھ بچے بھی آپ کے ضائع ہوئے ، بعد میں آپ نے یہ عمل ترک کر دیا تھا۔

آپ غیر شرعی رسوم ورواج کے خلاف صداء احتجاج بلند کرتے تھے ۔علاقائی سطح پر آپ جانی پہچانی شخصیت تھے ۔ ایثار کا جذبہ آپ میں بہت ہی زیادہ تھا۔آپ دوسروں کے آرام کے لئے اپنا آرام قربان کرنے کے خوگر تھے ۔اگر آدھی رات کو بھی کوئی صاحب ضرورت دم ڈلوانے یا آپ کو متأثرہ شخص کے پاس لیجانے کے لئے آجاتا تو آپ اسی وقت اس کے ساتھ چل پڑتے تھے ۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب بٹگرام میں ڈاکٹرز اور ہسپتال وغیرہ کا نام تک نہ تھا۔آپ کے دم سے ہر قسم کے مریض شفایاب ہو جاتے تھے ۔ علاقہ میں بارشیں نہ ہونے پر جب ضاری کی جاتی تو اکثر آپ ہی ضاری کرایا کرتے تھے۔

آپ اپنے بہن بھائیوں میں سب سے بڑے تھے،آپ کے دیگر بھائیوں میں بھائی عبد المنان مرحوم بھی دیندار انسان تھے، جماعت کے ساتھ بھی ان کا وقت لگا کرتا تھا، اور اچھے اخلاق و کردار کے مالک تھے۔

مولانا عبد المتین مرحوم

جبکہ تیسرے نمبر کے بھائی مولانا عبد المتین چوہان بھی عالم دین تھے۔ابتدائی تعلیم علاقہ میں حاصل کرنے کے بعد مزید تعلیم کے حصول کے لئے راولپنڈی گئے اور آپ نے اور مولانا عبدالعزیز صاحب نے مولانا قاری محمد امین صاحب کے مدرسہ ورکشاپی محلہ میں داخلہ لیا، اور ایک سال وہاں تعلیم حاصل کی۔اس کے بعد پھر آپ نے شاہ دی ٹالی نامی علاقے میں مولوی محمد امین صاحب کے مدرسہ میں تعلیم حاصل کی۔حصول تعلیم کے بعد پھر وہ زندگی بھر امامت وخطابت اور درس وتدریس میں مشغول رہے،لیکن کسی ایک جگہ کو انہوں نے مستقل ٹھکانہ نہیں بنایا۔کام کاج کے دنوں میں گھر واپس آجاتے، اور کام سنبھالنے کے بعد جہاں انہیں جگہ ملتی وہیں دین کی خدمت میں مصروف ہو جاتے تھے۔

مولانا عبد المتین صاحب بھی بڑے دیندار انسان تھے،سادہ طبیعت عجز وانکساری کے مالک تھے، ہر ایک سے خوش اخلاقی کے ساتھ پیش آتے اور ہر ایک کو عزت واحترام دیتے تھے۔بروز جمعرات 2مئی 2024ء کو اپنے علاقہ توت ڈنہ میں اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔

چھوٹے بھائی برہ خان بھی بے ضرر انسان ہیں،اور علاقہ ہی میں انہوں نے اپنی زندگی بسر کی ہے۔مولانا کی والدہ مرحومہ بھی بڑی نیک اور نڈر خاتون تھیں،سردیوں کے زمانہ میں بھی وہ اکیلی بنچھڑ کے ویرانے میں رہتی تھیں۔میری والدہ کے ساتھ ان کی بڑی عقیدت تھی، ان سے دم ڈلوانے آتی تھیں،ان کی آواز آج بھی میرے کانوں میں گونجتی ہے کہ تمہارے گھر کے گھڑے کا پانی میں بھی ہمارے لئے شفاء ہے۔

انتقال

مولانا حضرت عمر چوہان ساری زندگی زہد وتقویٰ کا پیکر رہے۔جون 1994ء میں آپ نے داعی اجل کو لبیک کہا،انا للہ وانا الیہ راجعون۔

موت التقیٰ حیاۃ لا انقطاع لھا

قد مات قوم وھم فی الناس احیاء

مولانا عبدالرحمٰن چوہان زید مجدہٗ

مولانا عبدالرحمٰن چوہان بٹگرام نندھیاڑ کے ایک گاؤں گھٹ سیری میں یاسین چوہان کے ہاں پیدا ہوئے۔ سن پیدائیش کا علم نہیں اس لئے کہ اس زمانے میں آج کی طرح لکھنے پڑھنے کا رواج نہیں تھا اس لئے بہت کم لوگ ایسے ہوں گے جنہیں اپنی تاریخ پیدائیش یا سن پیدائیش یاد ہوگا، اس لئے اندازاً ہی قومی شناختی کارڈ کے اندر تاریخیں اندراج کی جاتی تھیں۔

ابتدائی تعلیم

مولانا عبدالرحمٰن چوہان نے اپنی ابتدائی تعلیم مولانا برہ خان صاحب ککڑ شنگ والوں سے حاصل کی۔ اس کے بعد آپ اٹک کے شہر حضرو چلے گئے اور وہاں غورغشتی میں داماں کے مولانا عبدالحق صاحبؒ سے درس نظامی میں مختلف فنون کی کتابیں پڑھیں۔ اس زمانے میں باقاعدہ مدارس کا سلسلہ نہیں ہوتا تھا اس لئے جہاں کسی فن کے عالم کے بارے میں معلوم ہوتا تھا طالبان علوم ان کے پاس اپنے علم کی پیاس بجھانے پہنچ جاتے تھے۔

والد کی بیماری اور حضرو سے واپسی

مولانا عبدالرحمٰن صاحب حضرو میں تعلیم حاصل کر رہے تھے کہ انہیں والد کی بیماری کے بارے میں معلوم ہوا، آپ چونکہ یاسین صاحب کی اولاد میں بڑے تھے اس لئے والد کی تیمارداری کے لئے واپس چلے آئے۔ 1967ء میں آپ کے والد گرامی کا انتقال ہوا۔ اور اس کے بعد آپ نے اپنے گھر ہی میں رہائیش رکھتے ہوئے علاقے کے علماء سے تعلیم حاصل کی۔ اور مولانا اشرف استاد سے اپنی تعلیم مکمل کی۔

تدریس

فراغت کے بعد آپ نے اپنے علاقے ہی میں قیام رکھا اور وہیں درس وتدریس اور امامت کے فرائض سرانجام دیتے رہے۔

آپ کی اولاد میں سے ایک بیٹا قاری عبدالاکبر صاحب راولپنڈی میں رہائیش پذیر ہیں اور وہاں بچوں کو قرآن کریم کی تعلیم دینے میں مصروف ہیں۔

مولانا عبدالخالق چوہان دامت برکاتہم

مولانا عبدالخالق چوہان کی ولادت یکم جنوری 1950ء میں بٹگرام نندھیاڑ کے ایک گاؤں گھٹ سیری میں یاسین چوہان کے ہاں ہوئی۔آپ نے ابتدائی تعلیم گاؤں بھیڑ میں بیلہ والے مولانا اشرف صاحب سے حاصل کی اور صرف میں میزان الصرف پڑھی۔اور پھر آپ کے والد ماجد آپ کو بٹہ موڑی کگڑ شنگ چھوڑ آئے جہاں چھے ماہ تک آپ تعلیم حاصل کرتے رہے۔اس زمانہ میں حکیم ملّت حضرت مولانا عبدالحکیمؒ اپنے علاقہ بھیڑ بالا میں کبھی کبھار تشریف لیجاتے تھے جہاں ہفتہ بھر ان کا قیام ہوتا تھا جسمیں اہل علاقہ سے ملاقاتیں ہوتیں، اور ان کے مسائل کے بارے میں گفتگو ہوتی تھی۔آپ کے والد نے دوران ملاقات مولانا سے ذکر کیا کہ میں اپنے اس بیٹے کو حصول تعلیم کے لئے راولپنڈی بھیج رہا ہوں، مولانا نے جواب دیا کہ ماموں ہمارے ہاں چھوٹے بچوں کے لئے داخلہ کی گنجائش نہیں ہوتی، لیکن والد صاحب نے اصرار کیا کہ میں ان کو بھیجوں گا آپ انہیں داخل کرادیں۔

جہانگیر ماموں اور حاجی طوریا مرحوم نے آپ کے راستے کے اخراجات وغیرہ کا اہتمام کیا اور آپ 1965ء میں حصولِ تعلیم کے لئے راولپنڈی جامعہ فرقانیہ آئے، لیکن آپ کو داخلہ نہیں مل سکا، پھر بوہڑ بازار مولانا عبدالحق مرحوم کے ہاں گئے لیکن وہاں بھی داخلہ نہیں ملا۔وہاں سے برہان نامی لڑکے کے ساتھ مولانا سید چراغ الدین شاہ صاحب کے مدرسہ، مدرسہ انوار العلوم میں آئے، جہاں آپ کو شعبۂ کتب میں داخلہ مل گیا اور آپ نے مولانا سید چراغ الدین شاہ صاحب سے قدوری، اور قاری نعمت شاہ صاحب، مولانا عبدالرزاق صاحب اور مولانا حبیب الرحمٰن صاحب سے دیگر کتب پڑھیں۔1966ء میں آپ نے سٹلائیٹ ٹاون میں مولانا اعزاز علی صاحب کے شاگرد مولانا ولی اللہ صاحب سے کنز الدقائق اور دیگر کتب پڑھیں۔اگلے سال 1967ء میں دامان حضرو چلے گئے لیکن وہاں کسی مدرسے میں داخلہ نہیں مل سکا، پیسے پاس نہیں تھے، اس لئے پیدل ہی ایک جگہ سے دوری جگہ سفر کرتے رہے، شام کو غورغشتی مولانا نصیر الدین غورغشتیؒ کے ہاں گئے لیکن وہاں بھی داخلہ نہیں ملا، انہوں نے رات کو اپنے ہاں ٹھرایا، اور صبح اپنے گھر سے ناشتہ کرا کر ایک روپیہ کرایہ دے کر رخصت کر دیا۔

راہنمائی کرنے والا کوئی تھا نہیں اس لئے جو سمجھ میں آتا کرتے چلے گئے، وہاں سے ہری پور مدرسہ ربانیہ گئے لیکن وہاں بھی داخلہ نہیں ملا، بالآخر واپس راولپنڈی آئے اور یہاں سے دوبارہ مولوی محمد یوسف مندری والے کے ساتھ مدرسہ تعلیم الاسلام ویسہ کیمبلپور گئے اور مولانا عبدالرشید صاحب سے کچھ کتابیں پڑھیں، اور وہاں سے اوگی کے علاقہ بیلہ میں جاکر چھ ماہ تک تعلیم حاصل کی، اور پھر دربند مولانا یحییٰ صاحب سے نحو پڑھی، اور پھر ان کے ساتھ جہلم چلے گئے جہاں جامعہ حنفیہ تعلیم الاسلام میں کچھ کتابیں پڑھیں، اور وہاں پر نورانی قاعدہ کے ایک ماہر استاد (جو حضرت مولانا فداء الرحمٰن درخواستی کے بھی استاد تھے) سے نورانی قاعدہ پڑھا۔ دورۂ تفسیر شیخ القرآن حضرت مولانا غلام اللہ خان صاحبؒ سے پڑھا۔

درس وتدریس

حصول تعلیم کے بعد 1970ء میں آپ کراچی چلے گئے، اور قائد آباد میں توحیدی مسجد کی بنیاد رکھی۔ جب قاری محمد یوسف صاحب مرحوم لیبیاء طرابلس یونیورسٹی حصول تعلیم کے لئے تشریف لے گئے تو آپ نے کچھ عرصہ تک ان کی مسجد میں امامت وخطابت کے فرائض سرانجام دینے کے بعد دوباہ توحیدی مسجد میں امامت وخطابت کی۔ اس دوران قاری عبدالمنان انور صاحب کے ساتھ بھی آپ کا وقت گزرا، اور قومی اتحاد کی تحریک میں بھی حصّہ لیا۔ اور پھر چار ماہ کے لئے تبلیغی جماعت کے ساتھ وقت لگانے چلے گئے۔

راحت ملز کی امامت

غالباً 1981ء میں آپ کراچی سے واپس راولپنڈی تشریف لائے اور راحت وولن ملز چوہڑ راولپنڈی میں بطور امام وخطیب کے فرائض سرانجام دینے کے ساتھ ساتھ مولانا عبدالجلیل صاحب نقشبندی کے مدرسہ ذیشان کالونی میں درجہ حفظ کی کلاس پڑھاتے رہے اور ساتھ ساتھ مدرسہ کی نظامت کے فرائض بھی انجام دیتے رہے۔

جامع مسجد سلمان فارسیؓ

1986ء میں حکیم ملّت حضرت مولانا عبدالحکیمؒ نے آپ کو اسلام آباد سیکٹر آئی،ٹن،ٹو راجپوت مارکیٹ کے ساتھ سی، ڈی، اے، اسلام آباد کی طرف سے مسجد کے لئے مختص پلاٹ پر تعمیری کام شروع کرنے کا حکم دیا اس زمانہ میں حضرت مولانا محمد عبداللہ صاحب اسلام آباد میں پلاٹ کی نشاندہی فرماتے اور حکیم ملّتؒ افراد مہیا کرتے تھے،

اس وقت سے آپ اس مسجد میں امامت وخطابت کے فرائض سرانجام دے رہے ہیں۔ 1990ء میں الحمد للہ ہم نے اس مسجد میں مدرسہ کی بنیاد رکھی، اور مدرسہ کے لئے نام بھی میں نے ہی تجویز کیا مدرسہ معارف الاسلام ۔ کچھ عرصہ میرے ذمّہ نظامت کی خدمات بھی سپرد رہیں۔ الحمدللہ اس مدرسہ سے سینکڑوں بچے قرآن کریم کی تعلیم حاصل کر چکے ہیں۔ اوراب مولانا کے صاحبزادے بھی مدرسہ کے کاموں میں ان کے مدد ومعاون ہیں۔ اور تین منزلہ شاندار مسجد بھی تعمیر ہو چکی ہے۔

شادی خانہ آبادی

جب آپ راحت ملز میں امام تھے تو اس دوران آپ کی شادی خانہ آبادی طور یا ماموں کی صاحبزادی اور دوست محمد بھائی کی بہن سے سرانجام پائی۔جن سے آپ کے پانچ صاحبزادے۔ قاری عبدالحق، مولانا عطاء الحق، قاری احسان الحق، مولانا عبد اللہ اور قاری فاروق ہیں ، اور ایک صاحبزادی ہیں جو لاہور میں مولانا عبد الرؤف فاروقی صاحب کی بہو ہیں۔

سیاسی سرگرمیاں

مولانا کی سیاست میں دلچسپی حضرت مولانا عبدالحکیمؒ کے وقت سے رہی ہے ۔آپ نے آئین شریعت کانفرنس لاہور میں بطور خدمت گار حکیم ملّتؒ کے ساتھ شرکت کی ۔حضرت درخواستی کے دور میں جب بے حیائی کے خلاف جلوس نکالا گیا تو اس میں بھی آپ پیش پیش تھے۔حکیم ملّتؒ حضرت مولانا غلام غوث ہزاروی کی خدمت کے لئے اکثر آپ کوان کے ساتھ بھیجتے تھے،حضرت ہزارویؒ جماعتی سلسلہ میں جب علماء سے ملاقات کرتے تو رخصتی کے وقت ان سے اکثر یہ جملہ فرماتے تھے کہ حضرت آپ ہمارے مخدوم ہم آپ کے خادم ،آپ جمعیت علماء اسلام کے لئے کام کریں۔اس طرح 1968-69 میں آپ کوحضرت ہزاروی کی خدمت کرنے کا شرف حاصل ہوا۔

جمعیت علماء اسلام کے ٹکٹ پر حضرت مولانا عبدالحکیم صاحبؒ نے ستمبر ۱۹۷۰ء سے جب اپنے الیکشن کی مہم کا آغاز کیا،اور 4 ماہ تک پورے علاقے کا دورہ کیا۔تو دیگر کے ساتھ ساتھ مولانا عبد الخالق صاحب نے بھی مولانا کے الیکشن کو کامیاب کرانے میں انتھائی اہم کردار ادا کیا، لوگوں کو ووٹ کی اہمیت کے بارے میں بتاتے رہے،اور الیکشن مہم کے دوران اُن کے ساتھ رہے۔ جہاں مولانا کا قیام ہوتا تو ان کی حفاظت کے لئے اہم اقدامات کرتے

رہے۔ رات کو مولانا مرحوم کو جس چار پائی پر سلایا جاتا، کچھ وقت گزرنے کے بعد ان کی چار پائی بدل دی جاتی تھی تاکہ ان کو کوئی گزند نہ پہنچے۔

جمعیت علمائے اسلام مولانا سمیع الحق گروپ میں آپ نے مختلف عہدوں (اسلام آباد کی امارت، صوبہ پنجاب کے ڈپٹی سیکرٹری،، مرکزی ناظم مالیات) پر کام کیا۔ اور آخر میں مولانا سمیع الحق شہید کی شہادت تک بطور نائب امیر پاکستان) کام کرتے رہے۔ مولانا سمیع الحق مرحوم سے آپ کا قریبی تعلق رہا ہے۔ انہوں نے آپ کو دار العلوم حقانیہ کی شوریٰ کا رکن بھی بنایا تھا۔

اس کے علاوہ آپ پاکستان شریعت کونسل، سپاہ صحابہ، ملی یکجہتی کونسل، دفاع افغانستان کونسل، دفاع پاکستان کونسل وغیرہ میں بھی ماشاء اللہ فعال کردار ادا کرتے رہے ہیں۔ ملک کی تمام سیاسی و مذہبی جماعتوں کے ساتھ وابستہ افراد اور قیادت کے ساتھ مضبوط رابطہ رکھتے ہیں۔

بیرونی اسفار

1983ء میں آپ کو حج کی سعادت نصیب ہوئی اور آپ سفر حجاز مقدس کے لئے روانہ ہوئے۔ پھر 2016ء میں عمرہ کے لئے گئے اور پھر حج کا سفر ہوا، پھر عمرے کی سعادت یکے بعد دیگرے حاصل ہوتی رہی ہے اس کے علاوہ مولوی یوسف مندری والے اور مولانا ضیاء الحق مرحوم کے ساتھ افغانستان کا سفر بھی آپ نے کیا ہے۔

بیعت و خلافت

دوران تعلیم پیر سید عنایت اللہ شاہ صاحب بخاریؒ سے بیعت ہوئے ان کی وفات کے بعد جانشین حافظ الحدیث حضرت مولانا فداء الرحمٰن درخواستی سے بیعت ہوئے جنہوں نے بعد میں مدینہ منورہ میں آپ کو خلافت سے بھی نوازا۔ اور ان کی وفات کے بعد جامعہ اشرفیہ کے مہتمم حضرت مولانا فضل الرحیم اشرفی کے ہاتھ پر آپ نے بیعت کی ہوئی ہے۔

مولانا عبد الخالق صاحب ایک مخلص انسان ہیں، سیاسی، رفاہی اور دیگر مسائل میں ہر ایک کے کام آنے کی کوشش کرتے ہیں، علاقہ میں ایاز خان کے دور میں کی مقامات پر ترقیاتی کام بھی کروائے ہیں۔

مولانا نور الرحمٰن صاحب چوہان دامت برکاتہم

مولانا نور الرحمٰن صاحب 1953ء میں گھٹ سیری کے مقام پر شاہ زمان بن جمال الدین کے ہاں پیدا ہوئے۔آپ نے اپنی ابتدائی تعلیم بنسیر کے علاقے میں حاصل کی۔ اور پھر مزید حصول علم کے لئے 1971ء میں مولانا محمد یوسف صاحب مندری والوں کے ساتھ راولپنڈی آئے۔ بٹل تک کا سفر آپ نے پیدل طے کیا،اور پھر وہاں سے بس کے ذریعے راولپنڈی پہنچے۔

حفظ قرآن کریم وتجوید وقرأۃ

راولپنڈی آنے کے بعد آپ نے لالہ آباد (موجودہ خیابان سر سید) میں مولانا عبد الخالق صاحب کے مدرسہ، مدرسہ رشیدیہ میں داخلہ لیا،اور دو سال تک وہاں تعلیم حاصل کی اور قرآن کریم کے کچھ سپارے یاد کئے۔

اس کے بعد آپ نے مولانا سید چراغ الدین شاہ صاحب کے مدرسہ، مدرسہ انوار العلوم میں داخلہ لے کر حفظ قرآن کریم مکمل کیا۔اور تکمیل حفظ کے بعد آپ نے اسی مدرسہ میں مولانا عبد الرشید صاحب اور قاری محمد عمر صاحب سے تجوید وقرأۃ کا کورس مکمل کیا۔

درس نظامی

آپ نے درس نظامی کی ابتدائی کتابیں مدرسہ انوار العلوم ہی میں پڑھیں اور پھر شاہ صاحب ہی کے دوسرے مدرسے مدرسہ سراجیہ میں درس نظامی میں داخلہ لے کر دورۂ حدیث تک درس نظامی کی تمام کتب پڑھیں۔ابھی آپ نے تیسرے درجہ تک ہی تعلیم حاصل کی تھی کہ دوران تعلیم ہی آپ کو امامت وخطابت کے لئے سی،ڈی،اے کالونی سیکٹر آئی،ٹن،ون میں جگہ مل گئی۔ اور پھر آپ نے امامت وخطابت کے ساتھ ساتھ روزانہ سائیکل پر جا کر جامعہ سراجیہ سے تحصیل علم کا سلسلہ جاری رکھا۔

دورۂ حدیث وتفسیر

آپ نے دورۂ حدیث دو مرتبہ پڑھا، ایک دفعہ جامعہ سراجیہ میں اور دوسری مرتبہ دار العلوم تعلیم القرآن راجہ بازار میں۔دورۂ تفسیر شیخ الحدیث حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب سے پڑھا، اور دورۂ حدیث آپ نے

حضرت مولانا انور صاحب اور شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالقدیر صاحبؒ سے پڑھا۔(جو میرے بھی دورۂ حدیث کے استاد تھے اور بخاری شریف ہم نے ان سے پڑھی تھی ۔ بہت بڑے عالم دین تھے، حضرت انور شاہ صاحب کاشمیری کے تلمیذ رشید تھے، رحمۃ اللہ علیہ۔)

درس وتدریس

جس طرح پہلے میں لکھ چکا ہوں کہ آپ کو دوران تعلیم ہی امامت وخطابت کے لئے سی،ڈی،اے کالونی سیکٹر آئی،ٹن،ون میں جگہ مل گئی تھی ۔فراغت کے بعد بھی آپ اسی مسجد میں سات سال تک امامت وخطابت اور درس وتدریس کے فرائض انجام دیتے رہے۔اس دوران آپ کی مسجد کو محکمہ اوقاف اسلام آباد نے ٹیک اور کر لیا، اور آپ محکمۂ اوقاف کے سرکاری ملازم بن گئے ۔

سرکاری ملازم بن جانے کے بعد محکمہ کی طرف سے آپ کا تبادلہ مسجد نور قدیمی ستارہ مارکیٹ G/7/1 اسلام آباد میں کر دیا گیا۔اور ریٹائیرمنٹ تک آپ اسی مسجد کے امام وخطیب رہے ۔2013ء میں آپ نے محکمہ اوقاف سے ریٹائیرمنٹ لے لی، اور اب اس مسجد میں آپ کے صاحبزادے مولانا فاروق صاحب محکمہ اوقاف کی طرف سے امام وخطیب ہیں۔اسی مسجد کے ساتھ 2001ء سے آپ نے با قاعدہ مدرسہ کا آغاز کیا ہوا ہے جہاں طالبان علوم نبوت علوم نبویہ سے مستفید ہو رہے ہیں۔

اولاد: مولانا کے ماشاء اللہ تین بیٹے اور تین بیٹیاں ہیں ، بیٹیاں بھی سب عالمہ ہیں اور بیٹے بھی حافظ قرآن اور عالم دین ہیں۔

حج وعمرہ

1992ء میں اللہ رب العزت نے پہلی مرتبہ آپ کو حج وعمرہ کی سعادت نصیب فرمائی اور اس کے بعد بھی کئی مرتبہ آپ حج وعمرے کی سعادت سے مالا مال ہوئے۔

مولانا سادہ طبیعت کے مالک ہیں ۔نہایت ہی دیندار اور ہنس مکھ انسان ہیں۔تنہائی اور خلوت کو پسند کرتے ہیں، اور ہر وقت اللہ کی یاد اور ذکر وفکر کے اندر مشغول رہتے ہیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ ان کو صحت وسلامتی والی لمبی زندگی نصیب فرمائے ۔آمین

مولانا بنی اسرائیل چوہان رحمۃ اللہ علیہ

حضرت مولانا بنی اسرائیل چوہان سم بانڈہ میں حضرت مولانا حبیب الرحمٰن شہید کے ہاں پیدا ہوئے جوعلاقہ میں مولوی حبیب کے نام سے مشہور تھے۔آپ اپنے والد بزرگوار کے ظل عاطفت میں پروان چڑھے اورابتدائی تعلیم اپنے والد مرحوم سے حاصل کی پھرمزید استفادہ کیلئے آپ نے علاقہ کے مشاہیرا ہل علم وفضل سے مراجعت کی۔

جیسول بازار گئے ،موضع ککڑ شنگ ،موضع شنگری ان مقامات میں دینی درسگا ہیں ہوا کرتی تھیں اورمختلف فنون کے ماہرفن علماء درس دیا کرتے تھے۔آجکل کی طرح مکمل علوم پڑھانے کے مدارس نہ ہوا کرتے تھے چنانچہ جس جگہ کسی ماہرفن استاد کا چرچا ہوتا طلب والے وہاں جاپہنچتے۔پنجاب اورصوبہ سرحد کی اصطلاح میں جہاں کوئی عالم بیٹھ کر درس دینا شروع کردیتا تھااورطلباء جمع ہو جاتے تھے اس کو درس کہتے تھے۔اس زمانے میں دستور تھا کہ طلباء مسجد میں رہتے تھے اوراہل محلہ ان کے کھانے کے متکفّل ہوتے تھے،جو وظیفوں کی صورت میں جمع کیا جاتا تھا،کسی گھر سے آدھی روٹی کسی سے پوری،،کسی سے سالن،کسی سے چاول کسی سے خالی ہاتھ۔چونکہ میں نے بذات خودبھی اپنا ابتدائی دوراسی طرح گزارا ہےاس لئے مجھے اس کا بخوبی علم ہے۔یہی کچھ آپ نے بھی کیا۔

شنکیاری مکڑیا آمد:

پھرمولانا مرحوم مزید تعلیم حاصل کرنے کے لئے اپنے رفقاء شامان استاداورحکیم ملّت حضرت مولانا عبدالحکیمؒ کے ہمراہ شنکیاری مکڑیا تشریف لےآئے۔یہاں آپ نے ابتدائی کتابیں ایک عالم دین سے پڑھیں۔

اس طرح مختلف علاقوں میں اہل فنون کے پاس پہنچ کرآپ اپنی علمی پیاس بجھاتے رہے ۔شوق تحصیل علم نے آپ کوترک وطن پرمجبورکیا یہاں تک کہ علم کی طلب میں آپ نے بمبئی تک کا سفرکیااورمختلف درس گاہوں میں تعلیم حاصل کرنے کے بعدآپ اپنے علاقہ واپس لوٹے ،اور پھرلنڈئ راشمیرہ اور ولاڑ گٹ کے علاقہ میں ساری زندگی آپ تدریس اورامامت کےفرائض سرانجام دیتے رہے۔

آپ درازقد حسین وجمیل تھے،چہرے سے بزرگی جھلکتی تھی۔آپ نہایت پرہیزگاراور پاک دامن تھے،

اپنی پوری زندگی انتہائی سادگی کے ساتھ گزار دی۔

علاقہ میں جب بارشوں کا سلسلہ منقطع ہو جاتا اور لوگ پریشان ہوتے تو آپ میرے والد گرامی حاجی حضرت میر رحمۃ اللہ علیہ کے پاس توت بانڈہ تشریف لاتے، اور کہتے بھائی بارشیں نہیں ہورہی ہیں ضاری کا بندو بست کریں، اور پھر والد صاحب مرحوم کی معیت میں پورے علاقہ میں پھرتے اور والد صاحب سرسایہ بھی جمع کرتے اور لوگوں کو دعوت بھی دیتے کہ فلاں دن فلان وقت ضاری ہوگی یعنی صلوٰۃ استسقاء ادا کی جائے گی۔اور جمع کیا ہوا آٹا مختلف گھروں میں بانٹ دیا جاتا کہ اس کی روٹیاں پکائی جائیں۔

مجھے یاد ہے جب ہمارے گھر میری والدہ تندور پر روٹیاں پکاتی تھی تو اس کے لئے بڑے اہتمام سے وضو کر کے،اور بسم اللہ پڑھ کر ذکر و اذکار کے اہتمام کے ساتھ روٹیاں پکائی جاتی تھیں، اور ضاری کے بعد ضاری کے لئے آنے والوں اور بچوں اور مسافروں میں کھانا تقسیم کیا جاتا تھا۔ضاری کے بعد عموماً بارشوں کا سلسلہ شروع ہو جاتا تھا، اللہ پر ان لوگوں کا کتنا پختہ یقین تھا،عقیدہ کتنا مضبوط تھا۔آہ! کیا ہی عجیب دور تھا،کیا ہی عجیب لوگ تھے۔

فجز اھما اللہ عنی وعن جمیع المسلمین۔

اولاد

آپ کی نرینہ اولاد میں سے بڑے بیٹے بھائی دوست احمد کا انتقال ہو چکا ہے۔ جب کہ دو بیٹے حاجی عبدالحئی اور عبدالحلیم حیات ہیں۔

وفات

آپ کی وفات، بروز جمعرات 15 دسمبر 1994ء، رجب ۱۵ ۱۴ھ میں ہوئی۔وفات سے قبل آپ نے فجر کی نماز کے لئے وضو کیا اور پھر حاجی عبدالحئی صاحب کو جگایا کہ مجھے سردی لگ رہی ہے ہیٹر لگائیں۔اس دوران گھر کے دیگر افراد بھی بیدار ہو گئے، فرمانے لگے میری طبیعت خراب ہے حاجی صاحب نے انہیں لٹا کر سر گود میں رکھا اور اسی حالت میں آپ اللہ کو پیارے ہو گئے۔

انا للہ وانا الیہ راجعون

حاجی حکیم عبدالحئی چوہان صاحب
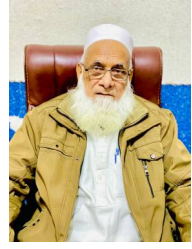
حاجی عبدالحئی چوہان 26/01/1955ء میں علاقہ سم بانڈہ (والا ڑ گٹ) میں حضرت مولانا بنی اسرائیل چوہان کے ہاں پیدا ہوئے۔ دس بارہ سال کی عمر میں آپ کو آپ کے والد مرحوم نے حصول علم کے لئے آپ کے چچا زاد بھائی مولانا عبدالعزیز مرحوم کے ساتھ راولپنڈی بھیج دیا۔ انہوں نے بوہڑ بازار مولانا عبدالحق مرحوم کے مدرسہ میں آپ کو داخلہ دلوایا جہاں آپ نے ناظرہ کے ساتھ اڑھائی سپارے قرآن مجید کے جناب قاری عبدالمالک صاحب جبوڑی والوں سے حفظ کئے۔

پھر آپ لالہ آباد مولانا عبدالخالق صاحب کے ہاں چلے گئے جہاں قاری عبدالشکور صاحب مرحوم بھیڑ بالا والوں سے دس سپارے مزید حفظ کئے۔ اور پھر کراچی کام کے سلسلہ میں چلے گئے، لیکن بیماری کی وجہ سے زیادہ عرصہ وہاں نہ گزار سکے، اور واپس راولپنڈی آ گئے۔

کراچی سے واپسی پر مولانا عبدالرزاق صاحب دامت برکاتہم نے آپ کو جامعہ اسلامیہ صدر راولپنڈی میں درجہ کتب کے اندر داخلہ دلوا دیا جہاں آپ نے درجہ اولیٰ پڑھا، اور دوسرے سال جامعہ فرقانیہ میں درس نظامی میں داخلہ لے کر ابتدائی صرف ونحو کی کتابیں پڑھیں۔

ملازمت ودرس وتدریس

حاجی صاحب نے اس کے بعد پڑھنا چھوڑ دیا، اور درس وتدریس اور ملازمت کا راستہ اختیار کر لیا، گھروں میں جا کر قرآن کی تعلیم دیتے رہے۔ ایک سال آپ نے گنج منڈی حضرت ہزارویؒ کی مسجد میں ناظرہ قرآن کریم پڑھایا اور پھر قاری عبدالاکبر مرحوم کی وساطت سے آپ کو جامعہ فرقانیہ میں ملازمت مل گئی، جہاں آپ کے ذمّہ نظامت عمومی کے ساتھ ساتھ ناظرہ قرآن کریم کی کلاس پڑھانے کی ذمّہ داری بھی تھی۔

کچھ عرصہ آپ نے کرتار پورہ میں واقع حکیم غلام حیدر مرحوم کے مطب میں بھی کام کیا جس کی وجہ سے آپ کی شہرت حکیم عبدالحئی کے نام سے ہوئی۔

جامعہ فرقانیہ میں دو عبدالحئی نامی شخصیات تھیں ایک مولانا کے بھائی جو چچا عبدالحئی کے نام سے مشہور تھے

جو آج کل مکّہ مکرمہ میں ہیں، اور دوسرے آپ جو حکیم عبدالحئی کے نام سے مشہور ہوئے۔

سفر حجاز

1985ء میں آپ کام کے ویزہ پر سعودی عرب چلے گئے جہاں پہلی مرتبہ آپ کو حج وعمرے کی سعادت حاصل ہوئی، اور پھر 1994ء تک آپ وہیں سعوی عرب میں کام کرتے رہے۔سعودی عرب سے واپسی پر آپ کچھ عرصہ گاؤں میں رہے اور اپنی جیپ لے کر اپنے روٹ پر چلاتے رہے۔

اور پھر راولپنڈی منتقل ہو کر مختلف کام کرتے رہے، اور جب آپ کے بڑے بیٹے حبیب الرحمٰن نے گلاس کا کام (گلیز ئیر) سیکھ لیا تو پھر مستقل دوکان کھول کر اس وقت سے تا امروز آپ اپنا بزنس کر رہے ہیں، اور راولپنڈی گلبہار کالونی میں ذاتی مکان میں رہائیش پذیر ہیں۔

شادی واولاد

حکیم عبدالحئی صاحب کی شادی خانہ آبادی 1975ء میں محمد نبی چوہان کی صاحبزادی سے ہوئی جن سے آپ کے ماشاء اللہ چھے بیٹے اور چھے بیٹیاں ہیں۔بڑے بیٹے حبیب الرحمٰن گلیز ئیر کا کام کر رہے ہیں، جبکہ دیگر بیٹے مختلف کاموں کے اندر مصروف ہیں۔

❁❁❁❁❁❁❁

مولانا عبدالعزیز چوہانؒ

مولانا عبدالعزیز چوہان کی ولادت عبدالغفور چوہان کے ہاں سم بانڈہ میں ہوئی۔آپ مولانا حضرت نور رحمۃ اللہ علیہ کے بھتیجے تھے۔آپ نے ابتدائی تعلیم اپنے چچا محترم مولانا حضرت نور رحمۃ اللہ علیہ سے حاصل کی ،اور مزید تعلیم کے حصول کے لئے آپ نے مولانا عبدالمتین مرحوم توت ڈنّہ والے کے ساتھ راولپنڈی کا رُخ کیا،اور ورکشاپی محلّہ میں مولانا قاری محمد امین صاحب کے مدرسہ میں داخلہ لے کر تعلیم حاصل کرنا شروع کی۔

ایک سال وہاں پڑھنے کے بعد آپ نے دارالعلوم تعلیم القرآن راجہ بازار میں داخلہ لے لیا،اور پھر دار العلوم سے ہی آپ نے اپنی تعلیم مکمل کی۔

درس وتدریس

حصول تعلیم کے بعد آپ کو مری میں امامت کے لئے جگہ مل گئی ،اور آپ مری تشریف لے گئے ،اور اس عرصہ میں آپ کی پہلی اہلیہ بھی آپ کے ہمراہ مری میں آپ کے ساتھ رہیں۔

کچھ عرصہ تک وہاں امامت کرنے کے بعد آپ راولپنڈی آ گئے،اور یہاں مختلف مقامات پر آپ امامت وخطابت کے فرائض انجام دیتے رہے۔

تجارت

1973ء میں آپ نے امامت چھوڑ کر علاقہ میں جیسول بازار میں اپنی دوکان ڈال لی ،اور کافی عرصہ تک وہاں دوکانداری کرتے رہے ۔دوکانداری چھوڑنے کے بعد آپ کا قیام مستقل طور پر اپنے گاؤں ہی میں رہا ،اور وہاں سیاسی وسماجی اور رفاہی کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصّہ لیتے رہے،اوراس طرح اپنی آخری عمر خلق خدا کی خدمت میں گزار دی۔آپ نے اپنے گھر کے ساتھ ایک مسجد بھی تعمیر کروائی۔

مولانا عبدالعزیز کا وصال ،3،مارچ 2018ء کو ہوا۔رحمہ اللہ

قاری عبداللطیف صاحب چوہان زید مجدہ
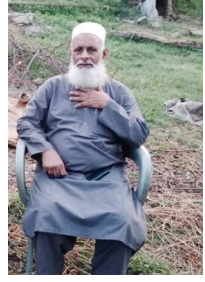
قاری عبداللطیف چوہان کی ولادت عبدالغفور چوہان کے ہاں سم بانڈہ میں ہوئی۔ جب آپ کی بڑی ہمشیرہ کی شادی حضرت مولانا عبدالحق صاحب مرحوم کے ساتھ ہوئی تو آپ بھی پانچ چھے سال کی عمر میں ہمشیرہ کے ساتھ ہی راولپنڈی آ گئے، اور پھر راولپنڈی کے ہی ہو کر رہ گئے۔

ابتدائی تعلیم

آپ نے ابتدائی تعلیم دارالعلوم تعلیم القرآن راجہ بازار میں حاصل کی۔ ناظرہ قرآن کریم اور حفظ قرآن قاری غلام اللہ صاحب سے کیا۔ اور تجوید وقرأۃ قاری محمد افضل صاحب سے پڑھی۔

درس نظامی

حفظ قرآن اور تجوید اور قرأۃ سے فراغت کے بعد آپ نے درس نظامی میں داخلہ لے لیا، اور پانچ سال تک درس نظامی کی کتابیں بھی آپ نے دارالعلوم تعلیم القرآن ہی میں پڑھیں۔

درس وتدریس

ابھی آپ نے درس نظامی کی تکمیل نہیں کی تھی کہ 1970ء میں مولانا حضرت عمر کی بھانجی اور مستقیم صاحب (سنڈ یا سرہ والے) کی بیٹی سے آپ کی شادی ہوگئی اور آپ تدریس کے لئے میرپور آزاد کشمیر چلے گئے اور وہاں مفتی مولانا عبدالحکیم صاحب کی مسجد میں حفظ پڑھانا شروع کر دیا۔

سرکاری ملازمت

اکتوبر ۱۹۷۳ء میں آپ کا گورنمنٹ ہائی سکول نتھیا گلی میں بحیثیت اسلامیات کے ٹیچر کے تقرر ہو گیا، اور آپ بمعہ فیملی مری نتھیا گلی منتقل ہو گئے۔ اور چار سال تک وہیں پڑھاتے رہے۔ اس دوران آپ کی اہلیہ کا انتقال ہو گیا۔ جس کا آپ کو بہت صدمہ ہوا، اور آپ استعفیٰ دے کر واپس چلے آئے، اس اہلیہ سے آپ کی ایک بچی اور ایک بیٹا تھا، اہلیہ کے انتقال کے بعد اس کا بھی انتقال ہو گیا تھا۔

اہلیہ کے انتقال کے دو ماہ بعد آپ واپس مری اپنا سامان وغیرہ اٹھانے گئے،تو ہیڈ ماسٹر صاحب نے آپ کو تسلّی دی اور کہا کہ میں نے آپ کا استعفیٰ قبول نہیں کیا، اس لئے کہ آپ غم میں تھے، اب آپ پڑھانا شروع کر دیں، اس طرح اُس ہیڈ ماسٹر صاحب کی بدولت آپ اپنی سروس پر بحال رہے۔

بعد میں ہیڈ ماسٹر نے خود آپ کا تبادلہ بٹگرام کرا دیا ،اُس زمانہ میں مرکزی دفتر پشاور میں ہوتا تھا وہ آپ کے ساتھ پشاور گئے اور آپ کا تبادلہ کروایا۔ ایک سال آپ نے بٹگرام اور پھر تین سال کوزہ بانڈہ سکول میں پڑھایا۔اور پھر آپ کا تبادلہ چھپر گرام کر دیا گیا، اور ریٹایئر ڈمنٹ تک وہیں چھپر گرام مڈل سکول میں پڑھاتے رہے۔اور 2000ء میں آپ ریٹایئرڈ ہو گئے۔

دوران ملازمت آپ جہاں بھی گئے سکول کی ڈیوٹی کے ساتھ ساتھ مسجد میں امامت بھی کرتے رہے۔ ریٹائیرڈ منٹ کے بعد آپ راولپنڈی منتقل ہو گئے، اور اس وقت سے مختلف جگہوں پر آپ امامت کے فرائض انجام دیتے آ رہے ہیں، اور اس وقت اپنے بیٹے مولانا عبدالرؤف کے ساتھ سیکٹر آئی چودہ میں مسجد تعمیر کر وا رہے ہیں۔

پہلی اہلیہ کے انتقال کے بعد 1980ء میں آپ نے چٹہ بٹ گاؤں نزد ڈاڈر سے مولوی عبدالحق مرحوم کی بیٹی سے عقد ثانی کیا جس سے آپ کا ایک بیٹا مولانا عبدالرؤف اور چار بیٹیاں حیات ہیں، جبکہ ایک بیٹے اور تین بیٹیوں کا انتقال ہو چکا ہے۔رب العالمین انہیں آپ کے لئے شفاعت کا ذریعہ بنائے۔آمین

چوہان مؤرخین

فخر گوجر قوم ابو البرکات رانا مولوی محمد عبد المالک صاحب چوہانؒ

فخر گوجر قوم ابو البرکات رانا مولوی محمد عبد المالک صاحب چوہانؒ تاریخ شاہان گوجر کے مورّخ ہیں جن کی کتاب 1934ء میں منظر عام پر آئی۔ آپ کا تعلق موضع کھوڑی ضلع گجرات پنجاب سے تھا۔ آپ کی ایک مقتدر اور مقبول ہستی تھی، اور ریاست بھاولپور کے آپ مشیر مال کے عہدے کے پنشن یافتہ تھے۔

آپ نے "تاریخ شاہان گوجر" کے منتشر اوراق کو یکجا کرنے کے لئے ملک کے طول وعرض میں سفر کیا، اور قوم کے لئے ایک بیش بہا موادفراہم کیا۔ آپ قومیّت کے علمبردار تھے چنانچہ آپ فرماتے ہیں کہ:

"نسب کا اتّحاد سلسلۂ تنظیم کو مستحکم کرتا ہے، سلسلۂ نسب کو محفوظ رکھنا، اور اس کو یاد کرنا انسان کی ضروریات زندگی میں سے ایک ضرورت ہے۔ عرب کا بچّہ بچّہ نہ صرف اپنے نسب نامے یاد رکھتا تھا بلکہ دوسرے خاندانوں کے نسب نامے بھی سنا سکتا تھا۔ فرماتے ہیں کہ جو قوم اپنی تاریخ سے واقف نہیں اس میں اور حیوانوں میں کچھ فرق نہیں۔ کوئی قوم اِس وقت دنیا میں ایسی نہیں جس کی تاریخ نہ ہو۔ ہر قوم کی ترقی کا اوّلین زینہ تاریخ ہے۔ جو قوم تاریخ سے بے بہرہ ہے وہ دولت واقبال سے بھی بے بہرہ ہے، اور اس کے برابر اور کوئی قوم غافل اور ناعاقبت اندیش نہیں ہو سکتی۔

کس قدر جہالت اور احسان فراموشی ہے کہ جس خاندان سے کوئی قوم پیدا ہوئی ہو وہ اس کے نام ونشان سے بے خبر ہو۔ جہاں دوسری قوموں کے بچے دس بیس پشت تک اپنا نسب نامہ بتا سکتے ہیں، وہاں ہمارے بچوں کی زبان دادا کا نام لیتے ہی بند ہو جاتی ہے۔

ہم اگر اپنے باپ دادوں کے مزاروں پر دعائے مغفرت کے گلدستے چڑھانے اور عقیدت و ارادت کی قندیلیں روشن کرنے سے محروم ہیں تو یہ ہماری بدقسمتی ہے۔ مگر یہ بے نصیبی اُس بدقسمتی سے کمتر ہے جب ہم کو یہ بھی معلوم نہ ہو کہ ہم کس کی یادگار ہیں۔

ہم مذہبی احکام سے غافل، اپنے آباؤاجداد کے کارناموں سے بے خبر ہیں۔ نہ دین کے رہے، نہ دنیا کے۔

اُس قوم کے افراد کی مثال بچھڑوں کی سی ہے، پیدا ہوئے گائے کا دودھ پیا، بڑے ہوئے، بھوسہ کھا کر موٹے ہوئے ہل میں جوتے گئے، اوردس سال کسان کے ڈنڈے کھا کر مر گئے۔

"تاریخ شاہان گوجر" کے مصنف ابو البرکات مولانا محمد عبد المالکؒ نے اپنی تمام زندگی قومی درد اور تڑپ میں بسر کی۔ان کا مختصر شجرۂ نسب اس طرح ہے۔ان کے والد گرامی کا نام:

مولانا جناب مولوی محمد عالم صاحب چوہان رانائے کھوڑی ضلع گجرات (پنجاب)

جناب مولانا ابوالبرکات محمد عبدالمالک صاحب چوہانؒ

اوران کے تین بیٹے تھے:

(1) جناب محمد عبداللہ۔۔۔ بیرسٹر ایٹ لا ملتان۔۔۔(2) اختر علی۔۔۔ریٹائرڈ ڈپٹی کمشنر بھاولپور

(3) اکبر علی۔۔۔بی ایس پی اگریکلچرال اسسٹنٹ لائل پور۔

فخر گوجر قوم جناب رانا علی حسن چوہان

جناب رانا علی حسن چوہان مورّخ تاریخ گر جر ہیں جن کی کتاب کئی سالوں کی مسلسل تحقیق کے بعد 1960ء میں منظر عام پر آئی جو پانچ جلدوں پر مشتمل ہے۔

آپ اپنی سن پیدائش کے بارے میں خود یوں بیان کرتے ہیں کہ: میری پیدائش 1923ء کے اکتوبر کے مہینہ میں موضع الٰہی پور علاقہ کاندھلہ ضلع مظفر نگر اتر پردیش (یو، پی) میں ہوئی۔ ابتدائی مذہبی تعلیم اپنے ماموں کے یہاں قصبہ گنگوہ شریف ضلع سہارن پور میں ہوئی۔

ناظرہ قرآن کریم پڑھنے کے بعد آپ اپنے گاؤں واپس چلے آئے اور ایک مقامی پرائیویٹ مدرسہ (سکول) میں داخل ہو گئے۔ (اس زمانہ میں سکول کہنے کا راوج نہیں تھا بلکہ اسکول کو ہندو، مسلم سب مدرسہ ہی کہتے تھے، اور ٹیچر کو منشی جی کہہ کر پکارا جاتا تھا)۔

آپ کے والد کا نام جناب چوہدری رحمت علی چوہان تھا۔ سکول کی تعلیم حاصل کرنے کے بعد ۱۹۴۱ء میں میرٹھ کالج میں داخلہ لیا اور اپنی کاپیوں اور کتابوں پر جلی حروف میں اپنے نام کے ساتھ گوجر چوہان لکھنا شروع کر دیا۔

کتاب کی وجہ تالیف میں لکھتے ہیں کہ یہ میری بیس سالہ محنت کا نتیجہ ہے جسے میں نے شوقیہ 1933ء سے اکھٹا کرنا شروع کر دیا تھا جبکہ اس وقت میری عمر صرف گیارہ سال کی تھی۔ 1947ء کے بعد جب دشمن مؤرّخین گوجر قوم کو گھٹیا ذات (گوالا وغیرہ) لکھنے لگے تو میں نے مناسب سمجھا کہ قوم کی اُس سوئی ہوئی قومی غیرت وحمیت کو بیدار کروں جو ہمیں بزرگوں سے ورثہ میں ملی ہے۔

اس تاریخ کو مرتب کرنے سے قبل مجھے بہت سے علاقوں میں جانا ہوا جہاں میرا سر فخر سے بلند ہو گیا کہ گوجر خون ابھی زندہ ہے، بہت سوں نے مجھ سے کہا کہ ہم تو ایسے لوگوں میں رشتہ داریوں کو پسند نہیں کرتے جو گوجر قوم سے ہوتے ہوئے بھی قومی غیرت سے خالی ہیں کجا دوسری قوموں میں رشتہ کرنا؟۔ ان کی اس قومی غیرت وحمیت نے مجھے بے چین کر دیا کہ تاریخ گر جر لکھ کر میں ان لوگوں کو نوک زبان عطا کروں۔

فخر نسب

ہمارا عقیدہ ہے کہ دنیا کے تمام انسان تخلیق کے لحاظ سے ایک دوسرے کے اعضاء ہیں "یک جوہر" ہیں خدا کے نزدیک تمام آدمی اس کے بندے ہیں۔

اور ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے:

اَلنَّاسُ کُلُّھُمْ بَنُوْا آدَم ، وَآدَمُ مِنْ تُرَاب۔

یعنی تمام انسان آدم ؑ کی اولاد ہیں اور آدم ؑ کو اللہ تعالیٰ نے مٹّی سے پیدا کیا۔

اس لئے فخر نسب میں بھی دیگر معاملات کی طرح دارو مدار نیت پر ہے، اگر نیت بخیر اور فخر برمحل ہو تو عین صواب اور خیر محض ہے، ورنہ بزرگوں کی استخواں فروشی اور پدرم سلطان بود کی رٹ ہے۔

مثال کے لئے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا عمل ہمارے سامنے موجود ہے۔ جنگ حنین کے موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس ایک جملے نے لشکر اسلام کے انتشار و انہزام کو جمعیت اور قوت سے بدل دیا۔

اَنَا النَّبِیُّ لَاکَذب، اَنَا اِبْنُ عَبْد المطَّلِب۔

خوش قسمت ہیں وہ قومیں جن کو اپنے آباؤ اجداد کے قصّے مطالعہ کرنے کے بعد نیک کاموں اور قومی بھلائی کی توفیق ملے۔

چند معزز ہستیاں

ضلع گجرات کے چوہان خاندان میں بڑے بڑے جامع العلوم فاضل گزرے ہیں جن سے سینکڑوں آدمی مستند ہوئے۔ مثلاً:

علامۃ الدہر استاد الکل مولانا محمد عالم صاحب

مولانا مولوی غلام غوث

مولانا غلام جیلانی ناظم ریاست ٹونک

قاری عبدالوارث

مولانا صدرالدین

مولانا محمد عبداللہ المحدث الصوفی الفاضل نقشبدی

مولوی محمد عبیداللہ، مولوی فاضل، منشی فاضل

مولوی حاجی احمد مولوی فاضل، منشی فاضل وغیرہ وغیرہ۔

جناب رانا تاج محمد چوہان

آپ کا تعلق موضع گجرات ضلع مردان کے، پی، کے سے ہے۔ آپ نے اپنے علاقہ میں قوم کی مختلف انجمنوں کے قیام میں مدد کی، اور بذریعہ تحریر وتقریر کے قوم کی خدمت کرتے رہے۔ آپ نے ریاست سوات، پشاور اور دیگر علاقوں میں جا کر قوم میں تعلیمی بیداری کی روح پھونکی۔ جس کے نتیجے میں آج الحمدللہ قومی شعور بیدار ہو چکا ہے۔

جناب ملک محمد حیات چوہان

آپ کا تعلق گجرات پنجاب سے ہے، آپ ایک اعلیٰ درجہ کے کاروباری شخص ہیں، اور آپ کے عزیز و اقارب اعلیٰ عہدوں پر فائض ہیں۔ آپ ایک پرنٹنگ انک فیکٹری کے مالک ہیں۔

جناب چوہدری محمد سعید چوہان

سیالکوٹ کے سربرآوردہ گوجر حضرات میں آپ ایک امتیازی حیثیت کے مالک تھے۔ایک عرصہ تک انجمن مرکزیہ گوجراں کی مجلس انتظامیہ میں مخلصانہ خدمات سرانجام دیں،مقامی انجمن گوجراں کے صدر رہے۔آپ کا تعلق ضلع گورداسپور کے موضع کھرلوہہ سے ہے جسے آپ کے اجداد نے آباد کیا تھا۔ ۱۹۴۷ء کے بعد یہ موضع تحصیل شکر گڑھ میں ہونے کی وجہ سے ضلع سیالکوٹ میں شامل کیا گیا۔آپ کے والد ۱۸۸۸ء میں علمی مشاغل سے فارغ التحصیل ہوئے۔اور ۱۹۰۱ء میں آپ کی پیدائش ہوئی۔مؤلف تاریخ گوجراں جناب حافظ عبدالحق صاحب آپ کے ماموں تھے۔

رانا محمد سعید چوہان ابتداء عمر سے قوم کی تعلیمی اصلاح کی طرف متوجہ رہے،اور رسالہ مسلم گوجر میں مضامین لکھتے رہے۔انجمن مرکزیہ گوجراں کے اعزازی ناظم رہے،اور گوجر گزٹ کا بیشتر حصّہ آپ اور آپ کی اہلیہ کے مضامین پر مشتمل ہوتا تھا۔(جلد 4،ص 100 پر آپ کا شجرہ ہے)اور مولف گرجر کا ص 40، ج 4 پر۔

جناب رانا نیک محمد چوہان

رانا نیک محمد چوہان سالوں کراچی کی محفلوں کی رونق رہے۔آپ حسّاس دل کے مالک تھے،قومی اور ملّی کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصّہ لیتے رہے،طویل عرصہ تک انجمن مسلمانان پنجاب کے سیکرٹری رہے،اور کراچی میونسپل کارپوریشن کے رکن بھی منتخب ہوئے۔

الحاج مولانا اختر علی چوہان

الحاج مولانا اختر علی چوہان کا تعلق موضع کھوڑی ضلع گجرات پنجاب سے ہے۔کھوڑی کا یہ چوہان خاندان کسی تعارف کا محتاج نہیں ہے۔آپ فخر گوجر قوم "مورّخ شاہان گوجر" جناب مولانا ابوالبرکات محمد عبدالمالک مرحوم کے فرزند ہیں۔آپ بھاولپور میں ڈپٹی کمشنر رہ چکے ہیں،اور قومی کاموں میں آپ کی توجہ قابل ستائیش رہی ہے۔

ان کے علاوہ چند مزید معززین کے اسمائے گرامی مندجہ ذیل ہیں۔

☆ رانا اختر علی صاحب چوہان ریٹائرڈ ڈپٹی کمشنر بہاولپور

☆ رانا ظفر علی صاحب چوہان بی اے،ایل،ایل،بی،ایڈوکیٹ گجرات

☆ رانا نیک محمد چوہان کونسلر کراچی

☆ زرداد خان چوہان سکنہ گجرات ضلع مردان

☆ شیر داد خان چوہان سکنہ گجرات ضلع مردان

☆ رانا محمد ایوب صاحب چوہان، اسسٹنٹ سپرنٹنڈنٹ پوسٹ آفس کوئٹہ

☆ ملک سعید اللہ چوہان خورد جبہ ضلع مردان

☆ حجت خان چوہان ۔۔۔۔۔۔۔۔۔مردان

☆ سردار ملک رجب خان علاقہ کالام

☆ سردار غازی علی بہادر چوہان ملاچھ بڑہار

☆ محمد یونس چوہان چیئرمین کُنڈ بالا 2022 تا 2026

آپ کے ساتھ کونسل میں چھے ممبران میں سے پانچ ممبر چوہان ہیں۔

☆ نور خان چوہان آپ 2015-2019 ناظم ہل کوٹ رہے ہیں۔

☆ محمد حسین چوہان، آپ 2015-2019 کُنڈ بالا کے ناظم رہے ہیں۔

☆ عبدالقیوم چوہان، کلس جمال ماری کاغان۔ڈائیریکٹر منسٹری آف ہاؤسنگ اسلام آباد

☆ جلال بابا چوہان، آپ 2015-2019 مہانڈی کاغان کے ناظم رہے ہیں۔

چوہان گوجر دنیا بھر میں آباد ہیں

چوہان متوسط القامت، جفاکش اور بہادر ہوتے ہیں۔ضلع گجرات میں ان کے کئی گاؤں ہیں۔کھوڑی، راجو پنجن، باہروال، چوہدووال، بوریانوالی وغیرہ وغیرہ۔

یہ قوم پنجاب اور ہندوستان میں ہر جگہ پھیلی ہوئی ہے،خصوصاً راجپوتانہ میں۔

چوہانوں کی کئی شاخیں ہیں جن کا اس کتاب میں پہلے ذکر کیا جاچکا ہے۔زیادہ تر چوہان ہندو اور سکھ ہیں،مگر وہ زُنار نہیں پہنتے،اور نہ ان کے ہاں چوکے کی رسم ہے۔جیسا کہ ہندو اپنے باورچی خانوں میں پلستر وغیرہ کر کے چوکا بناتے ہیں،جس میں کوئی مسلمان یا غیر قوم کا آدمی نہیں جا سکتا۔

ہندو چوہان آپس میں مل کر ایک برتن میں کھا پی لیتے ہیں۔ چوہانوں کی ایک گوت ہارا چوہان ہے، جو صوبجات متحدہ آگرہ و اودھ میں کثرت سے آباد ہیں۔ابتدائے زمانہ میں اجمیر پر انہوں نے سینکڑوں سال تک حکومت کی،لیکن اب وہاں چوہانوں کی تعداد بہت کم ہے، یا تو وہاں سے نکال دیئے گئے، یا دوسری قوموں میں مدغم ہو گئے۔

(تاریخ شاہان گوجر ،ص،۱۹۰)

بہادر چوہان قوم بھارت اور پاکستان سمیت کئی دیگر مما لک میں پائی جاتی ہے۔تاریخ میں ان کو پرتھوی راج چوہان کی سلطنت کی وجہ سے خاص طور پہ یاد کیا جاتا ہے۔تاریخی، ثقافتی اور تعداد کے لحاظ سے ان کو بھارت اور پاکستان میں (لیکن خاص طور پہ بھارتی ریاست راجستھان میں) بہت اہمیت دی جاتی ہے۔

یہ قوم پاکستان میں اکثریت سے آباد ہے۔اور گوجرات میں چوہدروال۔ پیر آباد گاؤں میں، اسکے علاوہ چوہدروالی۔گھوڑیاں۔ راجو بخن۔ باہروال۔ بویاوالی۔ چک ارجاوی۔منلی۔ باشنہ۔ چھنڈا چوہان۔ اور چوہان خوروکلاں ان کے موضع جات ہیں۔

مانسہرہ میں گُوجر چوہانوں کی آبادی گاوں جگن، کھٹیاں شراس،کھن موہری، روگا حبیب اللہ، درہ شوال، ترنہ کھن گھیری، کمی بالاکوٹ، جمال ماری،مہانڈی بالاکوٹ، کالشیاں، بسوت بالاکوٹ، حسہ،لسیاں، اوچری جدید، چھوٹا پنجول مانسہرہ،تمری، گاندھیاں،عطرشیشہ،گڑمنگ بالا، کنڈ بالا، اچھڑیاں، داری بنی، مانسہرہ، چٹہ بٹہ، پھلگہ، مڈھار،

اشوال، سم بانڈہ، ٹمبرموہڑی، بٹگرام ۔توت ڈنہ، بھیڑ بالا، صم بانڈہ، جوز، دکھن، گٹ سیری، اور سنڈے سروغیرہ وغیرہ میں پائی جاتی ہے۔

چوہان گوجر سندھ، بلوچستان، اور پنجاب بھر میں گوجر خان، ضلع جہلم، ضلع راولپنڈی، اسلام آباد، علاقہ حسن ابدال، ٹیکسلا، ہری پور، قلندر آباد میں بھی آباد ہیں۔ اسی طرح خیبر پختونخواہ میں ملاکنڈ ڈویژن میں بھی بکثرت موجود ہیں، پشاور، سوات، شانگلہ، بنیر، لوئر دیر، اپر دیر، چترال، گلگت،، ارندو، افغانستان، آزاد کشمیر، جموں کشمیر اور پونچھ کے پہاڑوں میں آباد ہیں۔

ہندوستان کے شمال مغربی حصّہ میں سندھ سے گنگا تک، دریائے گنگا اور جمنا کے ساتھ ساتھ، ضلع سہارن پور میں جو کسی زمانہ میں گجرات کے نام سے موسوم تھا، گوالیار کے ایک شمالی ضلع میں جسے آج تک گوجر گڑھ کہتے ہیں۔ ریاست رام پور اور بندھیل گڑھ میں بھی ہندو اور مسلم دونوں قسم کے چوہان پائے جاتے ہیں۔، اجمیر، ضلع فیروز پور، ضلع گورداسپور ریاست گوالیار، ضلع لودھانہ، ضلع مظفر نگر، ریاستِ لس بیلہ، میرٹھ، ہوشیار پور، یو پی کے 36 ضلعوں سمیت ملک بھر میں کثرت سے آباد ہیں۔

وسط ایشیا، خوارزم، آذربائیجان، افغانستان، روس، چین، ترکستان، ایران، مصر، تبت، وغیرہ میں یہ قوم آباد ہے۔

گنجنہ گوجراں میں چوہان قبیلہ کا شجرہ یوں بیان کیا گیا ہے

راجہ اول تمکر ۔سالو۔ چھندا ۔ ماہو ۔ مخدوم ۔ اسلام ۔ شہاول ۔ بہاول بخش ۔ سمندہ ۔ شاہ محمد دو بیٹے محمد علی سلطان علی کا بیٹا سردار خان ۔ محمد علی کا بیٹا گہنا خان پسر محمد اشرف ۔

اس کے علاوہ چک ارجاوی میں صوبہ دار کرم دادخان ۔ چوہدری صاحب زارہ فیصل آباد سمندری میں ۔ عبدرحمان چک نمبر 449۔ کے علاوہ فیصل آباد محمد خان ۔ موضع باہروال کے چوہدری ریاضت علی ۔ چوہدری محمد عالم ۔ موضع بوریاوال ۔ چوہدری کے محمد خان ۔ گہتا خان ولد محمد علی ۔ شامل ہیں ۔

چوہان گجر اور کٹاریہ گجروں کے راجگان۔

چوہانیہ شوالک میں فوجی دستہ کے ساتھ پناہ گزیر ہوا اس کے راجہ سورج کٹاریہ۔ راجہ گلاب ۔ راجہ کرن ۔

راجہ لی راج۔ راجہ سورن راج۔ راجہ چالک راج بیون راج۔ راجہ لال راج۔ راجہ ہوہڑ راج۔ راجہ پدرم راج۔ راجہ تان راج۔ راجہ اجے راج۔ راجہ ہجے۔ ہری راج۔ راجہ تام راج۔ وغیرہ

خاتمہ

مرتب کر دیا میں نے سلف کے کارناموں کو

پراگندا پڑے تھے طاقِ نسیاں پر یہ چند اجزا

تم ان اسلاف کے فرزند ہو جن کی شجاعت نے

ہزاروں سرکشوں کی گردنوں کو تھا کچل ڈالا

بڑھی جاتی ہیں قومیں تم سے میدانِ ترقی میں

مگر تم ہو کہ غفلت سے پڑے سوتے ہو بے پروا

زر و عزت تو کھو بیٹھے ہو تم آپس کے جھگڑوں سے

گلے مل جاؤ آپس میں بجز اس کے نہیں چارا

بزرگوں کی نصیحت پر عمل کرنا سعادت ہے

زمانہ کے کسی دانا نے فرمایا ہے کیا اچھا

محتاج دعاء

(مولانا) محمد موسیٰ شاکر غفراللہ لہٗ ولوالدیہ

شفیلڈ یوکے

بدھ، 5 فروری 2025ء مطابق 6, شعبان المعظم ۱۴۴۶ھ

مولانا محمد موسیٰ شاکر کی چند دیگر کتب
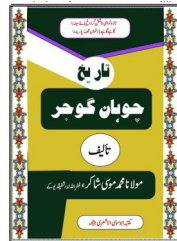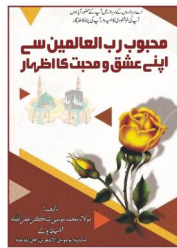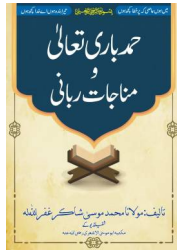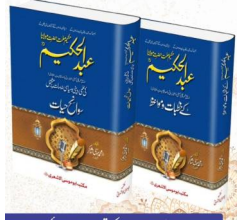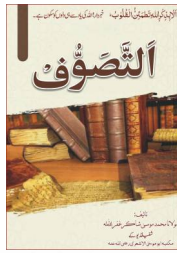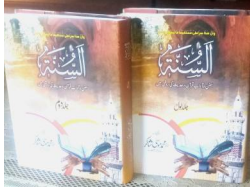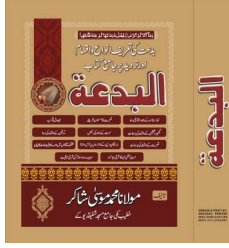
☆ البدعۃ: بدعت کے موضوع پر

☆ السنۃ: سنت کے موضوع پر 2 جلدوں پر مشتمل

☆ التصوّف: تصوّف کے موضوع پر

☆ سوانح حیات: حکیم ملّت حضرت مولانا عبدالحکیمؒ

☆ خطبات: حکیم ملّت حضرت مولانا عبدالحکیمؒ

☆ تاریخ چوہان گوجر

☆ حمد باری تعالیٰ ومناجات ربّانی

☆ محبوب رب العالمین سے اپنے عشق ومحبت کا اظہار عربی (نعتیہ کتاب)

☆ محبوب رب العالمین سے اپنے عشق ومحبت کا اظہار (فارسی)

☆ محبوب رب العالمین سے اپنے عشق ومحبت کا اظہار (اردو و پنجابی)

☆ الموت: (زیر طبع)

چند تصویری جھلکیاں